CONCEPT OF GOD IN THE RELIGIONS WHICH ARE IN PRACTICE IN INDIA

ABSTRACT

THESIS SUBMITTED FOR THE AWARD OF THE DEGREE OF

Doctor of Philosophy

IN

SUNNI THEOLOGY

BY

MD. ABRAR AHMAD

Under the Supervision of

DR. TOWQUEER ALAM

DEPARTMENT OF SUNNI THEOLOGY
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH (INDIA)

2002

خلاصہ

مذہب یا طریقۂ زندگی ایک فرد یا ایک جماعت کے لیے بہترین عطیۂ خداوندی ہے۔ یہ وہ سرمایہ ہے جس کی بدولت اس دنیا میں زندگی گزارنے کا سلیقہ اور آخرت یعنی موت کے بعد کی زندگی کے لیے اسی دنیا میں توشہ فراہم کرنے کا زریں موقع ہاتھ آتا ہے۔ ظلم و بربریت، شر و فساد، حرص و طمع، اور جھوٹ و فریب جیسی لعنتوں سے نجات پا کر انسان اس کے سائے میں امن و آشتی، عدل و انصاف، اخوت و محبت اور ہمدردی و شفقت جیسی نعمتوں سے متمتع ہوتا ہے جس کی بنا پر مستقل اور ابدی زندگی کی کامیابی کی ضمانت ملتی ہے اور یہ دنیا بھی نوازش الٰہی کی شکل میں جنت نشاں بن جاتی ہے۔

پروفیسر وائٹ ہیڈ کے بقول:

> ''مذہب اعتقاد کی اس قوت کا نام ہے جس سے انسان کو اندرونی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ مذہب ان صداقتوں کے مجموعے کا نام ہے جس میں یہ قوت ہوتی ہے کہ وہ انسانی کردار میں انقلاب پیدا کر دے بشرطیکہ اسے خلوص کے ساتھ قبول کیا جائے اور بصیرت کے ساتھ سمجھا جائے''

ایک اور دانشور مذہب کی تعریف میں رطب اللسان ہے:

''مذہب آدمی کو سماج میں رہنے کے لائق بناتا ہے، ناامیدی کی حالت میں اس کی ہمت بندھاتا ہے اور اس کے اندر فرض کی ادائیگی کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور انسان کو انسان سے محبت کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ نیز اسی کی بنیاد پر انسان مرنے کے بعد شروع ہونے والی زندگی کی امید باندھتا ہے۔ انسان نے یہ زندگی اگر مذہب کے اصول مان کر نیکی اور پرہیز گاری سے گزاری ہے تو قدرتاً دل کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر برے افعال لوٹ مار، دھوکہ دہی میں گزاری ہے تو ظاہر ہے کہ آدمی اس دنیا میں ہی لوگوں کی نظروں سے چھپ کر رہنے لگتا ہے۔ مذہب انسان کو اس کیفیات سے بچانے کا بڑا ذریعہ ہے''۔

ہندوستان میں دو قسم کے مذاہب پائے جاتے ہیں۔ایک قسم کے مذاہب تو وہ ہیں جو اسی خطہ کی پیداوار ہیں۔مثلاً بدھ ازم،جین ازم اور سکھ ازم وغیرہ۔اور دوسری قسم کے مذاہب میں اسلام، ہندوازم، یہودیت اور نصرانیت وغیرہ ہیں جنھیں خارجی مذاہب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

خارجی مذاہب کے علمبرداروں میں دراوڑی قوم کو خطۂ ہند میں قدم جمانے کے اعتبار سے تقدم کا شرف حاصل ہے۔اور اس کے بعد اس کا سہرا آرین قوم کو بندھتا ہے۔پھر یکے بعد دیگرے چھٹی صدی قبل مسیح میں ہندوازم کی متغیر اور تبدیل شدہ شکل میں بدھ مت اور جین مت جیسے دو مذاہب منظر عام پر آتے ہیں۔اول الذکر کو بڑی شہرت ملی اور وہ عالمی مذہب کی صف میں آ کھڑا ہوا جب کہ آخر الذکر اسی سرزمین ہند میں محصور رہا۔اور اسے بجا طور پر قومی سطح کے افکار و مذاہب کی فہرست میں شامل کیا جاتا ہے۔تقریباً پانچ صدی کے بعد اس سرزمین میں یہودیت وعیسائیت کا ورود ہوا۔یہی وہ زمانہ تھا جب کہ زرتشتی مذہب نے بھی یہاں جگہ پائی۔پھر ایک طویل وقفے کے بعد اسلام کی آمد ہوئی اور پھر آخر میں اصلاح قوم کے جذبے سے سرشار ہو کر ہندوازم سے انحراف کرتے ہوئے ایک مذہب وجود میں آیا جسے سکھ مت کے نام سے جانا جاتا ہے۔

مذاہب میں خدا کا تصور مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا کہ خدا کے سلسلے میں تصور فکر و عمل کی شاہراہ متعین کر دیتا ہے۔اور جتنا صاف اور واضح تصور خدا ذہن نشین ہوگا اتنے ہی صاف اعمال بھی صادر ہوں گے۔ایک مافوق الفطرت ہستی کا وجود اور اسے تسلیم کیا جانا فطرت اور عقل کی پکار ہر ہر انسان کے سکون و راحت اور طمانیت و تسلی کی ایک اہم ضرورت ہے۔مذہب کے بغیر انسان انسان، نما درندہ بن جاتا ہے۔اور اس عارضی زندگی کے بعد کی اس کے سامنے بے معنی ہو جاتی ہے۔اس کی اصل روح تصور خدا ہے اور اسی کی بدولت مخصوص قسم کا جسم رکھنے والا آدمی انسان بن جاتا ہے اس لیے کہ مذہب ایک شخص کو ذمہ دار اور جوابدہ بنا دیتا ہے۔اور اسے یہ جواب دہی کائنات کے حقیقی مالک کے سامنے کرنا پڑے گی۔

تصور خدا کا یہ موضوع جتنا زیادہ اہم ہے اتنا ہی زیادہ سمجھنے کے اعتبار سے آسان ہے۔اس کی تعبیر

یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ کائنات کی سب سے بڑی حقیقت خدا کو سمجھنے کے لیے فلسفیانہ موشگافیوں میں الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ کوئی ایسا معمہ یا گھتی ہے جسے سلجھانے کے لیے باضابطہ کسی استاد کے سامنے حاشیہ نشینی اختیار کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی مدرسے، کالج یا یونیورسٹی میں داخلہ لینے کی ضرورت ہے۔ بلکہ ایک عام انسان بھی جس کے ہوش وحواس کھو نہیں گئے ہوں، اس حقیقت کو بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جب ایک چھوٹی سے چھوٹی چیز کا کوئی مالک ہوتا ہے، ایک شعبے کا کوئی ذمہ دار ہوتا ہے، اسی طرح ایک حکومت کا کوئی سربراہ ہوتا ہے، تو کیا پوری کائنات کا کوئی ضابط وحکمراں یا مالک وذمہ دار نہیں ہے۔ جب ایک چھوٹا سا کارخانہ مالک کے بغیر نہیں چل سکتا تو کائنات جیسا عظیم الشان کارخانہ بغیر کسی مالک وحاکم کے کیسے چل سکتا ہے۔ چنانچہ خدا کی موجودگی عقل کا تقاضا ہے۔

خدا ہے اور وہ ایک ہے۔ ذات میں صفات میں اور اختیارات میں کوئی بھی اس کا مثیل ومعاند نہیں ہے۔ کائنات کی یہی وہ سب سے بڑی حقیقت اور نوع بشری کی اہم ترین ضرورت تھی جس کے ذہن نشیں کرانے اور عملی زندگی میں نافذ کرانے کے لیے ابتداء آفرینش سے ہی اللہ رب العزت نے انبیاء ورسل کی بعثت مبارکہ کا سلسلہ جاری فرمایا اور خاتم النبیین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تک اس عظیم ترین کام کو برقرار رکھا۔ سامی النسل مذاہب ہوں یا آریہ النسل کے مذاہب، کم وبیش ہر مذہب میں کائنات کی اس عظیم ترین حقیقت کی جلوہ گری ہے۔

<u>برہمنی مت:</u> یا ہندومت جو اپنی اصل کے اعتبار سے ویدک مت کی حیثیت سے بھی جانا جاتا ہے۔ اس کے علمبرداروں کی قابل ذکر تعداد ہندوستان کے علاوہ بنگلہ دیش، پاکستان، انڈونیشیا، نیپال، برما، ماریشش، شری لنکا، سنگاپور اور ملیشیا میں پائی جاتی ہے۔ ہندودھرم کا آغاز کیا ہے؟ اس کا بانی یا مؤسس کون ہے؟ کن وجوہ کی بنا پر اس کی بنیاد رکھی گئی؟ احوال کوائف کیا تھے؟ اس کی آواز پر لبیک کہنے والے کون لوگ تھے؟ اور ان کے حالات زندگی کیا تھے؟ یہ اور اسی سے متعلق بہتیرے سوالات کے جواب تشنہ توضیح ہیں۔ ہندوازم کے ایک دانشور کی رائے میں یہ مذہب کسی ایک شخص، پیر یا پیغمبر کا جاری کیا ہوا مذہب نہیں ہے۔ بلکہ یہ قدرت کی طاقتوں اور انسانی فطرت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بنی نوع انسان کے اندر باہمی اخوت ومحبت اور خیر وصداقت کی ترغیب نیز خالق کائنات کو مالک کل سمجھنا اور اسی کی پرستش

کرنے کی تاکید وتلقین کا نام تھا۔(۱)

بابائے قوم مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لعل نہرو، ڈاکٹر رادھا کرشن، سوامی وویکا نند اور شری آروبند گھوش بلاشبہ ہندومت کے اہم ترین ستون شمار کیے جاتے ہیں۔ ہندومت سے متعلق ان کی آراء وافکار کا ماحصل یہ سامنے آتا ہے کہ ہندومت تمام مذاہب کے سلسلے میں انتہائی روادارانہ فکر کا حامل ہے، اوراس کا عقیدہ ہر ایک کو اپنی آغوش میں جگہ دینے کو تیار ہے۔ یہاں بلند ترین سے لے کر پست ترین تک ایسے افکار واعتقادات موجود ہیں اور وہ بسا اوقات ایک دوسرے سے متصادم ومتضاد ہیں۔

ہندومت سے متعلق متنوع اور مختلف اقوال وملاحظات کی روشنی میں مغربی محقق جان کلارک آرچر کا یہ تبصرہ معنی خیز ہے:

''ہندوازم کی اصطلاح وسیع بھی ہے اور مبہم بھی، کسی بہتر اور واضح تعریف کے موجود نہ ہونے کے باعث ہم اس لفظ (ہندومت) کا استعمال ہندو کے مذہب کے مفہوم میں کر سکتے ہیں''۔(۲)

ہندومت میں تصور خدا کو کیا حیثیت حاصل ہے، اس کا اندازہ ہندومت کے عظیم ترین نمائندہ محقق سوامی وویکانند کے اس لکچر سے ہوتا ہے جسے ۱۸۹۷ء میں بمقام لاہور ''ہندوازم۔اے یونیورسل ریلیجین'' کے موضوع پر سامعین کے گوش گذار کیا تھا اور جس میں انھوں نے اپنے موقف کی وضاحت میں ہندومت کی تین مشترکہ بنیادوں پر سیر حاصل گفتگو کی تھی۔ ویدوں پر ایمان، خدا پر ایمان اور آواگمن پر ایمان، جو شخص ان تینوں کو یا کسی ایک کو نہیں مانتا وہ ہندو مذہب کا علمبردار نہیں ہوسکتا۔ دوسری بنیاد خدا پر ایمان سے متعلق سوامی جی گویا ہیں کہ ہم سب کا خدا پر ایمان ہے۔ وہی ذات ساری کائنات کی محافظ ونگہبان ہے اور اسی کی طرف سب کو پلٹ کر جانا ہے...... ہمارا تصور خدا مختلف ہوسکتا ہے لیکن ایسا نہیں کہ کوئی ذہن خدا پر ایمان رکھنے سے خالی ہو۔ مطلب یہ کہ جو شخص ایک مافوق الفطرت ہستی اور لامحدود طاقت پر ایمان نہیں رکھتا اسے ہندو نہیں کہا جاسکتا۔

ہندومت کی مستند ترین کتاب وید ہے جسے بایں طور الہامی بھی کہا جاتا ہے کہ فضا میں گردش کرتی ہوئی صداقتوں کو قدیم رشیوں اور منیوں نے سن لیا تھا۔ یہ سینہ بسینہ منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ وید ویاس کی

کوششوں سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا گیا۔ 'حقیقت ایک ہے اور اس کے مظاہر بے شمار ہیں' کی صدائے بازگشت رگ وید کے متعدد منتروں میں سننے کو ملتی ہے اور اپنشد میں تو برہما کے خدا ہونے اور ایک خدا ہونے کی حقیقت کو فکر و فلسفہ کی حیثیت سے معراج مل جاتی ہے۔ اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ برہما یا خدا سے متعلق جس فکر کا آغاز ابتدائی ویدک ادب میں ہوتا ہے اس کی انتہا اپنشدوں میں ہو جاتی ہے۔

ویدک دور کے برعکس جس میں کائنات کی فطری قوتوں سے متعلق، اندر، اگنی، سورج، سوم اور وایو جیسے دیوی دیوتاؤں کا تارا منڈل دعوت ملاحظہ دیتا نظر آتا ہے، مہا بھارت اور رامائن میں کچھ نئے دیوی دیوتا مذہبی زندگی کی افق پر جلوہ افروز نظر آتے ہیں۔ ان میں برہما، شیو، وشنو اور ایک دیوی ماں مختلف خصوصیات کے ساتھ مختلف صورتوں میں اہمیت کے حامل قرار پاتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک صداقت ہے کہ اگر چہ ہندوؤں میں کئی فرقے وجود میں آ چکے ہیں اور ہر فرقہ ایک چنیدہ دیوتا کو ہی عشق و عقیدت کے نذرانے پیش کرتا ہے اگر چہ دیگر دیوتاؤں کی شان اس فرقہ کے علمبرداروں کے ذریعہ مجروح نہیں کی جاتی بلکہ ان کی اہمیت برقرار رہتی ہے۔ ہاں مخصوص اوقات میں ہر طبقے کا مخصوص دیوتا ہی مخصوص توجہات کا مرکز و محور ہوتا ہے۔ آج ہندو جن جن معبودوں کی عبادت میں مصروف ہوں اور عملی لحاظ سے وید کی تعلیمات کے کتنے ہی منحرف ہوں لیکن سچ تو یہ ہے کہ ویدوں میں دراصل ایک خدا کی ہی عبادت کی تعلیم و تلقین موجود ہے۔ اور یہاں یہ وضاحت بھی ہے کہ برہما، وشنو، سرسوتی اور اندر دراصل ایک ہی ایشور کی صفات ہیں جنھیں لوگ مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ رگ وید کا ایک منتر اس حقیقت کی مکمل تصویر کشی ہے:

''اندر، متر، ورن، وایو، شیو وغیرہ، تمام ایک ہی طاقت کے مختلف نام ہیں''۔ (۳)

اہل بصیرت اور اہل علم نے ایشور کو صفات کی بنیاد پر مختلف ناموں سے پکارا ہے ـــــ رگوید کا یہ منتر بھی قابل ملاحظہ ہے:

> ''ایشور ہی روحانی اور جسمانی طاقتیں عطا کرنے والا ہے اور اسی کی عبادت تمام 'دیو' کیا کرتے ہیں۔ اس ایشور کی خوشی ہمیشہ کی زندگی عطا کرنے والی ہے اور موت کا خاتمہ کرنے والی ہے۔ اس ایشور کو چھوڑ کر تم کس دیوتا کی عبادت کر رہے ہو''۔ (۴)

<u>بدھ ازم</u> ہندو ازم کے بطن سے پیدا ہوا۔ اسے ہندو ازم کے نئے اور اصلاح شدہ ایڈیشن سے بھی

موسوم کیا جاسکتا ہے اس کے بانی مہاراجہ شدھودن کے بیٹے گوتم سدھارتھ تھے جو نروان کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد گوتم بدھ کے نام سے موسوم ہوئے۔ بدھ مت نے ذات برادری، اونچ نیچ، آقائیت وغلامی اور اسی طرح کے بے جا امتیازات سے پرے ہو کر مساوات کا علم بلند کیا جس کی بنا پر اسے عالمگیر شہرت ومقبولیت ملی اور اس نے ہندوستان کی سرحدوں سے نکل کر جاپان، کوریا، چین، ویت نام، منچوریا، منگولیا، تھائی لینڈ، نیپال، برما، تبت اور شری لنکا میں خوب گل کھلائے۔

گوتم بدھ کی تعلیمات میں خدا یا ایشور کا براہ راست کوئی تصور نہیں ملتا۔ ہاں اگر تاویلات کا سہارا لیا جائے اور نروان سے متعلق ان کے افکار و ملاحظات کا مطالعہ کیا جائے تو اس اعتراف کی گنجائش موجود ہے کہ یہاں لطیف انداز میں تصور خدا موجود ہے۔ نروان کی حقیقت بدھ کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

''لوگو! ایک ازلی، غیر مخلوق، مستقل، لازوال، غیر متغیر (حقیقت) یعنی نروان موجود ہے۔ لوگو! اگر یہ ازلی، غیر مخلوق، مستقل، لازوال، غیر متغیر حقیقت موجود نہ ہوتی تو فانی، بے ثبات، مخلوق اور متغیر دنیا سے نجات ممکن نہیں تھی۔ لیکن چوں کہ ایک ازلی، غیر مخلوق، مستقل، لازوال، غیر متغیر حقیقت موجود ہے اس لیے فانی، بے ثبات، مخلوق اور متغیر سے نجات ممکن ہے''۔ (۵)

یہاں حقیقت کل نروان ہے اور ان کے تمام علمبرداروں کی ہر قسم کی سعی وکاوش میں اسے مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ بدھ نے خدا نام کے کسی ذات کی تلقین نہیں کی بلکہ ان کے نزدیک انسان کے حزن وغم اور مسرت وشادمانی میں کسی مافوق الفطرت ہستی کا وجود کالعدم ہے۔ تاہم بدھ مت کے علمبرداروں نے برہمی مت کے دیوتاؤں کی شان میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ گوتم بدھ کو خدائے اعظم کے مقام تک پہنچا دیا اور ان کی شان میں عمیق قلب سے گلہائے عقیدت پیش کیے۔ چنانچہ یہ فکر اتنا فروغ پایا کہ بدھی ستوا کے نام سے ملکوتی صفات کی حامل متعدد ہستیاں خدائی منصب پر فائز ہو گئیں۔

<u>جین ازم:</u> بدھ ازم کے مساوی اور ہندوازم سے منحرف ایک ہندوستانی مذہب ہے جو چھٹی صدی قبل مسیح کی پیداوار ہے۔ یہ بعض تعلیمات اور اصولوں کی بنا پر ہندوستان کی سرحد سے باہر نہیں نکل سکا۔ جین دانشوروں اور عالموں کے بقول جین مت کائنات کی ابتداء سے ہے اور انتہا تک رہے گا۔ اس کا کوئی بانی نہیں ہے۔ بلکہ ہر دور میں ۲۴ تیرتھنکرز (مصلحین) پیدا ہوتے رہے ہیں موجودہ دور کے پہلے تیرتھنکر

رشبھا، تئیسواں پرشوناتھ اور چوبیسواں یا آخری تیرتھنکر مہاویر ہیں جنھوں نے جین مت کے اصولوں کے مطابق تجرید محض کے مثالی طریقے پر گامزن رہتے ہوئے کیولیہ یا 'موکش' کا مقام حاصل کیا۔ یہ جین مت کے فروغ واستحکام کے لیے آخری وقت تک جہد مسلسل کرتے رہے۔ دوررس اصلاحات، اس کے فروغ کے لیے اقدامات وخدمات اور موجودہ دور کے آخری تیرتھنکر ہونے کی بنا پر انہیں جین مت کا بانی تصور کیا جانے لگا۔

جین مت کثرت حقائق کا علمبردار مذہب ہے۔ جیو (روح) اور اجیو (غیر ذی روح یا مادہ) دو اہم حقائق ہیں۔ اور ان کے تحت کائنات میں بے شمار حقیقتیں ہیں جو بیک وقت ازلی، ابدی اور بنیادی حیثیت کی حامل ہیں۔ روح اپنی فطرت کے لحاظ سے علم، احساس، لطافت، پاکیزگی نورانیت اور دوسری تمام صفات حسنہ سے عبارت ہے۔ اگر چہ جین مت میں خدا یا ایشور جیسے ناموں سے کسی خالق حقیقی یا خدا کا تصور نہیں ہے تاہم روح کو بیشتر الوہی صفات کا حامل قرار دے کر جین مت نے اپنے اوپر ناستک یا ملحد جیسے لگائے گئے الزام کو ہلکا کر لیا ہے۔

جین مت میں روح کو مادہ کے چنگل سے آزاد کرانے کے لیے صحیح عقیدہ، صحیح علم اور صحیح اخلاق پر مشتمل یوگا سسٹم وضع کیا گیا۔ اس کے تحت روح مکمل طریقے سے اپنی فطرت صالحہ کا مقام پالیتی ہے اور ایک شخص موکش یا نجات حاصل کر لیتا ہے۔ بالاختصار یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اگر چہ جین مت مافوق الفطرت ہستی کے وجود کا قائل نہیں ہے تاہم تصور خدا کے لحاظ سے بایں طور فراخدل ہے کہ مادہ کی آلائشوں سے پاک بے شمار روحیں خدائی مقام پر فائز ہو جاتی ہیں۔

<u>سکھ ازم:</u> کا آغاز پندرہویں صدی عیسوی کے آخر میں اس وقت ہوا جب بھگتی کی تحریک شباب پر تھی۔ حقیقی سعادت وکامرانی کے لیے ایک طرف صوفیائے کرام ذاتی مشاہدے اور باطن کے فروغ پر زور دے رہے تھے اور دوسری طرف بھگتی تحریک کے سنتوں کی خدائے واحد کی پرستش سے متعلق عشق ومحبت میں ڈوبی ہوئی شبانہ روز کی کوششیں تھیں۔ ایسے ماحول میں گرونانک صاحب نے اپنی آنکھیں ۱۵/اپریل ۱۴۶۹ء میں لاہور سے تقریباً پچاس میل دور ایک گاؤں میں کھولیں۔ یہی گرونانک سکھوں کے پہلے گرو اور سکھ مت کے بانی ہیں۔ عشق الہٰی میں سرشار ہو کر ''نہ کوئی ہندو اور نہ کوئی مسلمان'' کی معرفت حاصل کرنے

کے بعد آپ کی زندگی انقلاب آشنا ہوگئی۔ ذکر الٰہی ان کا اوڑھنا بچھونا بن گیا اور انھوں نے اطراف عالم میں گھوم گھوم کر اپنے مخصوص فکر کی تشہیر کی۔ آخری عمر میں اپنے ایک مرید لہنا کو فنافی الشیخ کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز کر کے انگد (اپنی ذات کا جزو) کا خطاب دیا اور اسے اپنا جانشین متعین کر کے ۱۵۳۹ء میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ ان کے بعد، گرو انگد، گرو امر داس، گرو رام داس، گرو ارجن، گرو ہرگوبند، گرو ہری رائے، گرو ہر کشن، گرو تیغ بہادر، گرو گوبند سنگھ، نے یکے بعد دیگرے سکھ مت کی قیادت و پیشوائی کا فریضہ انجام دیا۔

سکھ ازم میں ہندو ازم، بدھ مت اور جین مت کے مقابلے میں خدا کا بہت ہی واضح تصور پایا جاتا ہے۔ گرونانک کے بقول ہر شی میں خدا کا وجود ہے۔ خود وہ فاعل ہے، خوف و ہراس اور بغض و کینہ سے پاک ہے۔ وہ مخلوق نہیں ہے اس لیے اس کی ہستی و وجود پر کوئی چیز اثر انداز نہیں ہوسکتی۔ اس نے بذات خود کائنات کو بنایا۔ وہ ایک ناقابل فہم اور ناقابل ادراک ہستی ہے۔ اور وہ یہ تک کہنے سے گریز نہیں کرتے کہ میرا خدا ان صفات کا مالک ایک ہی خداوند ہے۔ اور اس کی صفات میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ (۶)

<u>یہودیت:</u> یہودیت دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں ایک اہم مذہب ہے۔ جو اپنے مخصوص تبلیغی اصول اور اشاعت دین کی پابندیوں کی بنا پر اپنے متبعین کی تعداد کے لحاظ سے دوسرے سامی النسل مذاہب کے شانہ بشانہ چل نہیں سکا۔ حضرت اسحاق کے بیٹے حضرت یعقوب کا لقب اسرائیل (خدا کا بندہ) تھا۔ حضرت یعقوب کے بارہ بیٹوں اور ان کی اولاد کو اسی مناسبت سے بنی اسرائیل کے لقب سے ملقب کیا گیا۔ چوں کہ حضرت یعقوب کے بڑے بیٹے کا نام یہوداہ تھا اسی وجہ سے بعد میں یہ یہودی کے نام سے مشہور ہو گئے۔

یہودیوں کی مقدس کتاب عہد نامہ عتیق بائبل کا پہلا حصہ ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل بنی اسرائیل کے انبیاء کرام کے صحیفوں، ان کی تواریخ اور زبور وغیرہ پر مشتمل ہے۔ عہد نامہ عتیق کے انتالیس صحیفوں میں سے کوئی صحیفہ بھی حذف و اضافہ اور تغیرات و تحریفات سے پاک نہیں ہے۔ یہاں تک کہ پانچ نسبتاً معتبر صحیفوں (خمیس موسوی) میں بھی تحریفات ہوگئی ہیں۔ ان میں متضاد و مختلف، شکوک و شبہات سے پر اور لغو و فحش کلمات معدوم نہیں ہیں، تاہم تصور خدا مختلف رعنائیوں کے ساتھ کثرت سے پایا جاتا ہے۔ کتاب خروج کی یہ روایت ملاحظہ فرمائی جائے:

''پھر خدا نے موسیٰ سے کہا، میں خداوند ہوں اور میں ابراہام (ابراہیم)، اسحاق اور یعقوب کو قادر مطلق کے طور پر دکھائی دیا''۔(۷)

صحیفہ زبور میں خدا کی حاکمیت وملوکیت کو یوں بیان فرمایا گیا:

''زمین اوراس کی معموری خداوند ہی کی ہے اور جہاں میں اس کے باشندے بھی...... یہ جلال کا بادشاہ کون ہے؟ خداوند جوقوی اور قادر ہے، خداوند جو جنگ میں زورآور ہے''۔(۸)

عہد نامہ عتیق میں جہاں اللہ رب العزت اوراس کے اوصاف حسنہ کی وضاحت کثرت سے ہے وہیں شرک جیسی لعنت سے چھٹکارا پانے کی تلقین اور غیر اللہ کے آگے سجدہ کی شدت سے ممانعت پائی جاتی ہے۔لیکن تصور کا یہ گھناؤنا رخ نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ واضح اور مبرہن تعلیمات کے باوجود شرک کی لعنت سے یہ قوم اپنے آپ کو بچا نہ سکی۔

عیسائیت: افکارومذاہب کی کہکشاں میں عیسائیت کو دنیا کے سب سے بڑے مذہب ہونے کا شرف حاصل ہے جس کی واحد وجہ یہ ہے کہ یہ اپنے پیروؤں کو دعوت وتبلیغ کی راہ میں سرگرم عمل رکھتی ہے۔یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب ہے جن کی ولادت معجزانہ طریقے سے کنواری ماں حضرت مریم علیہ السلام کے بطن سے فلسطین کے ایک مقام بیت لحم میں ہوئی۔

آپ کو جو کتاب مقدس دی گئی قرآن اسے انجیل سے موسوم کرتا ہے۔اس وقت عہد نامۂ جدید، انجیل متی، انجیل مرقس، انجیل لوقا اور انجیل یوحنا سے موسوم چار حصوں پر مشتمل ہے۔اور یہ حضرت عیسیٰ کے بارہ مخصوص شاگردوں (جو حواریّین کے نام سے جانے جاتے ہیں) میں سے چار شاگردوں کی جانب منسوب ہیں۔ان چاروں اناجیل میں جو بات مشترک طور پر پائی جاتی ہے وہ یہ کہ ہر ایک میں حذف واضافہ اور تحریفات وتغیرات کثرت سے پائے جاتے ہیں۔یہ بات قابل ذکر ہے کہ موجودہ اناجیل انجیل مقدس کے الگ الگ حصے نہیں ہیں بلکہ ہر حصہ مکمل اور مستقل وجود رکھتا ہے۔اور انجیل مقدس کہلانے کا دعویدار ہے۔لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔اناجیل اربعہ کے علاوہ ایک اور انجیل بھی ہے جسے انجیل برناباس سے موسوم کیا جاتا ہے جسے عیسائیوں نے غیر مستند قرار دیتے ہوئے عہد نامۂ جدید میں شامل

کرنے سے گریز کیا۔اس کی دریافت نے دنیا بھر میں ہلچل پیدا کردی اس لیے کہ اس میں نہ صرف یہ کہ ایسی باتیں تھیں جن سے موجودہ عیسائیت کا خودساختہ قلع قمع ہوجاتا ہے، بلکہ اس میں نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک بھی مرقوم تھا۔(۹)

عہد نامہ جدید میں بلاشبہ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات مرقوم ہیں۔لیکن تحریفات کے پاک نہ ہونے کی وجہ سے ان کی روشنی میں حضرت عیسیٰؑ کے اقوال ونظریات کے سلسلے میں کوئی حتمی اور قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ہاں قرآن پاک (جسے توراۃ وانجیل کے مصدِّق (۱۰) ہونے کا اعزاز حاصل ہے) کی روشنی میں حضرت عیسیٰؑ کا تصور خدا انشت از بام ہوجاتا ہے کہ وہ کوئی نیا دین لے کرنہیں آئے تھے بلکہ اسی دین کے علمبردار تھے جو حضرت آدم سے لے کر حضرت موسیٰ تک تمام پیغمبران خدا لے کر آئے تھے۔اور جس کا اکمال واتمام نبی آخرالزماں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوا۔آپ نے ایک خدا کا علم بلند کیا اور بانگ دہل یہ دعوت دی کہ سارے لوگوں کا رب ایک ہی اللہ ہے۔لہذا اسی کی پرستش ہونی چاہیے۔(۱۱) انھوں نے اپنی حیثیت بھی واضح کردی کہ میں اللہ کا ایک بندہ ہوں جس نے مجھے نبی بنایا ہے اور جس نے مجھے کتاب وشریعت دی ہے۔(۱۲)

موجودہ اناجیل کی روشنی میں بھی جو اقوال ذات الٰہی سے متعلق حضرت عیسیٰؑ کی طرف منسوب ہیں ان کا لب لباب یہی ہے کہ خدا ایک ہے اور وہ زندہ وجاوید ہے۔ہاں تثلیث فی التوحید موجودہ عیسائیت کی شناخت اور عقیدے کا اہم ترین موضوع بن چکا ہے جس کو مانے بغیر کوئی شخص عیسائیت کا علمبردار نہیں ہوسکتا۔اور یہی وہ عقیدہ ہے جو اپنے علمبرداروں کو ایک خدا کی شاہراہ سے پھیر کر غیراللہ کا قلادہ بھی ان کی گردنوں میں ڈال دیتا ہے۔

اسلام: دنیا کے دیگر مذاہب میں اسلام ہی وہ مذہب ہے جو تخلیق کائنات کے بعد ہی دنیا کے سب سے پہلے آدمی حضرت آدم علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔انسانیت کے لیے یہی وہ نعمت عظمیٰ تھی جس کی تکمیل خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوئی۔(۱۳) اور جسے دربار خداوندی میں قبولیت کا شرف حاصل ہے۔(۱۴) یہ ایک مکمل ضابطۂ زندگی ہے اور ہر معاملہ زندگی میں کافی وشافی راہنمائی کرتا ہے۔انسانیت کو جامۂ انسانیت سے شرفیاب کرنے کے لیے اور جادۂ مستقیم پر گامزن کرنے کے لیے

کم وبیش سوا لاکھ انبیاء کرام تشریف لائے ،اور ہر ایک نے شرک و بت پرستی کی لعنتوں سے نکال کر صرف ایک خدا کی خدائی کا علم بلند کیا۔

توحید خالص دراصل انسانیت کے لیے بیش قیمت عطیہ ہے۔ اسلام اس بات کی تلقین کرتا ہے کہ ایک انسان کے لیے آسان بھی ہے اور اس کے شرف و سعادت کے شایان شان بھی کہ وہ ایک ہی مالک وحاکم کے سامنے سرعبودیت جھکائے۔ چوں کہ قرآن پاک اسلام کا تحریری ضابطۂ زندگی ہے اور توحید خالص کی وضاحت کے لیے اس کے منشور قرآن کریم (جو وحی الٰہی پر مبنی ہے) سے بڑھ کر کوئی اور مستند سرمایہ نہیں ہوسکتا۔ قرآن خدائے واحد کی پرستش کو استفسار کی شکل میں عقل واستدلال پر مبنی قرار دیتا ہے:

ءَ ارباب متفرقون خیر ام الله الواحد القهار ۔(۱۵)

[کیا اللہ کے علاوہ کئی متعدد خدا بہتر ہیں یا اللہ واحد جو سب پر غالب ہے]

اللہ کی ذات پر ایمان ،اللہ کی صفات پر ایمان اور اللہ کے اختیارات پر ایمان، توحید خالص کے مشتملات ومباحث ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس کی ذات میں، اس کی صفات میں اور اس کے اختیارات میں کسی کو شریک وسہیم قرار نہ دیا جائے۔ ان تینوں پہلوؤں میں سے کسی میں بھی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ایک بہت بڑا ظلم ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِنّ الشرک لظم عظیم ۔(۱۶)

[بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے]

شرک ظلم عظیم اس لیے ہے کہ ایک طرف اس عمل کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان میں حق تلفی ہوتی ہے، بایں طور کہ کائنات کا حقیقی خالق ومالک اللہ کی ہی ذات ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اس میں شریک کیا جائے اور دوسری طرف خود اپنے اوپر ظلم ہے، بایں طور کہ یہ گناہ اتنا سنگین ہے کہ معافی کا پروانہ نصیب نہیں ہوتا۔ اللہ رب العزت کا یہ اعلان ہے:

اِنَّ اللّٰہ لایغفر ان یشرک به ویغفر مادون ذالک لمن یَّشاء ۔(۱۷)

[بلاشبہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا اور اس کے علاوہ اور سب کچھ جسے چاہے معاف کرسکتا ہے۔]

حواشی

(۱) سمش کنول، ماہنامہ گگن، مذاہب عالم نمبر، ص:۱۲۱

(۲) John Clark Archer, The Great Religions of the Modern world

(۳) رگوید، ۱۵:۱۱۴/۵ (۴) رگوید، ۱۰: ۱۲۱/۲

(۵) بحوالہ عمادالحسن آزاد فاروقی، دنیا کے بڑے مذاہب، ص:۸۰

(۶) گروگرنتھ صاحب (انگریزی ترجمہ)، ج ۳، ص:۲

(۷) خروج، ۶ (آیت:۲۔۳)

(۸) زبور، ۲۴ (آیت:۱۔۸)

(۹) تقی عثمانی، عیسائیت کیا ہے: ص:۱۷۱

(۱۰) الصّف:۶

(۱۱) مریم:۳۶، الزخرف:۱۳۔۱۴

(۱۲) مریم:۳۰

(۱۳) المائدہ:۳

(۱۴) آل عمران:۸۵

(۱۵) یوسف:۳۹

(۱۶) لقمان:۱۳

(۱۷) النساء:۱۱۶

فہرست

مقدّمہ

مقدمہ

یہ ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ دنیا میں مختلف افکار و مذاہب پائے جاتے ہیں اور آدم وحوا کی اولاد کسی نہ کسی مذہب سے اپنی وابستگی کا عملی ثبوت دیتے ہیں، افکار ونظریات اور مذاہب ومسالک کے سلسلے میں زمانہ قدیم سے سرزمینِ ہند کو یہ شرف واعزاز حاصل ہے کہ اسنے اپنے آغوش میں پلنے والے ہر ہر فرد کو اپنے اپنے نظریہ کے مطابق دستورِ حیات کے انتخاب میں مکمل آزادی دی ہے۔ آج اس خطہ ارض پر کوئی بھی قوم فکر ونظریہ یا مسلک ومذہب سے اپنے آپ کو بے نیاز نہیں کر سکتی۔ اگر چہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ زمانہ قدیم میں اس گھوارے میں بہیمانہ طریقہ پر زندگی بسر کرنے والی مختصر سی آبادی مقصدِ حیات سے نا آشنا ہونے کی بنیاد پر افکار ومذاہب کی قیود سے مکمل طور پر آزاد تھی۔ لیکن دنیا کے مختلف اطراف سے بنی آدم کے اسفار ہند کے ساتھ ہی مختلف النوع مذاہب نے بھی اپنے قدم جمانے شروع کر دیئے اور آج کوئی گوشۂ ہند ایسا نہیں کہ جہاں کوئی مذہب یا اسکا نام لیوا موجود نہ ہو۔

مختلف تجربات وتحقیقات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ مذہب انسان کی بنیادی ضرورت ہے، یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں انسانوں کی کوئی مستقل جماعتی، تہذیبی یا قومی زندگی ایسی نہیں ملتی جو مذہب کی کسی نہ کسی شکل سے عاری رہی ہو یہ سچ ہے کہ اس کے بغیر اگر دنیوی زندگی تباہی وبربادی سے ہمکنار نہیں ہوتی تو کم از کم ناگفتہ بہہ اور سنگین صورتِ حال سے یقیناً دوچار ہو جاتی ہے مذہب وہ طاقت ہے جو ایک انسان کو تصور خدا، اس کی جزاء وسزاء اور ضابطۂ اخلاق کے حدود وقیود عائد کر کے انسان کو شفقت ومحبت، انسانیت اور بشر دوستی کا سبق سکھا کر دنیا کو امن وسکون کا گہوارہ بنا دیتی ہے۔

مذہب کی یہی معنویت اور انسانی زندگی سے اس کا یہی ربط اس بات کا محرک ہے کہ اس کا ظہور نسلِ انسانی کے مختلف گروہوں، مختلف عقیدوں، مخصوص اعمال وافعال، رسوم وروایات اور مخصوص قوانین وضوابط کی شکل میں ہوتا ہے۔

کسی بھی بڑے اور تاریخی مذہب کے جو چند مشترکہ مسلمات[1] لازم قرار دیئے جاتے ہیں ان

۱۔ ہر ایک مذہب میں تین چیزیں بنیادی مقام رکھتی ہیں، (۱) خدا (۲) رسالت (۳) آخرت

میں خالقِ کائنات کا تصور سب سے زیادہ اہم اور نمایاں تر اصول وکلیہ ہے اور اسی تصورِ الٰہ اور تصورِ خدا کے تحت ضابطۂ اخلاق اور جزاء وسزاء کا تصور بھی مذاہب عالم کے اہم اصول ومسلمات کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔

دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ تصور خدا کسی بھی مذہب میں خواہ کسی بھی شکل میں ہو کلیدی حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس مرکز ومحور پر انسان کے اعمال وافعال گردش کرتے ہیں۔ تصور خدا جس مذہب میں جس قدر واضح، مبرہن، فطری اور عقلی ہوتا ہے اسی قدر تمام شعبہ جاتِ زندگی کی سعی وعمل متعین ہوتی ہے اور اسی کے مطابق انسان کے معمولات ومصروفیات کا رُخ متعین ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس زندگی کے بعد عذاب وثواب اور جزاء وسزاء کا جو تصور بھی سامنے آتا ہے وہ اسی تصورِ خدا کا مرہون ومنت ہوتا ہے۔ اس کائنات کا کوئی خدا ہے تو اس کی حقیقت کیا ہے۔ یہ خدا کوئی مجسم ہے یا تمام تر صفات کا نام ہے۔ اگر انسان کا دل ایک خدا کے علاوہ بہت سارے خداؤں کے تصورات کا نشیمن بنا ہوا ہو تو وہ کائنات اور اسکی مخلوقات کو کس حیثیت سے دیکھتا ہے۔ نیز نوعِ انسان کے ساتھ ان تصورات کے تحت اس کے تعلقات کی نوعیت کیا ہوتی ہے اور کیا واقعی اس تصورِ خدا کے تحت دنیا امن وسکون کا گہوارہ بن کر ایک انسان کو لبادہ انسانیت یا معراجِ انسانیت کی یافت کیلئے مہمیز کرتی ہے۔ یا پھر ایک خدا کا تصور ہی دراصل انسانیت کے لئے خیر ونوازش ہے۔ "أأرباب من دون الله" "أم الله الواحد القهار" اور اسی تصورِ الٰہ کے تحت وہ اخوت ومحبت کا پیامی بن جاتا ہے اور موت کے بعد کی زندگی کے علاوہ موجودہ زندگی کو بھی جنت نشان بنا دیتا ہے۔

تصورِ خدا کی اسی معنویت وعظمت کے تحت میں نے ایک طرف شرف وسعادت سمجھا کہ اپنی تحقیق کا موضوع 'مروجہ ہندوستانی مذاہب میں تصور خدا' بناؤں اور اس لئے بھی کہ میری معلومات کے مطابق بالخصوص مروجہ ہندوستانی مذاہب وادیان میں خدا کے تصور پر باضابطہ کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا ہے۔ موضوع کی اس ہمہ گیریت ومعنویت نیز کاروانِ تحقیق کا اسے مرکز توجہ نہ بنانا یہی امر میرے لئے اس موضوع پر ریسرچ وتحقیق کا محرک بنا۔

اس ضمن میں یہ بات عرض کر دینا چاہونگا کہ تحقیق کا موضوع چونکہ 'مروجہ ہندوستانی مذاہب میں تصورِ خدا ہے' اس لئے اس میں یہ گنجائش ہے کہ جو مذاہب وادیان بھی یہاں رائج ہیں ان کے تصورِ خدا پر بحث کروں خواہ وہ ہندومت ہو یا بدھ مت، جین مت ہو یا سکھ مت اور یہودیت

وعیسائیت ہو یا اسلام۔ مذکورہ مذاہب کا بیان ابواب کی شکل میں ہے اور اس کی ترتیب زمانی نہیں بلکہ ہندوستانی اور غیر ہندوستانی مذاہب کا خیال رکھتے ہوئے ملحوظ رکھی گئی ہے۔

باب اوّل ہندوستان افکار و مذاہب کے گہوارے پر مشتمل ہے۔ اس میں سرزمین ہند سے متعلق مروجہ متعدد مذاہب، ان کی بعثت اور ورودِ زمانہ کا ذکر مختصراً ہے۔ نیز مذہب کی لغوی وشرعی تعریف اور اس کی اہمیت وضرورت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب دوم اس میں ہندوازم کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے اور ہندوازم کے خدوخال اور اس کے مربوط و مستحکم مذہب ہونے یا نہ ہونے سے متعلق آراء وافکار اور ان کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے ان کے چار طبقے اور ہر ایک کے فرائض وذمہ داریاں، چار آشرم، مقدس اور الہامی کتابوں کا ذکر، ویدوں کی حقیقت، ویدوں میں خدا کا تصور، نیز رسالت کا تصور بھی قدرے اختصار کے ساتھ مذکور ہے۔

باب سوم تین حصوں پر منقسم ہے، بدھ ازم، جین ازم، سکھ ازم، یہ تینوں مذاہب ہندوازم کی شاخیں تصور کی جاتی ہیں چونکہ تینوں کے بانی بالترتیب گوتم بدھ، مہاویر جین اور گرونانک ابتداءً پیدائشی طور پر ہندو تھے انہوں نے ویدک دھرم کی خامیوں سے منحرف ہو کر اپنے اپنے مذہب کی علیحدہ طریقے سے داغ بیل ڈالی، اسی بنا پر ان تینوں مذاہب کو ہندوازم کے بعد ایک ہی باب میں بیان کیا ہے۔

پہلے حصے میں بدھ ازم کا اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے، پھر بدھ ازم کا آغاز اور اس کے وجوہات، گوتم بدھ کی تعلیمات، چار مقدس صداقتیں اور اس کی تشریحات یعنی طرائق ہشت گانہ اور احکامِ عشرہ اور اخیر میں بدھ ازم میں خدا کا تصور مبسوط طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔

دوسرے حصے میں اولاً جین ازم کا اجمالی جائزہ ہے اس کے بعد ان کے چوبیس تیرتھنکروں کی دیومالا ئی کہانی اور لامتناہی تیرتھنکروں پر تبصرہ، پھر جین گرنتھ اور ان کی حقیقتیں، جواہر ثلاثہ اور ان کے بنیادی عقائد، اخیر میں جین مت میں خدا کے تصور اور مورتی پوجا پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

تیسرے حصے میں ابتداء سکھ ازم کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے پھر اس کے بانی گرونانک اور ان کے نائبین میں سے ہر ایک کی خدمات کا مختصراً تذکرہ ہے، نیز ان کی مقدس کتاب گروگرنتھ صاحب اور اس کی حقیقت کا تفصیلی جائزہ بھی لیا گیا ہے اور آخیر میں سکھ ازم میں خدا کے

تصور کے ساتھ ساتھ دیوتاؤں سے متعلق تصورات بھی پیش کئے گئے ہیں۔

باب چہارم یہ بھی دو حصوں (یہودیت ونصرانیت) پر مشتمل ہے، ان دونوں کو ایک ہی باب کے تحت ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عیسائیت کے بانی حضرت عیسیٰ اصلاً یہودی ہی تھے ان کے آباؤ اجداد سب یہودی النسل تھے، مذہب یہود کی اصلاح ہی کی خاطر حضرت مسیح کی بعثت ہوئی تھی، یہی وجہ ہے کہ مسیحیت میں عہد نامہ جدید کے ساتھ ساتھ عہد نامہ قدیم بھی مقدس تصور کی جاتی ہے، دونوں کتابوں کا احترام یکساں ہے، حتیٰ کہ دونوں اجزاء احد کتاب 'بائبل' کی شکل میں موجود ہے۔ جب کہ یہودیت میں معاملہ برعکس ہے۔

پہلے حصے میں یہودیت کا ایک اجمالی جائزہ ہے، اس کے بعد کتاب مقدس تورات، زبور اور دیگر مقدس کتابیں (عہد نامہ قدیم) اور کتاب الٰہی ہونے کی حیثیت سے ان کی اہمیت خود اسی کی عبارت اور اس سے ظاہر ہونے والے مفہومات کے آئینہ میں قدرِ تفصیل سے پیش کیا گیا ہے، آخر میں یہودیت کے خدا کے تصورات اور وحدانیت فی اللہ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسرے حصے میں بھی اولاً عیسائیت کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے، پھر ان کی کتاب مقدس اناجیل اربعہ (عہد نامہ جدید) کی اہمیت اور ان کی موجودہ حالت کا اصل کتاب (منزل من اللہ) سے کس قدر قربت ومماثلت ہے اس کا قدرے تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے، نیز ان کے بارہ حواریین، تصور خدا اور توحید فی التثلیث کے لانحل معمہ پر بھی تفصیلاً بحث کی گئی ہے۔

باب پنجم مذہب اسلام پر مشتمل ہے، ابتداءً اسلام کا ایک جائزہ پیش کیا گیا ہے اس کے بعد اس کی مقدس کتابیں (قرآن) کی روشنی میں تصورات خدا کو پیش کیا گیا ہے، پھر چونکہ مذہب اسلام کا تصور خدا مطلقاً خدا کا ہی نہیں بلکہ خدائے واحد کا بھی ہے۔ اس کا تصور خدا بشکلِ توحید معنی خیز اور نوع بشری کے لئے نجات دہندہ ہے۔ اس لئے توحید کی لغوی وشرعی تعریف۔ پھر اس کے اقسام یعنی توحید ذاتی وصفاتی، توحید الوہیت اور توحید ربوبیت کی بالتفصیل وضاحت کی گئی ہے اور آخر میں قرآن کی روشنی میں توحید کے عقلی دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ اسلام کا تصور الٰہ مذکورہ دیگر مذاہب کے بالمقابل ممتاز اور عقل وحقیقت پر مبنی ہے چونکہ یہاں باطل خداؤں کا انکار اور معبودِ حقیقی کا اثبات عقلی اور نقلی دلائل کی روشنی میں ملتا ہے۔

مقالے کے اختتام پر ان کتابوں کی فہرست ہے جن سے مذکورہ ابواب میں اقوال

واقتباسات ماخوذ ہیں۔ اس سلسلے میں ان مذاہب کی مقدس، مستند اور اصولی کتابوں مثلاً وید، گیتا، رامائن، ستیارتھ پرکاش، فی تحقیق ماللہند، ونایاپٹک، ستہ پٹک ابی دھمہ پٹک، بھگوان بدھ، جین مت سار، گروگرنتھ صاحب کے ہندی وانگریزی میں کچھ اجزا ترجمے کی شکل میں[1] جیسے جپ جی صاحب وغیرہ۔ عہد نامۂ جدید وقدیم اور قرآن واحادیث، تفسیر کبیر اور شرح العقیدۃ الطحاویہ خاص طور پر قابل ذکر کتب ہیں جن کا میں نے بالاستیعاب مطالعہ کیا چونکہ یہی کتابیں ان مذاہب کے اصول وفروع کے ترجمان اور نمائندہ متصور کئے جاتے ہیں۔

مقالے کے مواد کی فراہمی کے لئے مولانا آزاد لائبریری علیگڑھ، سیمینار لائبریری شعبۂ دینیات، سیمینار لائبریری شعبہ عربی واسلامیات علیگڑھ، خدا بخش لائبریری پٹنہ۔ خاص طور پر قابل ذکر ہیں میں ان کے ذمہ داران ومتعلقین کا تہہ دل سے مشکور ہوں۔

اس مقالے کی تکمیل میں احقر کو ہر مرحلے میں اپنے معزز اور مشفق اساتذۂ کرام، رفقاء عظام اور سرپرستوں کا سرگرم تعاون شامل حال رہا ہے۔ ان تمام کا میں بے حد ممنون ومشکور ہوں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے اپنے مشفق نگراں ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی کا ذکر از حد ضروری سمجھتا ہوں کہ جن کی علمی شخصیت سے حتی الوسع مجھے اخذ واستفادہ کا موقع ملا اگر ان کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی میسر نہ ہوتی تو یقیناً یہ کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتا، آپ ہر آن مجھے تنبیہ اور بیدار کرتے رہے۔ نیز میرے علمی شوق وجستجو کو مہمیز کرنے میں بھی برابر دلچسپی کا مظاہرہ کرتے رہے میرا دل ان کے لئے شکر وامتنان کے جذبات سے لبریز ہے فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔ میں اپنے استاذ سابق صدر شعبۂ سنی تھیالوجی اور موجودہ ڈین پروفیسر عبد العلیم خان صاحب کا بھی صمیم قلب سے بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے میری ہر ممکن حوصلہ افزائی فرمائی اور بارہا آپ نے استفادہ کا موقع عنایت فرمایا فجزاہ اللہ خیرا الجزاء

اس موقعہ پر سابق صدر شعبہ ڈاکٹر زین الساجدین اور ڈاکٹر سعود عالم قاسمی کا ذکر نہ کروں تو ناسپاسی ہوگی جن کے لطف وکرم اور تفہیم وتشویق کی وجہ سے اپنا مقالہ نذر قارئین کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔

شعبہ دینیات کے انتہائی اور سینیر استاذ ڈاکٹر عبد الاحد اور دیگر تمام قابل قدر اساتذۂ کرام کی

---

[1] گروگرنتھ صاحب کے اصل اور اپنی گرمکھی زبان میں مکمل کتاب کی عدم موجودگی کے باعث

محبت، خلوص اور ہر ممکن تعاون کا بھی زیر بار ہوں میں انکی شان میں بھی کلمات تشکر پیش کرتا ہوں۔
اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اب پوری طمانیت قلب کے ساتھ اپنا یہ تحقیقی مقالہ نذر قارئین کرتا ہوں۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

ابرار احمد

باب اوّل

ہندوستان افکار و مذاہب کا گہوارہ

ہندوستان افکار و مذاہب کا گہوارہ

صفحہ

سرزمینِ ہند، مذاہب کی آماجگاہ

بلاشبہ دین یا مذہب خالقِ حقیقی کی جانب سے اپنی مخلوق کے لئے ایک بیش قیمت عطیہ ہے، جس کی کم وبیش ہر گروہ اور جماعت نے قدر بھی کی ہے، کیونکہ مذہب ہی ایک ایسی قوت محرکہ ہے جو انسان کو ہر قسم کی آلائش وکدورت، بداخلاقی وبدعنوانی، شر وفساد، ظلم وزیادتی، حرص وطمع اور شیطنت سے محفوظ رکھ کر صفاتِ ملکوتیت سے آراستہ کرتی ہے اور من حیث التخلیق آدم وحوّا کی اولاد کو جامۂ انسانیت سے شرفیاب کرتی ہے۔

ہندوستان میں مذاہب جس کثرت سے پائے جاتے ہیں، اس کا عشر عشیر بھی بیرون ہند بمشکل ہی ملتا ہے۔ ہندوستان جس طرح رنگ ونسل، آب وہوا، رطب ویابس، خشکی وتری، بہار وخزاں، شادابی وقحط سالی، ریگستانی وکوہستانی کے امتزاج سے بھرپور ہے اسی طرح ہر چند فرسخ کے فاصلے پر چھوٹے بڑے، باحیثیت وبے حیثیت، ثباتی وبے ثباتی، قدیم وجدید، الہامی وغیر الہامی، سماوی وارضی، خودساختہ وخداساختہ، تبلیغی وغیر تبلیغی، بیرونی وغیر بیرونی ادیان سے ہندوستان کا کوئی خطہ بے اثر نہیں ہے۔

ہمارے اس خطہ میں موجودہ مذاہب دو قسموں کی ہیں ایک قسم تو ان مذاہب کی ہے جو خود اسی خطہ کی پیداوار ہیں۔ دوسری قسم خارجی یا بیرونی مذاہب کی ہے۔ پھر ان میں سے بھی ہر ایک کی دو قسمیں ہیں[1] پہلی قسم کے مذاہب وہ ہیں جن کی تاریخ پر دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اس کے تحت بیرونی مذاہب میں ہندوازم اور غیر بیرونی میں بدھ ازم اور جین ازم آتے ہیں۔ دوسری قسم کے مذاہب وہ ہیں جن کی تاریخ محفوظ ہے اس کے تحت بیرونی مذاہب میں، اسلام، عیسائیت، یہودیت وغیرہ اور غیر بیرونی میں سکھ ازم وغیرہ ہیں۔ ان تمام مذاہب کے درمیان نشر واشاعت کے اعتبار سے کوئی امتیاز نہیں ہے، ہر ایک کو کلی طور پر پورا پورا اختیار ہے کہ اپنی صلاحیت واستعداد، قوت واستطاعت، کمال وبزرگی اور کشش ورعنائی کی بنیاد پر لوگوں کے دلوں میں اپنے نشیمن بنالیں۔ اسی طرح اس سرزمین کے باشندوں کو بھی کلی اختیار ہے کہ وہ مذہب کی شرافت وبزرگی، اخلاق وپاکیزگی، اور انسانیت کے اعلیٰ اخلاق وکردار کے درس سے متأثر ہو کر کسی

۱۔ خطۂ غیر سے تاجروں، سیاحوں اور مبلغوں کے ذریعہ جس کی آمد ہوئی

بھی مذہب کے آغوش میں پناہ لے کر اسے ذریعہ نجات بنا سکتے ہیں۔ ایک طرف مذہب کے یہ اختیارات اور دوسری طرف افراد کی فکری و مذہبی آزادی ان دونوں کی بدولت ہر ایک مذہب کو پھلنے پھولنے کا خوب موقع ملا لیکن کسی بھی مذہب کی ترقی اور پیروؤں کی تعداد اس کے فکر و نظر کی وسعت و فراخی اور ضیق و تنگی کی بنیاد پر بڑھتی اور گھٹتی رہی، ماضی بعید میں بھی یہی عمل جاری تھا اور آج بھی اس کا سفر بعینہ اسی نہج پر جاری و ساری ہے۔ البتہ یہ بات ضرور قابل لحاظ ہے کہ ہمارے اس خطۂ ارض میں اس کا آغاز کب سے ہوا، اوّلاً کس مذہب کی نشو و نما ہوئی اور وہ کس علاقے میں نمودار ہوا، ابتدائی حالات کیا تھے، خود ملک ہندوستان کی ہیئت کیا تھی اور یہاں کے باشندوں کی معاشی زندگی اور مذہبی نظریات کیا تھے، یقیناً یہ اور ان سے متعلق دیگر سوالات جتنے آسان ہیں ان کے جوابات اتنے ہی مشکل بلکہ ناممکن ہیں، مؤرخین ہند کے قلم اس موضوع پر ساکت نظر آتے ہیں۔ اس میں کمی مؤرخین کی نہیں ہے انہوں نے تو اس کی تلاش و جستجو میں اپنا پورا زور صرف کر دیا ہے۔ بد قسمتی ہمارے ہندوستان کی رہی ہے کہ ماضی بعید میں لوگوں نے تاریخ ہند یا تاریخ مذاہب کی طرف باقاعدہ توجہ دینے کو یا تو لغو سمجھا یا پھر تہذیب تاریخ اور اہمیتِ تاریخ سے دانستہ یا نادانستہ انحراف کیا۔

ہندوستان میں باقاعدہ تاریخ سازی کی طرف توجہ یا اس کی باقاعدہ تاریخ ۷۰۰ء میں ورودِ اسلام کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔[1] اس سے ماقبل کے تاریخی حالات و واقعات دھندلکوں میں گم ہیں۔ ڈاکٹر تاراچند آٹھویں صدی عیسوی سے قبل کے ہندوستان کے مذہبی حالات کے سلسلے میں رقمطراز ہیں ملاحظہ کیجئے:

''ہندوستان اور اسلام کے تعلقات آٹھویں صدی عیسوی میں شروع ہوئے۔ اس سے پہلے یہاں کے مذہبی حالات کی کیا صورت تھی، اسے سمجھنے کیلئے ضرورت ہے کہ ایک ایسا اصول متعین کیا جائے جس سے خیالات ورجحانات اور عبادات آسانی سے ظاہر ہو سکیں، اس زمانہ کے فرقوں اور عقیدوں کی کثرت اور ان کے باہمی تعلقات اور اختلافات کی تفصیل نہایت پیچیدہ ہے اور آدمی کو الجھنوں میں ڈالنے والی ہے، اس لئے اس کا بیان نہ فائدہ مند ہے اور نہ اس کی کوشش کی جائیگی''[2]

بلاشبہ سرزمین ہند کو عہدِ قدیم سے ہی تہذیب و تمدن اور مذاہب و افکار کے گہوارہ ہونے کا مقام حاصل ہے۔ ۱۹۲۲ء میں جنوب پنجاب کے ہڑپا اور دریائے سندھ کی وادی میں ماہرین آثار

۱۔ راولینڈسن، تحفۃ المجاہدین، اردو ترجمہ، ص:۶۴
۲۔ ڈاکٹر تاراچند، اسلام کا تہذیب پر اثر ہندوستانی، ص:۲۳

قدیمہ کے ذریعہ زمین کی تہ سے جو کچھ برآمد کئے گئے وہ اس کی تہذیب وتمدن کی تاریخ ثبت کرتی ہے۔اس تہذیب کا وجود تقریباً ایک ہزار سات سو سال قبل مسیح تسلیم کیا گیا ہے[۱]مجموعی طریقہ پر تاریخ ہند کو ادوارِ ثلاثہ میں تقسیم کیا گیا ہے:(۱)قدیم (۲)وسطیٰ (۳)جدید،

عہدِ قدیم

آغاز کائنات (ازل) سے آٹھویں صدی عیسوی تک کے ایام تاریک ترین ایام کہلاتے ہیں، پھر یہ بھی چار زمانوں میں تقسیم ہے۔

اول

ساتویں صدی قبل مسیح تک،اسے لوگوں نے ویدوں کے ایام سے تعبیر کیا ہے،

دوم

آٹھویں صدی قبل مسیح سے دوسری صدی عیسوی تک کا زمانہ، اسے بودھ مت کا زمانہ کہا جاتا ہے۔

سوم

تیسری صدی عیسوی کے آغاز سے وسط تک کا زمانہ،اسے ابتدائی ہندو ایام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

چہارم

تیسری صدی عیسوی کے وسط سے آٹھویں صدی عیسوی تک کا زمانہ، اسے ہندوازم کے زمانۂ شباب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ بات قابل افسوس ہے کہ قدیم ہندوستان کی تحقیق میں مقامی افراد کا کوئی حصہ نہیں ہے، بلکہ یہ سرزمین بیرونی ممالک سے آنے والے افراد کی مرہون منت ہے کہ انہوں نے اس کی تلاش وجستجو میں خاصی توجہ دی اور بھارت ماتا کے سپوتوں اور جئے بھارت کے صرف نعرہ بلند کرنے والوں اور اس کے گہوارے میں تعیش کی زندگی پر فخر کرنے والوں کو ان کے آباء واجداد کے بے پایاں مالی اثاثہ سے واقف کرایا۔ان معزز ترین محسنوں میں خاص طور پر ماہر السنہ سر ولیم جونز جو عبرانی، عربی، فارسی، ترکی اور اہم ترین یوربی زبانوں کا استاد مانا جاتا تھا، ۱۷۷۶ء میں جج کی حیثیت سے کلکتہ کے سپریم کورٹ میں تقرری ہوئی۔اس نے لوگوں کے ذہنوں میں ایک طویل

۱۔ ایم، ایل باشم، ہندوستان کا شاندار ماضی، ص:۵۲

زمانے سے راسخ عقیدہ (کہ ساری کی ساری زبانیں ایک قدیم اور معروف زبانِ عبرانی سے مستنبط ہیں) مسترد کر کے ایک نیا نظریہ بھی قائم کیا کہ فارسی اور یورپی زبانیں ایک ایسی مشترکہ زبان کے بطن سے وجود میں آئی ہیں کہ جسے یقینی طور پر عبرانی نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن انہوں نے اس کی وضاحت سے گریز کرتے ہوئے بطنِ مادر کے تعین کو مغلق رکھا۔ جس سے قدیم تمدنِ ہند کی زبان سنسکرت کو کافی حد تک تقویت ملی، جس کی قدامت کو تقریباً نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ اسی طرح اس زبان کے اول طالب علم کی حیثیت سے فادر کورٹاؤ کو جانا جاتا ہے جس نے تقریباً ۱۶۹۹ء میں سنسکرت اور دوسری یورپی زبانوں کے درمیان یک گونہ ہم رشتگی کا پتہ لگایا اور اپنا ایک نیا نظریہ قائم کیا کہ ہندوستان کے برہمن جافیت کے لڑکوں کی اولاد ہیں، جس کے بھائی ترکِ سکونت اختیار کر کے جانبِ مغرب کو روانہ ہو گئے تھے۔[1]

تعجب ہے کہ ایم ایل باشم جو ایک معتبر مؤرخ کی حیثیت سے معروف ہے اس کے ذہن سے علامہ ابوریحان البیرونی کا نام کیسے محو ہو گیا جبکہ یہ زبان سنسکرت کے طالب علم کی حیثیت سے نہیں بلکہ استاد کی حیثیت سے پورے عالم میں معروف ہیں اور ان کی آمد سرزمینِ ہند میں ۱۰۱۷ء میں فادر کورٹاؤ سے طویل عرصہ پہلے ہو چکی ہے اور یہ پہلے شخص ہیں کہ جنہوں نے ہندوستانی تہذیب و تمدن اور یہاں کے رسم و رواج پر باضابطہ کتاب تصنیف کی جو دنیا کے ہر گوشے میں کتاب الہند کے نام سے موجود ہے۔ اس کی سند اور جامعیت کے مقابل کوئی دوسری کتاب ہندوستانی تہذیب پر آج تک نہیں لکھی جا سکی۔ جب کہ خود ایم ایل باشم کی تالیف ''ہندوستان کا شاندار ماضی'' کی تحریریں شاہد ہیں کہ انہوں نے ''کتاب الہند'' سے کافی حد تک استفادہ کیا ہے۔ ان کی چشم پوشی سے تنگ نظری اور عصبیت کی بو آتی ہے۔

ماضی کی تاریکیوں میں گم ہندوستان کو عدم سے وجود میں لانے میں ایک عظیم شخصیت چارلس ونکنس کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے ۱۷۴۹ء میں بڑی کد و کاوش کے بعد سنسکرت زبان پر عبور حاصل کیا اور پھر انگریزی زبان میں براہِ راست مختلف مقدس کتابوں کے ترجمے کیے۔ انہیں علم الہند کا ابو الآباء بھی کہا جاتا ہے۔[2] اسی طرح ایک اور شخص کہ جسے ابتدائی برہمن دور کے ایک لاینحل مخطوطہ کی تشریح و تعبیر میں کافی حد تک کامیابی ملی اور بدھ ازم سے تعلق رکھنے والے شہنشاہ اشوک کے پتھروں پر کندہ فرمانوں کو سمجھنے میں بھی بازی لے گیا جس کے افہام و تفہیم سے عوام کے علاوہ خواص

۱۔ ہندوستان کا شاندار ماضی، ص: ۲۲

۲۔ ایضاً، ص: ۲۴

ہندوستانی، خود بدھ ازم کے پیروکار اور ان کے علماء تک معذور تھے۔ اس کے ساتھیوں میں ایک نوجوان افسر الگنر نڈر لنگم بھی ہے جسے لوگوں نے ہندوستانی آثار قدیمہ کے ابوالآباء کے خطاب سے نوازا ہے۔ اس نے ہندوستان کے ماضی کو بے نقاب کرنے میں اپنی انتھک کوشش کی ہے جو قابل تحسین ہے، یہ اور بات ہے کہ اسے قابل قدر کامیابی نہیں ملی جو اسے ملنی چاہئے تھی۔ پھر بھی سر ولیم جونز کے بعد علم الہند میں اس شخص کو دوسرا مقام دیا گیا ہے۔ یہ انیسویں صدی کے آخری دور کی شخصیت ہے۔ اس وقت تک بہت سی پرانی عمارتوں کا سروے کیا جا چکا تھا اور ردی کے ٹوکرے میں ڈالے جانے والے لاینحل کتبوں کو حل بھی کیا جا چکا تھا اور ترجمے بھی مختلف زبانوں میں کردئے گئے تھے۔[۱]

قدیم ہندوستان کی تہذیب وتمدن کی دریافت میں بڑے پیمانے پر قابل تحسین کام آثار قدیمہ کی کھدائی کے ذریعہ بیسویں صدی عیسوی میں شروع ہوا اور اس کا سہرا سر جان مارشل کے سر بندھتا ہے۔ اس کا افتتاح تہذیب سندھ کی دریافت سے ہوا اور قدیم ترین شہروں کی پہلی علامات دریافت کرنے میں اول مقام کننگم نے حاصل کیا۔ یہ تمام آثار قدیمہ جو موہنجوداڑو کے مقام پر پائے گئے ہیں، یہ سب کے سب ماقبل آریائی تہذیب کی یادگاریں ہیں۔[۲]

یہ حقیقت ہے کہ آریوں کی طرح دراوڑ قوم بھی سرزمین ہند کے اصل باشندے نہیں ہیں۔ انہوں نے بیرون ہند کے مختلف اطراف سے سفر کرتے ہوئے یہاں سکونت اختیار کی۔ جس طرح حتمی طور پر آریوں کے سلسلے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ ان کے آباء واجداد کی اصل کیا ہے اور ان کا تعلق کس خطۂ ارض سے رہا ہے۔[۳] بعینہ دراوڑیوں کی بھی یہی صورت حال ہے۔ البتہ آرین قوم حکومت، سلطنت، اور اقتدار کے پیشِ نظر دراوڑیوں میں شیر وشکر ہو گئے کہ پھر ان دونوں قوموں میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا اور وضع قطع، رہن سہن، بود وباش، عبادت وریاضت، ایشور اور اوتاروں کی بھگتی وپرستش میں بھی مساوی ہو گئے۔ اس کی پوری طرح تصدیق زمانہ حال میں موہنجوداڑو اور ہڑپا کی کھدائی کے ذریعہ ظاہر ہونے والے آثار قدیمہ کے ذریعہ ہوتی ہے۔

لہٰذا واضح طور پر کہا جا سکتا ہے کہ سرزمینِ ہند کے اصل باشندے کوئی اور ہیں جو دراوڑیوں

۱۔ ہندوستان کا شاندار ماضی ص: ۲۵

۲۔ ہندوستان کا شاندار ماضی ص: ۵۲

۳۔ کیونکہ یہ خود ہی اس جرم کے ذمہ دار ہیں کہ انہوں نے اپنی ہیئت، اصل اور ضبط تاریخ سے بے اعتنائی برتی ہے

سے پہلے موجود تھے، لیکن ان کی تہذیب، رسم ورواج اور طریقۂ زندگی ضبطِ تحریر میں لائی نہ جاسکی، البتہ یہ لوگ دراوڑیوں کی آمد سے قبل ہندوستان کے شمال وجنوب کی اطراف میں جگہ جگہ پھیلے ہوئے تھے، اور مختلف قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے، مؤرخین نے عام طور پر تین قبیلوں کا ذکر کیا ہے: (۱) دیلبور (۲) مینبور (۳) ناگا، پہلے دو کے نام اب تبدیل ہو گئے ہیں۔ دیلبور بھیل کے نام سے اور مینبور مینا کے نام سے معروف ہے۔ تیسرا قبیلہ ناگا یہ اب بھی اسی نام سے مشہور ہے اور ان کی ایک بڑی آبادی آسام کی پہاڑیوں میں زندگی بسر کر رہی ہے اور یہ لوگ پہاڑی باشندے تصور کئے جاتے ہیں چونکہ انہیں شہر اور اس کے اطراف کی بودوباش پسند نہیں ہے۔ جنگلی زندگی ہی انہیں محبوب اور مرغوب ہے۔ اسی کا ایک اور قبیلہ ہے جو ان سے تعداد میں کافی بڑا ہے اور انہوں نے جنگلی طریقۂ زندگی پر شہری تہذیب کو ترجیح دیتے ہوئے تعلیم وترقی کے میدان میں کافی حد تک کامیابی حاصل کی ہے اور کچھ افراد تو دوسرے سے بازی بھی لے گئے۔ یہ لوگ سنتھال کے نام سے جانے جاتے ہیں اور انہوں نے خود اپنا نام آدی باسی رکھا ہے (قدیم باشندے) ان کی سکونت زیادہ تر اڑیسہ اور چھوٹا ناگپور (جھارکھنڈ) میں ہے۔ اور ان کے بودوباش کی اصلاح وترقی کی تصدیق اس امر واقعہ سے بخوبی ہوتی ہے کہ فی الحال چھوٹا ناگپور صوبۂ جھارکھنڈ کا وزیر اعلیٰ اسی آدی باسی کا ایک فرزند بابولال مرانڈی ہے۔

ان تینوں قبیلوں کا کوئی متعین مذہب نہیں بلکہ مذہب سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے، ان کے نزدیک ایشور، خدا، گوڈ اور رشی مُنی، اوتار ورسول کا بھی کوئی تصور نہیں پایا جاتا، اسی طرح جنت اور دوزخ، آخرت وعاقبت کا بھی کوئی تصور نہیں ہے، ان کے نزدیک ایشور اور بھگوان ان کی اپنی محنت ومشقت ہی ہے جس کے ذریعہ یہ کامیابی کے مدارج طئے کرتے ہیں۔ عبادت وریاضت کا نہ ہی کوئی مخصوص طریقہ ہے اور نہ ہی انہیں اس کی کوئی حاجت ہے۔ البتہ شادی بیاہ، خوشی کے مواقع اور تہوار وغیرہ میں اب یہ لوگ درختوں اور پتھروں کی پوجا کر لیا کرتے ہیں۔ ایشور یا خدا وغیرہ کا تصور نہ ہونیکی وجہ سے ان کا کوئی عبادت خانہ بھی نہیں ہوتا۔ چونکہ ان کی فطرت میں عبودیت یا کسی کی ماتحتی کے بجائے آزادی اور خود اختیاری کا عنصر نمایاں ہے۔

ان کے علاوہ دیگر تمام قوموں کا تعلق بیرونِ ہند سے ہے۔ نیز ان تمام کا تعلق کسی نہ کسی مذہب سے ضرور ہے یہ قومیں لادین نہیں ہیں۔ البتہ بدھ ازم، جین ازم اور سکھ ازم اسی سرزمین کی پیداوار ہیں لیکن حقیقتاً یہ بھی ہندو ازم کی شاخیں ہیں اور ہر ایک نے بنیادی طور پر اصلاح حال کا علم

بلند کیا لیکن بعد میں مستقل وجود کی حیثیت سے اپنی شناخت بنائی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان تمام بیرونی مذاہب میں اولاً آمد دراوڑی قوم کا ہوا اور اس کے بعد آرین قوم کا پھر اس کے ایک طویل عرصہ بعد یکے بعد دیگرے معاصرانہ طور پر دو قومیں ہندوازم سے منحرف ہوکر جین ازم اور بدھ ازم کی شکل میں نمودار ہوئیں اور تقریباً پانچ صدی کے وقفے کے بعد عیسائیت و یہودیت کا ورود ہوا۔ زرتشتی یعنی پارسیوں کا بھی اسی عرصہ میں ہندوستان کا رُخ ہوا۔ پھر ایک طویل خلا کے بعد اسلام نے بھی اپنے قدم ہندوستان کی جانب بڑھائے۔ اور سب سے اخیر میں اسی سرزمین سے پھر ایک نیا فرقہ اصلاح قوم کی فکر کو لیکر ہندازم سے انحراف کرتے ہوئے وجود میں آیا جو بعد میں سکھ ازم کے نام سے معروف ہوا۔ اب ان تمام مذکورہ مذاہب کا عہد اور اسباب ورود سے قبل مناسب ہے کہ مذہب کی لغوی اور اصطلاحی تعریف اور اس کی افادیت، اہمیت اور ضرورت کو گوشِ گذار کیا جائے۔ لہٰذا قدرِ تفصیل سے مندرجہ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

مذہب کی افادیت اوراس کی ضرورت

مذہب کے لغوی معنی اعتقاد،طریقہ اوراصول کے ہیں۔المعتقد، الطریقة، الاصل [۱]
اصطلاح میں مذہب اس طریقۂ زندگی کا نام ہے جو ہر شعبۂ زندگی میں آدمی کو انسان بنادیتا ہےاورایک مسلم دانشور کے بقول جوانسان کودائرہ اخلاق اورحسنِ معاشرت سے باہر نہ نکلنے دے اس طاقت کانام مذہب ہے۔[۲]

مذہب انسان کا ایک فطری جذبہ ہے،جس طرح ایک انسان دیگر ضروریات مثلاً کھانے، پینے اورسونے وغیرہ کامحتاج ہوتا ہے بعینہ اسی طرح وہ مذہب کابھی حاجت مند ہے۔ایک انسان اور حیوان میں یہی فرق ہے کہ حیوان کھاتا پیتا ہے اپنی جسمانی ضرورتوں کو پوری کرتا ہےاور پھر مرجاتا ہے۔بغیر کسی ردوبدل کے ایک ہی نہج پراس کی زندگی ابتدائے افرینش سے آج تک قائم ہے۔انسان بھی کھاتا پیتا ہے اوراپنی جسمانی ضرورتوں کو پوری کرتا ہے لیکن ساتھ ہی وہ اپنی عقل سلیم کا بھی استعمال کرتا ہے۔وہ اپنی زندگی میں کبھی نہ کبھی اپنے وجود،اپنی تخلیق اورگردونواح کی چیزوں کے بارے میں ضرورسوچتا ہے کہ پوری دنیا کوروشن کردینے والااتنا بڑازبردست سورج، یہ گھٹتا بڑھتا ہوا روشن چاند،غیر متناہی آسمان پرجگمگاتے تارے،قوی ہیکل پہاڑ،جغرافیائی حدودوقیود کے احاطۂ علم سے باہر یہ زمین وآسمان،لیل ونہال کی تاریکی اورروشنی،خوداپنا متحرک وجوداوران سب کاظہور کہاں سے ہوایہ کس کی تخلیق ہے کس کی مرہونِ منت ہے؟اس احساس اورفکر کے سبب اس کے دل میں کسی ماوراءِ ہستی کا خیال پیدا ہونا یقینی اور لازمی ہے۔ابتدائے آفرینش سے لے کرآج تک کوئی قوم یا کوئی زمانہ اس حساس طبعی سے عاری نہیں رہا ہے۔اسی فطری اورطبعی حساس کے ذیل میں مذہب کی بنیاد پڑجاتی ہے۔

مذہب انسان کی فطرتِ صحیحہ کا اندرونی الہام ہے ہر شخص بہرصورت شعوری یاغیر شعوری طور پراسے ماننے اورتسلیم کرنے پرمجبور ہوتا ہے۔ورنہ انکار کی صورت میں انسان اورحیوان کے

۱۔ لویس،معلوف الیسوعی،المنجد مرتب کانام،ص:۲۴۰

۲۔ متین طارق،باغپتی،مذاہب عالم اوراسلام،ص:۸

درمیان کوئی امتیاز نہیں رہ جاتا۔ کیونکہ دونوں کا مقصدِ زندگی صرف کھانے پینے تک ہی محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کے سامنے کوئی منزلِ مقصود نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی لائحہ عمل۔ مذہب وہ طریقہ زندگی ہے جو انسان کو زندگی گذارنے کے لئے ایک جامع اور مکمل نظام عطا کرتا ہے۔ ایسا مضبوط اور ٹھوس نظام جو زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہوتا ہے۔ مذہب کی تعریف کرتے ہوئے پروفیسر وائٹ ہیڈ کہتے ہیں:

''مذہب اعتقاد کی اس قوت کا نام ہے جس سے انسان کو اندورنی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ مذہب ان صداقتوں کے مجموعے کا نام ہے جس میں یہ قوت ہوتی ہے کہ وہ انسانی کردار میں انقلاب پیدا کردے، بشرطیکہ اسے خلوص کے ساتھ قبول کیا جائے اور بصیرت کے ساتھ سمجھا جائے'' [۱]

ایک دوسرے مفکر کا قول مندرجہ بالا خیال سے کافی مناسبت رکھتا ہے۔ ملاحظہ فرمائے:

''مذہب آدمی کو سماج میں رہنے کے لائق بناتا ہے۔ ناامیدی کی حالت میں اس کی ہمت بندھاتا ہے اور اس کے اندر فرض کی ادائیگی کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور انسان کو انسان سے محبت کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ نیز اسی کی بنیاد پر انسان مرنے کے بعد شروع ہونے والی زندگی کی امید باندھتا ہے۔ انسان نے یہ زندگی اگر مذہب کے اصول مان کر نیکی اور پرہیزگاری سے گزاری ہے تو قدرتاً دل کو سکون حاصل ہوتا ہے اور اگر بُرے افعال لوٹ مار، دھوکہ دہی میں گزاری ہے تو ظاہر ہے کہ آدمی اس دنیا میں ہی لوگوں کی نظروں سے چھپ کر رہنے لگتا ہے۔ مذہب انسان کو اس کیفیت سے بچانے کا بڑا ذریعہ ہے'' [۲]

مذہب ہر ایک فرد کے لئے کافی اہمیت کا حامل ہے، اس نے معاشرہ انسانی میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں جنہیں شانِ عبقریت رکھنے والے مفکرین و مدبّرین بھی انجام دینے سے قاصر رہے ہیں۔ انسان کو اعلیٰ اخلاق و کردار کے اوصاف سے مزین کرنے اور حُسنِ معاشرت کی تشکیل دینے میں سب سے بڑا ہاتھ اسی کا ہے۔ عدل وانصاف کا قیام، باہم اخوت ومحبت، صبر وتحمل، ایثار وہمدردی اور مروت وغمخواری کا جذبہ اسی نے پیدا کیا ہے۔ اسی طرح قتل وغارت گری، خون ریزی وتصادم، ظلم وزیادتی، لوٹ مار اور دھوکہ دہی جیسے افعالِ شنیعہ پر بندش بڑی سے بڑی فوج اور جان لیوا اور مہلک خطرناک ہتھیاروں کے ذریعہ بھی نہیں لگایا جاسکتا تھا جبکہ قلب وذہن پر اگر مذہب

۱۔ مذاہب عالم اور اسلام، ص: ۹
۲۔ ایضاً، ص: ۹

کی حکمرانی ہو تو منکرات وسیآت کا قلع قمع ہو سکتا ہے اور انسانی معاشرہ اخوت ومحبت، ہمدردی وغمگساری، حق گوئی وسچائی اور عدل وانصاف کی شاداب اور لہلہاتی ہوئی فصلوں میں بدل سکتا ہے۔

مذہب کا استحصال

ذاتی اغراض ومفاد کے پیشِ نظر لوگوں نے مذہب کا استعمال غلط طریقہ پر بھی کیا ہے۔ حالانکہ مذہب بنفسہٖ غلط نہیں ہے۔ تاریخی حیثیت سے ذاتی اغراض کے لئے استعمال کرنے والوں میں سب سے پہلا نام آریوں کا آتا ہے جس نے سندھ پر حملہ آور ہوتے ہی وہاں کے کمزور، ناتواں اور مفلوک الحال قوم پر اپنا اقتدار بحال رکھنے کے لئے ذات پات چھوت چھات اور انتہائی بدترین وحشیانہ اور بہیمانہ اصول مرتب کئے۔ مثلاً شودر جہنم کے ایندھن ہیں۔ یہ تخلیقی اعتبار سے غلام اور ناپاک پیدا کئے گئے ہیں، حتی کہ ان کا سایہ بھی ناپاک ہے۔ اگر پکے ہوئے کھانے پر ان کا ہاتھ لگ جائے وہ کھانہ خشک ہو یا تر بہرصورت وہ کھانا ناپاک ہوجاتا ہے۔ وید کے الفاظ اگر بلا ارادہ بھی ان کے کانوں میں پڑجائیں تو انہیں بہرہ بنانے کے لئے ان کے کانوں میں سیسا پگھلا کر ڈال دیا جائے۔ وہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوسکتا خواہ اس کی پیدا کی ہوئی یا کمائی ہوئی ہی کیوں نہ ہو۔ اس مال کا مالک برہمن ہے انہیں جھوٹی خوراک کھانی چاہئے، پرانے اور چھوٹے کپڑے پہنے چاہئیں، اسی طرح رہائش کے مکان اور امور خانہ داری کے اسباب بھی گھٹیا اور عیب دار ہوں۔ برہمن کے سلسلے میں اگر کوئی نازیبا الفاظ زبان سے نکل جائے تو اس کی زبان کاٹ لی جائے۔ اگر برہمن کے ساتھ برابر میں اتفاقاً بھی بیٹھ جائے تو اس کی پیشانی داغ کر جلاوطن کردیا جائے یا پھر راجہ اس کی پیٹھ میں سے ایک حصہ گوشت کاٹ ڈالے۔ ان کے لئے لازم ہے کہ راستہ چلتے وقت کوئی مخصوص آواز لگائی جائے تاکہ برہمن باخبر ہوجائے اور ان پر شودر کا ناپاک سایہ نہ پڑے۔[۱]

مذہب کا استحصال کرنے والوں میں دوسرا نام عیسائیوں کا آتا ہے انہوں نے بھی اخوت و محبت اور عدل ومساوات کو جس انداز سے پامال کیا اس کے بیان کے تصور سے ہی بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

چھٹی صدی عیسوی کے درمیانی حصہ میں قسطنطنیہ کے بادشاہ نے یہ حکم نافذ کردیا تھا کہ جو لوگ کیتھولک مسلک کی اتباع نہ کریں انہیں قطعاً کوئی سرکاری عہدہ نہ دیا جائے۔ جارڈن کے بادشاہ نے

۱۔ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی، آئینہ حقیقت نما، ص: ۴۰

تقریباً تیس ہزار یہودی مذہب کی پیروی کرنے والوں کو جلاوطن اور ملک بدر کردیا تھا۔ یہودی اور وہ عیسائی جو کیتھولک مسلک کے علاوہ دوسرے نظریات و مسالک سے تعلق رکھتے تھے انہیں اپنے مذہبی رسوم کی ادائیگی کی اجازت نہ تھی حتیٰ کہ ان کی مقدس کتابیں زبردستی چھین کر جلادی جاتی تھیں۔ جنس نسوانیت یعنی عورتوں کو انسانیت سے ہی خارج کردیا گیا تھا۔ ۵۸۶ء میں دنیا کے بڑے بڑے عیسائی علماء عورت کی روح کے مسئلہ میں فیصلہ کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ بڑے کدوکاوش اور بحث و مباحثہ کے بعد کثرتِ رائے سے یہ طے پایا کہ عورت میں روح ہے۔ کیتھولک مسلک کے پادریوں کے خلاف زبان پر کسی حرف غلط کا آجانا موت تک رسائی یقینی تھی۔ بڑے بڑے پادری، بشپ اور پوپ جنت کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ مذہبی حاکموں اور امیروں کی محض اپنی تفریح کی غرض سے عوام کو قتل کرانا اور شیروں سے لڑانا عام سی بات تھی۔ آریوں کے مرتب کردہ نظام زندگی کی طرح ان کے یہاں بھی مغلوب و محکوم اور مجبور و معذور کو چوپایوں کی ہمسری کا مقام حاصل تھا۔ عیسائیوں کے علاوہ دیگر مذاہب مثلاً یہودی، مجوسی وغیرہ اور اسی طرح اقوام میں ایرانی، یونانی اور رومی وغیرہ نے بھی اخوت و محبت اور مساوات و رواداری وغیرہ کی نہایت بدترین نظیریں قائم کی ہیں۔ ان میں اور آریوں یا عیسائیوں میں کوئی زیادہ دوری نظر نہیں آتی ہے۔ یہ اپنے غلبہ کے دور میں ان سے بھی کہیں زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔[۱] اب ذیل میں بالاختصار ہندوستانی مروجہ مذاہب کے خدوخال اور ان کے احوال و کوائف کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ آئینہ حقیقت نما، ص: ۴۱

ہندی اور غیر ہندی مذاہب کی نشوونما

دراوڑی قوم

بیرونِ ہند سے وارد ہونے والی قوموں میں سب سے پہلی قوم دراوڑیوں کا ہے، ان کا تعلق کس ملک اور کن خطوں سے تھا اور ان کی اصل کیا تھی یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے جو تا حال معمہ بنا ہوا ہے، مختلف اطراف سے آثار قدیمہ کے دریافت ہونے کے باوجود بھی آج تک اس کا کوئی تشفی بخش حل تلاش نہ کیا جاسکا۔ البتہ بعض مؤرخوں نے اختلاف کے ساتھ کچھ علاقوں سے انہیں منسلک کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ ان لوگوں نے تبت کے پلیٹیو یا وسط ایشیا سے اپنے وطن مالوف توران کو خیر باد کہہ کر وادیٔ سندھ کا سفر کیا اور اسی خطہ میں سکونت اختیار کر لی۔ بعض کا خیال ہے کہ ان کا اصل آبائی مسکن مغربی ایشیا تھا[۱] مغربی عالموں کی ایک بڑی تعداد اس بات پر متفق ہے کہ یہ بحرِ روم کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں[۲]

انہوں نے اولاً اپنی تہذیب وتمدن کا گہوارہ وادی سندھ کو بنایا اور تقریباً چار ہزار برس ق م میں آہستہ آہستہ اطراف ہندوستان میں چھا گئے۔ آریوں کی آمد کے بعد ان کے ظلم وستم سے عاجز ہو کر ترکِ وطن پر مجبور ہوئے اور شمالی ہند (وادی سندھ) ترک کر کے جنوب ہند میں پناہ لی۔ موہنجوداڑو اور ہڑپا کی کھدائی سے دریافت ہونے والے مجسموں سے واضح ہوتا ہے کہ یہ چار قسم کی نسلوں پر مشتمل تھے۔ (۱) اصلی اسٹرولائڈ (۲) بحرروم والے (۳) لپی (۴) منگولی۔ لہذا پھر ایک دشوار کن مسئلہ یہ آتا ہے کہ وادی سندھ کی دریافت ہونے والی تہذیب کا تعلق کس نسل سے ہے۔ اس تہذیب سے کسی ایک نسل کا تعلق ہے یا پھر مشترک طور پر ہر ایک کا حصہ ہے۔ حتمی طور پر اس سلسلے میں کوئی فیصلہ کرنا ناممکن ہے۔

تاریخ ورود

ان کے سرزمین ہند میں وارد ہونے کی تاریخ یا زمانہ قطعی طور پر معدوم ہے۔ ہاں وادی سندھ کے آثار قدیمہ سے یہ شواہد ضرور ملتے ہیں کہ ان کی یہ تہذیب وتمدن ۳۲۵۰ ق م سے ۲۸۰۰ ق م کے عرصے کی ہے اور اس تمدن کے پیدا ہونے سے ہزاروں برس پہلے یہ دراوڑی قوم وادی سندھ میں قدم رکھ چکی تھی[۳]

۱۔ راما شنکر ترپاٹھی، قدیم ہندوستان کی تاریخ، ص:۳۹

۲۔ مسٹر جے کینیڈی، جنرل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائیٹی، ۱۸۹۸ء، ص:۲۴۱۔۲۶۱

۳۔ قدیم ہندوستان کی تاریخ، ص:۵۰

سر جان مارشل اس سلسلے میں اپنی تحقیق پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وادی سندھ کی تہذیب ہماری معلومات کو تین ہزار قدیم یا اس سے بھی پہلے تک لے جاتی ہے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پنجاب اور سندھ کے لوگ حضرت عیسیٰ سے تین ہزار برس پہلے شہری زندگی گزارتے تھے۔ ان کی بود و باش ان کا کلچر، فن، صنعت و حرفت اور تصویری طرز تحریر سب بہت اعلیٰ اور ترقی یافتہ تھا[۱]

مذہب

ان کے مذہب کے سلسلے میں بجز قیاس آرائی کے یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا، چونکہ ان کی نہ ہی کوئی مقدس کتاب ہے اور نہ ہی دستاویزات وغیرہ اور نہ ہی کوئی پیرو کار اصل یا فروعی شکل میں باقی ہے۔ ہماری رہنمائی کا واحد ذریعہ آثار قدیمہ کے تحت دریافت ہونے والی مہریں، تانبے کی تختیاں، دھات کی مورتیاں، مٹی کے پتلے اور اسی طرح کچھ منقش پتھر وغیرہ ہیں۔ بے شمار مورتیوں میں دو مورتیاں سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ ان میں سے ایک دیوتا کی مورتی ہے جس کے سلسلے میں ماہرین آثار قدیمہ کی رائے خصوصاً سر جان مارشل کا کہنا ہے کہ یہ اصل تاریخی شیو ہے۔ یہ ترمکھی یعنی تین چہروں والی مورتی ہے۔ اسکے چہار جانب جنگلی جانور موجود ہیں۔ ہاتھوں اور بازوؤں میں کڑے اور گلے میں مثلث بالائیں لٹکی ہوئی ہیں اور کمر میں دوہری زنجیر بھی ہے[۲] اس دیوتا کو تاریخی شیو کا ابتدائی نمونہ تسلیم کیا گیا ہے۔ جس سے اس بات کی بھی توثیق ہوتی ہے کہ ہندوازم میں شیومت کا تصور اسی قدیم دراوڑی تہذیب سے پیدا ہے نہ کہ ان کا خود کوئی عقیدہ تھا۔ اسی طرح 'شیولنگ' جو آج ہندوازم میں کافی اہمیت کا حامل ہے یہ بھی اسی قدیم تہذیب کی دین ہے۔ چونکہ کچھ پتھروں کے مخروطی اشیا اور انگوٹھی کے نگینوں کی دریافت واضح طریقہ پر اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ لنگ پوجا یا مرد اور عورت کی شرمگاہوں کی پرستش دراوڑی قوم میں بکثرت ہوا کرتی تھی[۳]

دریافت ہونے والی دوسری اہم مورتی ماتا دیوی کی ہے اور یہ مورتیاں بے شمار برآمد ہوئی ہیں۔ یہ ماتا دیوی نیم برہنہ ہے علاوہ ایک لہنگا کے جسم پر کچھ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی ایسی مورتیاں بڑی تعداد میں برآمد ہوئی ہیں جو بالکل مادر زاد برہنہ ہیں، بہر حال ماتا دیوی کی ہیئت اور

۱۔ سر جان مارشل، موہنجوڈاڑو اینڈ انڈس سولائزیشن، بحوالہ، سید یحییٰ حسن نقوی ہمارا قدیم سماج، ص:۲

۲۔ ہمارا قدیم سماج، ص:۸

۳۔ قدیم ہندوستان کی تاریخ، ص:۴۷

وضع قطع سے ماہرین اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ یہ زرخیزی کی دیوی تھی[۱] جبکہ اس کا دوسرا پہلو بدی کا بھی شامل تھا جیسا کہ ہندوؤں کے یہاں خصوصاً علاقۂ بنگال میں کالی دیوی کی شکل میں خوب نمایاں ہے۔

بعض مہریں ایسی بھی دریافت ہوئی ہیں کہ جن پر منقش تصویریں دلیل ہیں کہ ان کے یہاں پیڑ پودے[۲] اور حیوانوں کی پرستش بھی ہوا کرتی تھی۔ اسی طرح آگ پانی کو بھی خاص اہمیت حاصل تھی۔ دیوتاؤں کو خوش کرنے کیلئے قربانیوں کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ بسا اوقات مزید خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر انسانوں کو بھی دیوتاؤں کے بھینٹ چڑھانے میں دریغ نہیں کرتے تھے[۳] موجودہ ہندوازم کے رسم ورواج۔ عبادت وریاضت کو اس قدیم تہذیب سے بڑی قریبی کا واسطہ ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ ہندو دھرم اپنی اصلی تہذیب سے منحرف ہو کر ان کے وضع قطع اور طرز رہائش سے اپنے آپ کو آرائش وزیبائش کا جام پہنایا تو بے جا نہ ہوگا۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ وادی سندھ کی یہ نادر اور عظیم الشان تہذیب کے زوال کے اسباب کیا تھے، یہ سب آثار منوں مٹی میں دفن یکبارگی کیسے ہو گئے اور خود اس ورثہ کے مالک اور پیرو کار کس جہاں میں کھو گئے، اس سلسلے میں قطعی طور پر کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔ لیکن موہنجوداڑو اور ہڑپا کی کھدائی سے ظاہر ہونے والی ہڈیوں کے ڈھانچے جو تنگ اور دشوار گذار مقامات خصوصاً سیڑھیوں اور زینوں پر پائے گئے ہیں وہ اس بات کے شاہد ہیں کہ ان پر کوئی زبردست مصیبت آن پڑی اور یہ مصیبت حملہ کی شکل میں تھی کہ افراتفری کے عالم میں اپنی جان بچانے کی خاطر بھاگنے میں کچھ لوگ ان تنگ مقامات میں پھنس گئے اور پھر نکل نہ سکے۔ کچھ ایسی بھی شہادتیں دستیاب ہوئی ہیں کہ ان حملہ آوروں نے آتشزدگی کا سہارا لیا ہے اور انہیں باہر نکلنے کا موقع ہی نہ دیا۔ بعض مؤرخین نے اپنے قیاس کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ویدوں کی ابتدائی نظمیں قوی طور پر شاہد ہیں کہ یہ حملہ آور آریہ نسل سے تعلق رکھتے تھے[۴]

۱۔ ہمارا قدیم سماج، ص: ۸

۲۔ کچھ پیڑ ایسے بھی ہیں کہ ان کے پتے پیپل کے ہم شبیہ ہیں

۳۔ ہمارا قدیم سماج، ص: ۴۷

۴۔ ایضاً، ص: ۱۰

ہندوازم (آریہ)

سرزمین ہند میں آباد ہونے والی دوسری قوم آریہ کے نام سے جانی جاتی ہے جو بعد میں ہندوازم سے معروف ہوگئی۔ اس کا ورود اولاً پنجاب سندھ کے علاقے میں ہوا۔ قدم رکھتے ہی انہوں نے وہاں کے قدیم تہذیب سے وابستہ قوم دراوڑ کو ہٹا کر اپنے قدم جمانے شروع کر دئے۔ سرزمینِ ہند میں ان کا پہلا قافلہ باختلاف الاقوال، تقریباً ۲۵۰۰ ق م میں داخل ہوا اور آخری قافلہ ۶۰۰ ق م میں وارد ہوا[۱]

آرین قوم کے روز اول سے ہی اپنی تاریخ سے عدمِ دلچسپی کے باعث ایک محقق یا مؤرخ کیلئے یہ بڑا دشوار کن مسئلہ بن گیا ہے کہ وہ کس طرح واضح کرے کہ ان کے مورث کون تھے اور تاریخی حدود میں ان کا کہاں سے نزول ہوا۔ بایں وجہ گمراہ کن تاریخی اختلاف کا پیدا ہو جانا یقینی ہے۔ بعض ہندوستانی عالموں نے ان کی مقدس کتاب پرانوں کی مدد سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آرین قوم ہندوستان کے اصلی اور سب سے قدیم باشندے ہیں۔ لیکن مؤرخوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ رائے بہادر ماسٹر پیارے لال آشوب اپنی تحقیق پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''یہ لوگ اصل میں ہندوستان کے باشندے نہیں ہیں بلکہ کسی زمانے میں پچھم کی طرف سے آئے تھے اور انہوں نے آہستہ آہستہ سارے ملک کو فتح کر کے اس پر اپنا قبضہ کر لیا۔ پھر ان لوگوں کو جو پہلے سے اس ملک میں رہتے تھے، اپنا فرماں بردار بنا کر ان کا نام شودر یعنی خدمت گار رکھا اور اپنے تئیں ان سے بڑا جان کر لفظ دُوِج یعنی دوبارہ پیدا کیا ہوا، اپنے واسطے مقرر کیا''۔[۲]

مشہور مؤرخ بی، جی، تلک کی رائے ہے کہ ان کا اصلی وطن دائرہ قطب شمالی تھا، باختر تھا یا پامیر تھا۔ یہ بھی تصور پایا جاتا ہے کہ اوستھا کے دور کے ایرانی قدیم ہندی جرمنوں کی ایک شاخ ہے، اور ورودِ ہندوستان سے قبل ان کا مسکن مشترک طور پر ایک طویل عرصہ تک وسط ایشیا رہا۔ یہ میکس مولر کی تحقیق ہے۔ جبکہ نفے کا کہنا ہے کہ ان کا مسکن بحرِ اسود کے شمال میں روس اور سائبیریا کے شمالی میدان تھے۔ ایک اور محقق گیگر نے مغربی اور وسط جرمنی کو بتایا ہے۔ پاپی گا ٹائس نے آسٹریا، ہنگری اور بوہمیا کو ترجیح دیا ہے[۳]

بعض کی رائے یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ کی قوم کے بارہ قبیلوں میں سے دس قبیلوں کو فلسطین سے

۱۔ سید ریاست علی ندوی، عہدِ اسلامی کا ہندوستان، ص :۲

۲۔ رائے بہادر ماسٹر پیارے لال اشوب، رسوم ہند، ص :۱

۳۔ یہ آراء قدیم ہندوستان کی تاریخ، ص:۲۲ سے ماخوذ ہیں

رومیوں نے حملے کے بعد قیدی بنا کر جانوروں کی شکل میں ہانکتے ہوئے اپنے یہاں لے گئے اور یہ ان کے جبر وتشدد کے طویل عرصہ تک شکار بنتے رہے۔ آخر کار انہوں نے رہائی کی خاطر راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے مختلف اطراف کا رخ کیا۔ یہ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دسوں گم گشتہ جماعتیں ہیں کہ جن کی فلسطین میں مقیم بقیہ دونوں قبیلوں کو اپنے بچھڑے بھائیوں کی ایک زمانے تک شدت سے تلاش رہی لیکن وہ مل نہ سکے[1] یہ تحقیق کچھ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ آریوں کے پاس جو مقدس کتاب ویدوں کی شکل میں موجود ہے ان میں مذکور بعض تعلیمات انبیاء کرام کے صحیفوں میں سے منتخب نصائح واحکامات معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس کی نزولِ تاریخ، اسبابِ نزول اور جن پر وہ نازل ہوئی اس رسول یا اوتار کا موہوم ہونا بھی دلیل ہے کہ ایک صحیفہ ہوتا تو ضبط تاریخ ہوسکتا تھا حالانکہ معاملہ برعکس ہے۔ صحیفے مختلف، نزول تاریخ مختلف، اسباب نزول مختلف، انبیاء کرام مختلف، لہٰذا افراتفری کے عالم میں بھول جانا ایسی قوم کے لئے جو ایک طویل عرصہ سے بے وطن ہوکر بدحالی سے دوچار رہی ہو بعید از قیاس نہیں ہوسکتا۔

ورودِ ہند کے اسباب کے سلسلے میں بھی حتمی طور پر کچھ کہنا بڑا مشکل ہے۔ صرف قیاس ہی لگایا جاسکتا ہے۔ راما شنکر ترپاٹھی اس کے مختلف وجوہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

انتقال آبادی کا باعث یا تو یہ ہوا کہ وہ گروہوں میں بٹ گئے یا ان میں آپس میں پھوٹ پڑ گئی اور اختلاف شروع ہوگئے یا ان کے مسکن کے محدود علاقے میں ان کی آبادی حد سے زیادہ بڑھ گئی[2]

راما شنکر ترپاٹھی کی یہ بات صرف قیاس پر مبنی ہے چونکہ اس طرح کی علت کا پیدا ہونا یا کسی مسئلہ کے حل کے لئے علت قائم کرنا مجبوری کے باعث ہوتا ہے یا پھر حقائق سے چشم پوشی کی بنیاد پر اور یہاں پہ کوئی ایسی مجبوری نظر نہیں آتی۔ اگر تسلیم کر بھی لیا جائے کہ معاملہ ایسا پیدا ہوگیا کہ جس کی بنا پر انہوں نے ترکِ وطن کیا تو یہ سوال بھی تو پیدا ہوسکتا ہے کہ کیا کثرتِ آبادی یا جھگڑے کی بنیاد پر پوری کی پوری آبادی یا با ہم متفرق دونوں فرقوں نے ترکِ وطن کرلیا؟ تو پھر ترکِ وطن کا فائدہ ہی کیا رہا یہ تو تحصیل حاصل ہوگیا، اس سلسلے میں مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی کی تحقیق زیادہ موزوں لگتی ہے۔ چونکہ آریہ قوم کا انتقال ہند جس خطے میں ہوا ہے، سندھ کا وہ علاقہ خود دلیل ہے ان کے

۱۔ نیاز فتحپوری، نگار، خدا نمبر............، ص:۸۶
۲۔ قدیم ہندوستان کی تاریخ، ص:۵۳

اسباب ترکِ وطن کے، اگر سندھ کی وجہ تسمیہ پر غور کیا جائے تو مسئلہ کا حل آسان ہوسکتا ہے[۱]

اس میں شبہ نہیں کہ آریوں کے ورود ہند کے وقت ابتدائی تمدن بالکل سادہ تھا، ان کے تمدن کو تبدریج ترقی ملی ہے دراوڑی قوم کی مصاحبت سے، لیکن انہوں نے اس تہذیب یافتہ قوم دراوڑی کو برداشت نہ کیا بلکہ انہیں ہٹا کر مستقل طور پر خطۂ سندھ میں آباد ہوگئے، پھر ان میں سیاسی تنظیم کے شروع ہوتے ہی قبائلی تقسیم بھی پیدا ہوگئی، حتیٰ کہ ذات پات کی تفریق سے بھی مبرا نہ رہ سکے پھر کیا تھا نت نئے مسائل کے انبار لگنے لگے۔ یہ اپنی مقدس اور الہامی کتاب وید کو تصور کرتے تھے۔ ان میں بھی رگ وید سب سے اعلیٰ و افضل تھا۔ ان کے یہاں قابل پرستش قدرتی عناصر مثلاً آگ، پانی، چاند، سورج اور زمین و آسمان تھے۔ ان کے مزاج میں تعلّی تھی اسی لئے خود کو افضل اور غیروں کو حقیر تصور کرتے تھے۔ اپنی ہر بات، رائے اور خیال کو خواہ صحیح ہو یا غلط درست سمجھتے تھے۔

آریہ قوم اپنی تہذیبی تبدیلی کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت میں بھی دراوڑیوں کے رنگ میں پوری طرح رنگ گئے اور بعض رسموں اور بھگتی کو اس طرح خاص کرلیا کہ آرین قوم ہی اس کے بانی و مبانی تصور کئے جانے لگے۔ مثلاً شیو کی پرستش، دیوی ماتا کی پرستش، لنگ پوجا وغیرہ کی پرستش جبکہ آرین قوم میں سرزمین ہند میں قدم رکھنے سے پہلے مورتی پوجا کا کوئی تصور ہی نہ تھا صرف قدرتی عناصر[۲] ہی کی پرستش ہوتی تھی، ان کے کوئی آئین و قوانین بھی مرتب نہ تھے۔ عرصہ بعد منومہاراج جنہیں ہندو سماج میں مقبول عام ہونے کا شرف حاصل ہے اور انہیں مقننِ اعظم کے خطاب سے بھی نوازا گیا ہے انہوں نے اپنی قوم کیلئے آئین و قوانین تیار کئے۔ برہمنوں کا اقتدار اعلیٰ بلند کرنے کیلئے ان سے ماقبل کے سندھ کے دراوڑی باشندوں کو شودر کا نام دیا، ان کے حقوق کو پامال و برباد کرنے کے لئے ایسے نازیبا اور سخت قوانین و ضوابط تیار کئے کہ ابتداء آفرینش سے بسنے والے عالمِ انسانی پر شاید ہی اس سے بڑھ کر کبھی کسی نسلِ انسانی پر کوئی ظلم ہوا ہوگا اور یہیں سے ہندوؤں کے سیاسی، اخلاقی اور روحانی تنزلی کا دور شروع ہوگیا اور اس کا آغاز ہندوؤں کی چھوت چھات اور اسی طرح برہمن، چھتری، ویش اور شودر کی تقسیم سے ہوا۔

منومہاراج کے مجوزہ قانون کے رو سے آخری طبقہ یعنی شودر، غلام اور جہنمی ہیں اور غلامی ان کا

۱۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، اس تحقیقی مقالے کا دسرا باب 'ہندوازم میں تصورِ خدا'

۲۔ آگ، پانی، زمین و آسمان، چاند، سورج وغیرہ

طبعی خاصہ ہے۔ مالک کے آزاد کر دینے کے بعد بھی وہ غلام ہی رہیں گے آزاد نہیں ہو سکتے، چونکہ وہ تخلیقی اعتبار سے ہی غلام ہیں۔ اسی وجہ کر دنیا کی کوئی چیز شودر کی ملکیت نہیں ہو سکتی، شودر کی ساری چیزوں کا مالک برہمن ہے اور اسے اس کے مال کے تصرّف کا کلّی اختیار ہے حتی کہ ان کی بیویاں اور بیٹیاں وغیرہ بھی۔ برہمن کی فوقیت اس سے عیاں ہوتی ہے کہ ان کی عورتیں دیوی اور مرد دیوتا ہیں[1]
اسی طرح نسلی امتیاز کے صدہا قوانین منوشاستر میں مرتب ہیں جس کے اثر سے آج بھی برہمن ذات پات کے نظام کو اصل الاصول قرار دیتے ہیں اور وہ نیچی ذات کے ساتھ مساویانہ سلوک روا رکھنے کو معیوب سمجھتے ہیں۔

بدھ ازم، وجین ازم

ہندوازم کے بعد علی الترتیب بودھ ازم اور جین ازم منصۂ شہود پر آئے۔ یہ دونوں فرقے سرزمینِ ہند سے ہی نمودار ہوئے۔ اولاً یہ دونوں اپنے کوئی نئے دین یا مذہب کے ساتھ وجود میں نہیں آئے۔ بلکہ اصلاحی اور فکری ذہنیت کے نتیجہ میں ہندوازم سے منحرف ہو کر اپنا الگ علم بلند کیا۔ علماءِ ہنود کی نظر میں یہ دونوں ہندوازم کے منحرف اور گمراہ فرقے ہیں۔ یہ کوئی نیا دین یا مذہب نہیں ہے اور نہ ہی یہ دونوں راہِ راست پر ہیں[2] ان کے وجود میں آنے کے اسباب کے پیچھے ایک بہت بڑا المیہ کارفرما ہے جس نے انہیں ہندوازم سے بغاوت کرنے پر آمادہ کیا، اس کی وضاحت کرتے ہوئے راما شنکر ترپاٹھی کہتے ہیں:

اُپ نشدوں نے بے تکی رسموں اور قربانیوں کے خلاف پہلے ہی سے بغاوت شروع کر دی تھی۔ برہمنوں کی ریاکاری اور تفریق پسندی نے جو عام لوگوں کیلئے عذاب جان بنی ہوئی تھی نئے نئے نظریات کے لئے پہلے ہی سے میدان تیار کر رکھا تھا۔ کافی تعداد میں معلمین ملک میں گھوم رہے تھے اور آتما و پرماتما سے متعلق دقیق مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ لوگ سمجھا رہے تھے کہ علم و آگہی یا نفس کشی کے ذریعہ پیدائش اور موت کے لامتناہی تکلیف سے کس طرح چھٹکارا پایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ بے شمار اصلاحی مکاتیب فکر منظرِ عام پر آئے جن میں بعض بہت جلد معدوم ہو گئے اور بعض کچھ دنوں کے بعد اپنی افادیت کھو بیٹھے۔ بہر حال ان میں دو مکاتیب فکر یعنی جین مت اور بدھ مت اتنے توانا ثابت ہوئے کہ زندہ رہ گئے اور آج بھی بنی نوع انسان کے فکر و عمل پر بڑی

۱۔ مولانا اکبر شاہ، آئینہ حقیقت نما، ص:۳۹
۲۔ اس کی تفصیل، سوامی دیانند سرسوتی، ستیارتھ پرکاش، باب ۱۲، ص:۲۵ میں ملاحظہ فرمائیں

حد تک اثر انداز ہیں [۱]

بدھ ازم کا آغاز چھٹی صدی قبل مسیح بودھ گیا میں ہوا، اس کے بانی گوتم بدھ کو گیان پیپل کے پیڑ کے نیچے اسی مقام پر حاصل ہوا اور یہ سدھارتھ یا گوتم سے بدھ ہو گیا۔

جین ازم کے آغاز کو بھی اکثر مؤرخوں نے چھٹی صدی ق م کا تصور کرتے ہوئے اس کے بانی [۲] مہاویر جین کو گوتم بدھ کا ہم عصر بتایا ہے، جبکہ خود جینیوں کا اس تحقیق پر اعتراض ہے، ان کا کہنا ہے کہ ہمارا مذہب بعید ترین ماضی میں وجود میں آیا ہے، اس کے بانی سب سے پہلے تیرتھنکر اجیت ناتھ جی ہیں [۳] اور مہاویر سوامی سب سے آخری چوبیسویں تیرتھنکر ہیں [۴] ان کا یہ عقیدہ دیو مالائی ہے۔ تاریخی حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ جین ازم کو چار چاند اسی مہاویر نے ہی لگایا۔ اسی وجہ کر عام لوگوں میں یہ تصور پیدا ہوا کہ اس کے بانی مہابیر سوامی ہیں۔

عام مؤرخین سے ہٹکر مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی نے جین ازم کے آغاز وجود کو پیش کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قطعی طور پر یہ بدھ ازم کا ہم عصر نہیں ہے۔ بعض مؤرخوں کو بدھ ازم اور جین ازم کے مشابہ ہونے کی بنیاد پر یہ غلط فہمی ہوئی ہے۔ مولانا ان دونوں کے درمیان قرب زمانی کا امتیاز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہیونگ شیانگ کی آمد کے وقت بدھ مذہب میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے تھے اور برہمنوں نے بھی بدھ مذہب کی مساوات سے تنگ آکر اپنا اقتدار قائم کرنے کیلئے جدوجہد شروع کر دی تھی اور پھر قومی مدارج قائم کرنے کے خواہاں تھے۔ اسی مذہبی کشمکش میں بدھ مذہب کے ایک فرقے نے مستقل طور پر اپنا ایک ایسا مسلک قائم کر لیا جو برہمنوں کی خواہشات اور بدھ مذہب دونوں کا مرکب مذہب تھا۔ یعنی انہوں نے جانداروں کی حفاظت کو نیکی قرار دیا، ویدوں کو بے حقیقت اور نا قابل تکریم سمجھا، آگ کی پوجا اور بلیدان کو بھی غیر ضروری ٹھہرایا۔ یہ سب باتیں بدھ مذہب کی

۱۔ قدیم ہندوستان کی تاریخ، ص: ۱۲۵

۲۔ چونکہ جین عقیدے کے مطابق جین مت کائنات کی ابتداء سے ہے اور انتہا تک رہے گا۔ جین مت کا کوئی بانی نہیں ہے۔ یہاں ہر دور میں چوبیس تیرتھنکر پائے جاتے ہیں۔ موجودہ دور کا آخری تیرتھنکر مہاویر جین ہے۔ یہ اگرچہ جین مت کا بانی نہیں ہے تاہم اس نے جین مت کے اصلاح وفروغ کے لئے پیش بہا خدمات انجام دیں اور متعدد اصول وضع کئے جن کی بنیاد پر مہاویر کو جین مت کا بانی تصور کر لیا گیا ہے۔

۳۔ ان کا عہد عرصہ دراز قبل لامتناہی تصور کیا جاتا ہے جس کا احاطہ طاقتِ بشری سے خارج ہے)

۴۔ قدیم ہندوستان کی تاریخ، ص: ۱۶۶

تھیں۔ دوسری طرف ذات پات کی قیود کو تسلیم کرلیا برہمنوں کے اوتاروں کو بھی اپنے اوتاروں کے بعد دوم نمبر پر قابل تعظیم مان لیا، یہ باتیں برہمنوں کی خواہشات کو پورا کرنے والی تھیں۔ ہیونگ شیانگ کے زمانے میں تاریخ کے اندر پہلی مرتبہ جین مذہب کے لوگوں کا ذکر ایک الگ اور مخصوص فرقہ کی حیثیت سے آتا ہے۔ یہ فرقہ ملک گجرات میں پیدا ہو پھر سندھ اور دکن کی جانب بھی پھیل گیا۔ وسط ہند اور بنگال تک اس فرقہ کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برہمنوں کی خواہشات کے پورا کرنے اور ذات پات کی قیود دوبارہ قائم ہوجانے کو گجرات کے بدھوں نے تسلیم کرلینا اس لئے مناسب سمجھا ہوگا کہ ایک درمیانی حالت پیدا ہوجائے۔ بہر حال جو کچھ بھی صورت ہوئی ہو جین مذہب بھی اسی زمانے کی پیداوار ہے جب اسلام ہندوستان کے باشندوں میں داخل ہونے لگا تھا۔ چونکہ بدھوں کا یہ فرقہ برہمنوں کے اقتدار کا مخالف نہ تھا لہذا برہمنوں نے اسکی مخالفت ترک کردی اور اس کو برہمنوں کے ہاتھ سے کوئی نقصان نہیں پہنچا"۔[۱]

یہ تحقیق معقول اور مناسب معلوم ہوتی ہے کیونکہ بدھ مذہب ہندوانہ رسم ورواج، بھگتی، پوجا، دیوی دیوتاؤں کی پرستش اور عریانیت کے اتنا قریب نہیں ہے جتنا کہ جین مذہب ہے، بعض مقامات اور حالات کے مواقع پر ان دونوں کے درمیان امتیاز قطعاً نہیں رہ پاتا، مثلاً دیوالی، ہولی، دسہرہ اور رکشابندھن وغیرہ میں یہ دونوں شیروشکر ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح مندروں، مورتیوں اور اس کی بھگتی بھی تقریباً یکساں ہوتے ہیں۔

سکھ ازم

مروّجہ ہندوستانی مذاہب میں سب سے آخیر میں نمودار ہونے والا مذہب 'سکھ ازم' ہے۔ اس کا وجود پندرہویں صدی عیسوی کے آخری ایام میں اس وقت ہوا جب گرونا نک لاہور کے ضلع سلطان پور میں واقع 'کالی بین ندی' میں غسل کی غرض سے گئے اور ندی میں غوطے کے بعد غائب ہوگئے۔ تین دنوں کی غیابت کے بعد جب ظاہر ہوئے تو یہ عام انسانوں سے مختلف اپنی قوم سکھ ازم کے قائد اور بانی کی حیثیت سے معروف ہوئے۔[۲]

بدھ ازم کی طرح یہ بھی آغاز میں ایک اصلاحی مشن کی حیثیت سے ظہور میں آیا لیکن آہستہ آہستہ مرور زمانہ کے ساتھ پے در پے آنے والے گروؤں نے اسے ہندوازم سے الگ ایک مذہبی

۱۔ آئینہ حقیقت نما، ص:۹۰
۲۔ شمس کنول، سکھن کا مذاہب عالم نمبر، ص:۲۰۴

رنگ دیدیا، ورنہ تو گرونانک نے اپنے لئے اوتار پیغمبر یا قائدِ مذہب ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ ہاں انہوں نے بت پرستی، اوہام پرستی، سنیاس اور ذات پات کی مخالفت شدّت سے کی ہے۔ ان کی ذات میں خدا کی وحدانیت کا عنصر نمایاں طور پر تھا۔

مسیحیت و یہودیت

بیرون ہند مذاہب میں مسیحیت اور یہودیت بھی ہیں جو ایک عرصہ دراز سے سرزمینِ ہند میں رائج ہیں۔ عیسائیت جو اپنی تعداد کے اعتبار سے پورے عالم میں پہلا مقام رکھتی ہے، اطراف عالم کے تقریباً سبھی خطوں میں اس کی بود و باش پائی جاتی ہے۔ ہندوستان میں اس کا پہلا سفر اشاعت و تبلیغ کی حیثیت سے حضرت مسیح کے مصلوب[۱] ہونے کے فوراً بعد ہوا، سب سے پہلا نام سینٹ تھامس کا آتا ہے (جسے حواری کا مقام بھی حاصل تھا) جنہوں نے ملک شام کے ایک ماہر معمار کے ساتھ تعمیراتی کام انجام دینے کی غرض سے ہندوستان کا سفر کیا تھا، اس کی تبلیغی کاوش کی بنا پر اولاً ہندوستانی راجہ گووندوفرنیس اور پھر اس کے درباریوں نے عیسائیت قبول کی (اس کی آمد کی صحیح تاریخ اور علاقہ مشکوک و موہوم ہے) پھر دوسرے علاقوں کے بھی اس نے اشاعت و تبلیغ کی غرض سے اسفار کئے بالآخر ایک راجہ جس کا نام دیو اس تھا اس نے اس معمار مبلغ تھامس کو قتل کرادیا۔ رومی مؤرخین کا خیال ہے کہ اس کا مقبرہ مدراس کے مضافات ''میل پور'' کے ایک کلیسا میں ہے، جبکہ عام مؤرخین اس کی شہادت سے پوری طرح مطمئن نظر نہیں آتے ہیں۔ دوسرا مسیحی گروہ جس نے ہندوستان کا سفر چھٹی صدی میں کیا اس کی شہادت سے مؤرخین پوری طرح مطمئن ہیں، اسی صدی کا ایک راہب کاسمس کا بھی ذکر آتا ہے جس نے خود ہی اپنے اسفار کے حالات قلمبند کئے ہیں جس میں اس نے کیرل، لنکا اور اس کے کلیساؤں کا تذکرہ بھی کیا ہے[۲]

ہندوستان میں عیسائیوں کی زیادہ تر آبادی گوا، کیرل، مدراس، اندھرا پردیش اور اڑیسہ وغیرہ میں ہے ویسے تو اطراف ہند کے تقریباً ہر گوشہ میں انکی آبادی کم و بیش ضرور پائی جاتی ہے، چھوٹا ناگپور، اُڑیسہ اور آسام میں زیادہ تر قدیم ہندوستانی باشندے یعنی آدی باسیوں نے تبدیلی مذہب سے عیسائیت اختیار کر لی ہے اور ہندوازم کے صبح و شام چیخ و پکار کے باوجود بھی تبدیلی مذہب کا یہ سلسلہ روز افزوں جاری و ساری ہے۔

۱۔ مصلوب ہونے کا نظریہ یہودیت و عیسائیت کا ہے۔ جہاں تک اسلام کے نظریے کا تعلق ہے وہ زندہ آسمان پر آٹھائے جانے کا قائل ہے۔
۲۔ ہندوستان کا شاندار ماضی، ص: ۴۸۴

یہودیت

ضعیف روایت کے مطابق تقریباً پہلی صدی عیسوی میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد نے ہندوستان کا سفر کیا اور وہ کوچین میں قیام پذیر ہو گئے۔ اسی طرح کیرل کے مالا بار کے علاقے میں انہوں نے مختلف فرقوں کے ساتھ سکونت اختیار کی۔ لیکن مؤرخین کے نزدیک پہلی صدی کی روایت کے مقابلے میں دسویں صدی عیسوی کی روایت زیادہ قابل اعتبار ہے۔ چونکہ وہ فرمان شاہد ہے کہ دسویں صدی عیسوی میں چیروں کے راجہ بھاسکر رومی ورمن نے ایک یہودی یوسف ربان نامی شخص کو اراضی و مراعات بخشی تھی۔[۱] اطراف ہند میں ان کی تعداد شاذ و نادر ہی ملتی ہے، اب بھی یہ ساؤتھ کے ہی علاقے میں پائے جاتے ہیں، وہ بھی بڑی قلت کے ساتھ۔ ایسا اس لئے کہ ان کے یہاں اشاعت و تبلیغ کا دروازہ بند ہے۔

زرتشت، پارسی

زرتشتیوں کا غیر ہندوستانی مذہبی فرقہ بھی ایک قدیم زمانہ سے ہندوستان میں آباد ہے، ان کے ورودِ ہند کی صحیح تاریخ متعین نہیں ہے البتہ خود انہیں کی روایت کے مطابق ان کا پہلا قافلہ آٹھویں صدی عیسوی میں خراسان سے جلاوطن ہو کر اطراف بمبئی کے سنجان مقام پر آیا تھا اور یہیں پہ قیام پذیر بھی ہو گیا۔[۲] دوسرے اطراف میں بھی وہ نکل پڑے مثلاً انہوں نے کاٹھیاواڑہ کا رخ کیا۔ تاریخ میں علاقہ گجرات کے اسفار بھی ملتے ہیں۔[۳] انہوں نے گجرات اور بمبئی کے علاقے میں صنعت و تجارت میں خوب کمال حاصل کیا حتی کہ ہندوستان بھی ان کی صنعت و تجارت سے کافی حد تک خوشحال و فارغ البال ہو گیا۔

اسلام

سرزمینِ ہند میں ہندوازم کے بعد ایک بڑی تعداد میں آب و تاب کے ساتھ بسنے والا غیر ہندوستانی مذہب 'مذہب اسلام' ہے۔ اطراف ہند کا کوئی خطہ یا گوشہ اسلام کے نام لیواؤں اور اس کے جیالوں سے خالی نہیں ہے۔ ہندوستان کے مروجہ تمام مذاہب میں واحد مذہب اسلام ہی ہے کہ جس نے اپنی اصلی شکل و صورت، ہیئت اور تشخص کو آج تک اسی طرح برقرار رکھا ہے کہ جس ہیئت

۱۔ ہندوستان کا شاندار ماضی، ص: ۴۷۶
۲۔ عہد اسلام کا ہندوستان، ص: ۱۰
۳۔ ہندوستان کا شاندار ماضی، ص: ۴۷۶

میں چودہ سو برس پہلے اس نے حجاج مقدس سے سفر کر کے خاکِ ہند میں قدم رکھا تھا۔ اس کے علاوہ تقریباً سبھی ہندوستانی وغیر ہندوستانی مذاہب اپنی شان انفرادیت یا تشخص کو کھوئے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ہندوستان میں اسلام کی آمد سے پہلے خصوصاً جنوبی ہند "ملابار" میں مختلف مذاہب نشو نما پا رہے تھے۔ مثلاً ہندوازم، بدھ ازم، جین ازم، یہودیت وعیسائیت اور مجوسیت وغیرہ موجود تھے۔ اسی طرح مشرکین عرب اور صابی لوگ بھی جو عرصہ دراز سے ملابار کے تجارتی تعلقات سے جڑے ہوئے تھے۔ ان میں بعض نے سکونت بھی اختیار کر لی تھی۔ غرض یہ کہ ہندوستان میں ملابار ہی واحد ایسا شہر تھا کہ جہاں کثیر التعداد مذاہب بیک وقت موجود تھے اور ہر مکتبِ فکر کے لوگوں کی آمد و رفت بھی جاری تھی۔ کسی قسم کا کوئی خلفشار یا ایک دوسرے کے ساتھ امتیازی سلوک نہ تھا۔ ہر عام وخاص بغرضِ تجارت اپنا سفر کیا کرتے تھے۔ لہٰذا توقع کی جاتی ہے کہ اسی تجارت کی غرض سے بعثت نبوی کے بعد بعض صحابۂ کرامؓ نے عرب سے ملابار کا سفر کیا جس کی تصدیق خود ان کے مزارات سے ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک صحابی وہبؓ کا مزار چین کی بندرگاہ اور تمیم انصاریؓ کا مزار مدراس سے تقریباً بارہ میل جنوب ساحل کولم (میلاپور) میں موجود ہے۔[1] ان تینوں صحابۂ کرام کے بارے میں یہ تصور کیا جاتا ہے کہ عہد رسالت میں ہی انہوں نے سرزمینِ ہند کا سفر کیا تھا۔ لی بان فرانسیسی ایک مشہور مؤرخ ہے اسکی تحریر سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ آغاز اسلام میں ہی مسلمانوں کے قدم تجارتی اغراض کے پیش نظر ہندوستان میں آچکے تھے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر چین تک پہنچ گئے تھے۔[2]

ملابار کے راجہ کے لئے یہ بھی ایک شرف وسعادت ہے کہ وہ عہدِ رسالت میں مشرف باسلام ہو چکا تھا۔ مختصر یہ کہ اس نے معجزہ شق القمر کا نظارہ کیا تھا اور اس عجیب وغریب واقعہ سے متعلق تحقیق و تفتیش میں مصروف تھا اور اسے بطور یادداشت قلمبند بھی کرالیا تھا۔ بالآخر اسے اسی درمیان عرب سے آنے والے مسلم تاجروں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ یہ ایک معجزہ تھا اس آخری رسول اللہ ﷺ کا جو مکہ معظمہ میں مبعوث ہوا ہے اور اس وقت وہ منزل من اللہ دین اسلام کی دعوت وتبلیغ میں مصروف ہے۔ لہٰذا یہ راجہ قبول اسلام کے بعد اپنے ولی عہد کو تختِ سلطنت سپرد کر کے زیارت رسول اللہ ﷺ کو روانہ ہو گیا۔ لیکن راستے میں ہی اس کا انتقال ہو گیا اور اسے ساحلِ ملکِ یمن میں دفن کر دیا گیا۔ اس راجہ کا نام زمورن یا سامری بتایا جاتا ہے۔ عرب سے آنے والا ہر مسلمان تاجر پیغامِ اسلام کے جذبہ کے

۱۔ آئینۂ حقیقت نما، ص: ۷۰

۲۔ ایضاً، ص: ۷۰

ساتھ ہندوستان پہنچا۔ اسی طرح جزیرہ سراندیب میں بھی جب اسلام پہونچا تو پہلے وہاں کے بسنے والے عربی باشندوں نے اسلام قبول کیا پھر راجہ نے بھی اسلام قبول کر کے اپنے آپ کو خلافتِ اسلامیہ سے وابستہ کر لیا[۱]

معروف سیاح ابن بطوطہ نے جب سراندیب کا سفر کیا تو وہاں انہوں نے شیخ عبداللہ بن حنیف، شیخ عثمان اور بابا طاہر وغیرہ کے علاوہ اور بھی اولیاء اللہ کے مزارات دیکھے[۲]

محمد بن قاسم کے سندھ میں فوج کے ساتھ داخل ہونے کے اسباب ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ملابار میں مسلمانوں کی آبادی بہت پہلے سے موجود تھی۔ چونکہ راجہ داہر کے لوگوں نے جن جہازوں کو لوٹا تھا یہ جہاز سراندیب کے عازمین حج اور راجہ کے تحائف لے کر خلیج عمان کی طرف جا رہے تھے۔ محمد بن قاسم کی فتحیابی کے بعد صوبۂ سندھ ممالک اسلامیہ میں داخل ہو گیا تھا۔ ادھر ملابار اور جنوبی ہند روز بروز مسلمان تاجروں، سیاحوں، مناّدوں اور درویشوں کے ذریعہ پھلتا پھولتا رہا[۳]

ہندوستان کی پہلی مسجد

مالک بن دینار اور مالک بن حبیب نے کالی کٹ میں سب سے پہلے مسجد تعمیر کی۔ پھر ملابار کے تمام اطراف کے اسفار کیے جس سے بکثرت وہاں کے لوگ مشرف با سلام ہوتے رہے اور ساتھ ہی مسجدیں بھی تعمیر ہوتی رہیں۔ عرصہ قلیل میں ہی ملابار اور کارومنڈل کے تقریباً بارہ مقامات میں مسجدیں تعمیر ہو گئیں[۴] پھر آہستہ آہستہ اہل اسلام نے دعوت وتبلیغ اور اپنے اعلیٰ اخلاق وکردار کی تلوار سے ہندوستان کے چپے چپے اور گوشے گوشے کو فتح کرنا شروع کر دیا۔ آج سرزمینِ ہند کا کوئی خطہ ایسا نہیں کہ جہاں اسلام کا وجود نہ ہو۔ مزید برآں یہ کہ اسلام کو دیگر مروّجہ مذاہب کے بالمقابل یہ شرف حاصل ہے کہ ہر دن اسکے نام لیواؤں میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

اسلامی اصولِ زندگی

اسلام ایک ایسا نظام زندگی ہے جو ذاتی، گروہی، نسلی اور قومی امتیازات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے تمام اولادِ آدم کے لئے نسخۂ شافی فراہم کرتا ہے۔ اسی طرح حقوق میں بھی سفید وسیاہ، امیر

۱۔ آئینہ حقیقت نما، ص: ۷۰
۲۔ آئینہ حقیقت نما، ص: ۷۱
۳۔ ایضاً، ص: ۷۲
۴۔ اسلام کا تہذیب پر اثر ہندوستان، ص: ۶۰

وغریب، آقا و غلام کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتا بلکہ ہر ایک کیلئے برابری اور مساوات کا حکم نافذ کرتا ہے۔ البتہ جو شخص اعلیٰ اخلاق و کردار کا مالک ہو، وہ یقیناً رب العزت میں محبوب و محترم بندہ ہے، خداوند قدوس نے اپنی کتاب الٰہی میں واضح طور پر یہ ارشاد فرمادیا ہے:

یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکرٍ و انثیٰ و جعلنا کم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم[1]

[لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برداریاں بنادیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے]

اسلام میں عدل و مساوات کی تعلیم قرآنِ حکیم کی اس آیت شریفہ سے بخوبی واضح ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یا ایھا الذین امنوا کونوا قوّامین للہ شھداء بالقسطِ وَ لا یجر منکم شنآن قومٍ علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ[2]

[اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو۔ یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔]

دوسری جگہ ارشاد ہے:

و إذ قلتم فاعدلوا و لو کان ذا قربیٰ[3]

[اور جب بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو]

مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں رب العالمین نے عدل و مساوات کے برتاؤ کے سلسلے میں بڑی صاف اور واضح طریقہ پر اعلان کردیا ہے کہ اپنے، بے گانے، دوست و دشمن، رشتہ دار و غیر رشتہ دار، امیر و غریب، ان سب کے درمیان تعصب و تنگ نظری، ظلم و ناانصافی او بے جا فرق و امتیاز کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

۱۔ قرآن حکیم، الحجرات، آیت ۱۳
۲۔ المائدہ، آیت ۸
۳۔ انعام، آیت ۱۵۲

اسلامی مساوات کو ہدف ملامت اور نشانہ تنقید بنانے والوں میں صفِ اول میں اہل ہنود نظر آتے ہیں۔ حالانکہ ان کے مذہب میں سرے سے ہی مساوات نام کی کوئی چیز نہیں ہے ان کے یہاں اعلیٰ وادنی ذاتوں کے درمیان معمولی سے معمولی مسائل میں بھی عدل وانصاف اور مساوات کی بوتک نہیں آتی ہے۔ منوشاستر میں مذکور ہے کہ برہمن اگر کوئی عظیم الشان جرم بھی کرے تو اسے قتل نہ کیا جائے۔ دوسری جگہ ہے اگر کوئی برہمن بلاوجہ کسی شودر کو قتل کر ڈالے تو اس کے قصاص میں برہمن کو ہرگز قتل نہیں کیا جائے گا[۱] اسلام کے علاوہ دیگر کسی بھی مذہب میں مساوات نہیں پایا جاتا۔ واحد مذہب اسلام ہی ہے کہ جس کے ہر چھوٹے بڑے ادنیٰ سے ادنیٰ مسائل وقوانین میں عدل وانصاف اور مساوات پورے طریقہ پر نمایاں ہے، ایک دوسری جگہ قصاص کی فرضیت کا اعلان اللہ رب العزت یوں کرتا ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى[۲]

[تم پر مقتولین کا قصاص فرض کیا گیا]

قاتل خواہ کسی بھی مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہو، سیّد ہو یا برہمن، آقا ہو یا حاکم عدالت اسلامی میں کوئی امتیاز نہیں۔ کسی کے ساتھ ذات پات اور نسل ورنگ کی بنیاد پر رعایت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلامی انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ اس قاتل سے قصاص لیا جائے۔ اسلام کی یہ سب سے بڑی خوبی ہے کہ اسلام کے احکام وقوانین صرف کتابوں میں محفوظ نہیں ہیں بلکہ اہل اسلام نے ان پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ ایسا بھی نہیں کہ صرف غریبوں، کمزوروں اور مجبوروں کو اس کا مکلّف بنادیا گیا ہو، بلکہ متبعین اسلام، قوم کے سردار، حاکم وقت اور خلفاء راشدین حتیٰ کہ وہ ذاتِ گرامی جو ان احکام کے اول مخاطب تھی اس نے بھی اپنے اوپر ان احکام کو جاری کیا اور آج بھی امتِ محمدیہ کا اس پر عمل ہے۔

قرآن مجید کے ایک ایک حرف کو دستور العمل بنانے والوں کی مثالیں بھری پڑی ہیں اختصاراً چند ایسی مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن پر سردار انبیاء اور خاتم المرسلین محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین نے عمل کر کے دکھایا۔

ایک مرتبہ سفر کے دوران لوگوں نے کھانا پکانے کیلئے کچھ کام تقسیم کئے اتفاقاً رسول اللہ ﷺ بھی اس قافلہ میں موجود تھے اور ان تمام کے شہنشاہ وسپہ سالار بھی تھے آپ ﷺ نے لکڑیاں لانے کا سب سے مشکل کام اپنے ذمہ لے لیا[۳]

۱۔ آئینہ حقیقت نما، ص:۳۹
۲۔ البقرہ، آیت:۱۷۸
۳۔ بخاری، ج:۲، المغازی، ص:۵۹

خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں بیت المقدس کی حصول یابی کیلئے مدینہ منورہ سے فلسطین کا سفر کیا۔ آپ کا غلام آپ کا رفیق سفر تھا اور سواری کے لئے اونٹ صرف ایک تھا لہٰذا آپ اونٹ پر زیادہ بوجھ کے خیال سے غلام کے ساتھ باری باری سے سوار ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ شہر قریب آ گیا، غلام اونٹ پر بیٹھا تھا اور اونٹ کی مہار آپؓ پکڑے ہوئے شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ غلام کے اصرار کرنے پر آپؓ نے فرمایا نہیں، باری تمہاری ہے، جبکہ خلیفہ اسلام کی عظمت اور شان وشوکت دیکھنے کے لئے لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔ سیلاب کی مانند اپنے اپنے گھروں سے لوگ امنڈتے چلے آ رہے تھے[1] اسلاف اسلام اور قائدین ملت کی ایسی بے شمار مثالیں بھری پڑی ہیں کہ جو معترضینِ اسلام کے لئے درسِ عبرت ہیں۔

☆☆☆

۱۔ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری، تاریخ الطبری، ص: ۴۰۷

باب دوم

ہندوازم میں تصورِ خدا

ہندوازم

صفحہ

ہندوازم کا ایک اجمالی جائزہ

دنیا کے چند عظیم اور قدیم مذاہب میں سے ایک ہندوازم بھی ہے۔ اس مذہب کی اتباع کرنے والوں کی تعداد اگر شمار کی جائے تو تقریباً پچپن ۵۵ کروڑ تک پہنچتی ہے۔ صرف ہندوستان میں ان کی تعداد ستر ۷۰ فیصد سے زائد ہے۔ اس کے علاوہ پڑوسی ممالک بنگلہ دیش، پاکستان، انڈونیشیا اور بالی میں بھی ہندو بستے ہیں۔ نیپال، برما، شری لنکا، سنگاپور ملیشیا، فجی، ماریشش جیسے ممالک میں تو ان کی خاصی تعداد ہے۔ اسی طرح افریقہ کے چند ریاستوں میں بھی قلیل تعداد میں ہی سہی، ہندو مذہب کے علمبردار موجود ہیں[۱]

ہندو دھرم اپنی اصل کے اعتبار سے ویدک دھرم کہلاتا ہے۔ اس حیثیت سے ان کی تعداد گھٹ کر کافی کم تقریباً بیس ۲۰ فیصد سے بھی نیچے آجاتی ہے کیونکہ چھتری، ویش اور شودر وغیرہ ویدک دھرم کے قائل نہیں ہیں صرف برہمن ہی اس کے پیروکار ہیں۔

ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک میں پائے جانے والے ہندو اصلاً ہندوستانی ہیں۔ گرچہ ابتداءً ان کے آباؤ اجداد زمانہ قدیم میں تقریباً ۲۵۰۰ قبل مسیح وسطِ ایشیا سے پنجاب کے علاقے میں کوچ کر کے آئے تھے۔[۲] حالانکہ کوئی مصدّق اور معتبر تاریخ ان کے ترکِ وسطِ ایشیا کی نہیں ملتی۔

اس مذہب کی پیروی کرنے والے آرین نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ بنی نوعِ انسان کی وہ نسل جو اپنے آپ کو آریہ کے نام سے منسوب کرتی ہے، جب انہوں نے وسطِ ایشیا سے دوسرے مختلف ممالک کا رخ کیا تو جس خطہ اور علاقہ میں قیام پذیر ہوئے اسے آریہ سے ہی مشتق نام سے جانا گیا۔ لہٰذا ایک شاخ نے اپنے خطہ کا نام ایران رکھ دیا۔ اسی طرح افغانستان نے آریانا اور ہندوستان میں جائے سکون تلاش کرنے والوں نے موجودہ ہندوستان شمال مغربی جغرافیائی حصے کا نام آریہ ورت رکھا۔ پھر اس میں تبدیلی اس طرح آئی کہ اسی علاقے سے سات دریا بہتے

۱۔ محسن عثمانی، السلام سہ ماہی، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۶ء، ص: ۱۳

۲۔ سید ریاست علی ندوی، عہد اسلام کا ہندوستان، ص: ۲۔۱

تھے (۱) جہلم ،(۲) چیناب ،(۳) راوی ،(۴) بیاس (۵) ستلج (۶) سرسوتی (۷) دھرشدوتی، آخری دونوں دریا اب معدوم ہیں۔ انہیں دریاؤں کی نسبت سے اس علاقہ کا نام سپت سندھو یا ہفت دریا رکھا گیا تھا۔ اور ایران والے اپنے ان بچھڑے بھائیوں کو جو سات دریاؤں کی سرزمین پر آباد ہوگئے تھے انہیں سپت سندھو کے باسی کہتے تھے۔ اس جگہ کو سندھستان سے موسوم کیا گیا۔ اور فارسی کے قاعدے کے مطابق 'س' کی آواز کو 'ہ' سے بدل دیئے جانے پر یہ جگہ سندوھتان کے بجائے ہندوستان ہوگیا۔ اس طرح یہاں کے باشندوں کو ہندو اور ان کے دین کو ہندودھرم سے منسوب کردیا گیا[1] یہ ڈاکٹر ہیرالال چوپڑا کی تحقیق ہے جو دیانت پر پوری طرح نہیں اترتی کیونکہ سات دریاؤں کی نسبت سے سپت جس کے معنی سات کے آتے ہیں صحیح ہے لیکن اس کے ساتھ سندھو یا ہندو کے اضافہ کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی ڈاکٹر صاحب نے نہ جانے کیوں یہاں پہ سندھو یا ہندو کے مشتق منہ، کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی اس کی کوئی وضاحت کی۔ لہٰذا خواہی نہ خواہی معذرت کے ساتھ اس بات کا اظہار کئے بغیر یہ وجہ تسمیہ نامکمل اور غیر مفہوم رہ جاتا ہے کہ 'ہندو' کا لفظ ان کے آبائی وطن وسط ایشیا والوں کی جانب سے اضافہ شدہ ہے جو فارسی زبان میں راہزن کے لئے استعمال کیا جاتا ہے[2]

ہندودھرم کی ابتداء کس زمانہ میں ہوئی۔ اس کے بانی کون تھے، کن وجوہات کی بنا پر اس کی بنیاد رکھی گئی، حالات وکوائف کیا تھے، اخلاق وکردار اور ماحول کیسا تھا، اور پھر اس آواز پر لبیک کہنے والے کون تھے، ان کے حالاتِ زندگی کیا تھے، اس وقت کا سماج کیسا تھا سماج اور علاقہ ومکان کون سا تھا، معاشرے پر کیا اثرات مرتب ہوئے، اس طرح کے تقریباً سبھی سوالات کے جواب تشنۂ وضاحت ہیں۔ حالانکہ ان ساری چیزوں کا احاطہ اور تعیین کسی بھی مذہب کی صداقت اور حقانیت کیلئے بنیادی مقام رکھتی ہے۔ بصورت دیگر انکار واعراض اور شک ریب اور تذبذب وبے یقینی کا دروازہ ہر عام وخاص کیلئے کھل جاتا ہے۔

اس نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر ہیرالال چوپڑا کہتے ہیں کہ ہندودھرم کسی ایک شخص، پیر یا پیغمبر کا جاری کردہ مذہب نہیں ہے بلکہ قدرت کی طاقتوں اور انسانی فطرت کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے بنی نوعِ انسان کے اندر باہمی اخوت، نیکی اور سچائی کی ترغیب نیز خالق

۱۔ ڈاکٹر ہیرلال چوپڑا، سگمن کا مذہب عالم نمبر، ص:۱۲۱
۲۔ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی، کچھ ہندومت کے بارے میں، ص:۸

کائنات کو مالک کل سمجھنا اور اسی کی پرستش کرنے کی تلقین کا نام تھا۔[۱] یہ ڈاکٹر صاحب نے اپنا نظریہ اور قیاس ظاہر کیا ہے، حقیقت کیا ہے اس سلسلے میں ان کی مقدس کتابیں، رشی منی اور راہبر وراہنما سب خاموش ہیں۔ڈاکٹر صاحب مزید تحریر فرماتے ہیں:

''آریوں کے عقیدے کے مطابق خدا نے کچھ ایسے رشیوں (دُوراندیشوں) کے ذریعہ تمام انسانوں کے لئے ایسے قوانین کا انکشاف کیا تھا جن کو انہوں نے بنی نوعِ انسان کی فلاح وبہبود کی خاطر یکجا کر کے وید کا نام دیا''۔[۲]

اس قول میں کتنا وزن ہے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ کتابِ مکاشفہ (وید) میں ایسے حیات بخش اور نجات آفریں قوانین نہیں ہیں جو بنی نوعِ انسان کے جملہ مسائل حل کر کے ضابطۂ حیات کی شکل میں منظر عام پر آسکیں۔مزید یہ کہ بنی نوع انسان سے کائنات کے کل انسان مراد ہیں نہ کہ صرف برہمن جبکہ وید کی تلاوت اور اس پر عمل کے مکلف اور حقدار صرف اور صرف برہمن ہیں۔شودر اور دیگر مذاہب کے پیروکار اس سے بری الذمہ ہیں۔ایسی صورت میں بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کی باتیں کچھ بے جا سی لگتی ہیں۔

ہندوازم ایک ایسا نا قابل فہم اور غیر متعین مذہب ہے جس کا سمجھنا خود اس کے متبعین اور پیروکار کے لئے بھی ایک معمہ بنا ہوا ہے۔کیونکہ لوگ اب تک اس بات پر ہی متفق نہیں ہو پائے ہیں کہ یہ مذہب ہے بھی یا نہیں۔کیونکہ مذہب کی جو تعریف کی گئی ہے وہ اس پر کسی بھی اعتبار سے صادق نہیں آتا۔کسی بھی مذہب کے لئے جو قید و بند اور شرطیں ہونی چاہیں ان تمام سے ویدک دھرم پوری طرح عاری نظر آتا ہے۔چونکہ مذہب کہتے ہیں چند مخصوص اور معین اعتقادات کو، یا کوئی ایسی جماعت ہو جو مخصوص عقائد اور اعمال کی پابند ہو[۳] یعنی کوئی مقدس دستورِ حیات ہو کہ جسے اس فرقے کے تمام افراد اپنے دین کا سرچشمہ اور ماخذ مانتے ہوں ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی عظیم المرتبت اور معصوم شخصیت انکا مذہبی پیشوا اور رہنما ہو جسے اس مذہب کے تمام افراد مستند مانتے ہوئے اس کی تقلید میں سرِ تسلیم خم کرتے ہوں۔

۱۔ گگن کا مذاہب عالم نمبر، ص:۱۲۱

۲۔ گگن، ص:۱۲۱

۳۔ مولانا عبدالحمید نعمانی، ہندوازم، ص:۷

ہندوازم سے متعلق آراء وافکار

چند معتبر شخصیتوں کے نظریئے ملاحظہ فرمائیں جو انہوں نے اس مذہب کی بنیادی تعلیمات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قائم کئے ہیں۔ جان کلارک آرچر کا کہنا ہے:

''ہندوازم کا کوئی بانی نہیں ہے کہ جس نے کوئی بنیادی پیغام دیا ہو، نہ ہی زرتشت، عیسیٰؑ اور محمدﷺ کی طرح کوئی رہنما ہے، ہندوؤں کے یہاں کنفیوشس کی طرح کا کوئی شخص بھی نہیں ہے جو طول وطویل موروثی روایات کو پوری طرح مرتب کردینے والا ہو، سیدھی اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان کے یہاں ایسی شخصیتیں نہیں ہیں جیسے جینیوں کے یہاں مہاویر (سوامی) بدھوں کے یہاں گوتم سانکھیہ منی اور سکھوں کے یہاں گرونانک، ایک مفہوم میں ہندوازم کا بانی ایک انبوہ ہے جس کی شخصیتیں تاریکی میں گم ہیں'' [۱]

خود اسی مذہب کے پیروکار اور ہندو قوم کی عظیم اور معتبر شخصیت پنڈت جواہر لال نہرو کے بھی الفاظ قابلِ غور ہیں:

''ہندوازم ایک عقیدہ و مذہب کی حیثیت سے مبہم، غیر مرتب اور بہت سے پہلو رکھنے والا ہے، وہ تمام انسانوں کیلئے سب طرح کی چیز ہے۔ اس کی تعریف بیان کرنا یا مذہب کے عام مفہوم کے اعتبار سے متعین طور پر یہ کہنا کہ مذہب ہے یا نہیں، مشکل ہی سے ممکن ہے۔ وہ اپنی موجودہ شکل میں اور ماضی میں بھی بہت سے معتقدات واعمال پر مشتمل ہے۔ بلند ترین سے لے کر پست ترین تک، بسااوقات ایک دوسرے سے متصادم اور متضاد'' [۲]

پنڈت جواہر لال نہرو سے بھی زیادہ قابل اعتبار شخصیت مہاتما گاندھی کی ہے جسے ہندوؤں کی اکثریت بابائے قوم سے بھی ملقب کرتی ہے۔ ہندوازم کے سلسلے میں اپنا نظریہ ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ ہندومت کی خوش قسمتی یا بدقسمتی ہے کہ اس کا کوئی سرکاری عقیدہ نہیں ہے اور مجھ سے ہندو عقیدہ کی تعریف پوچھی جائے تو میں سادہ لفظوں میں کہونگا، غیر متشددانہ ذرائع سے حق کی تلاش۔

۱۔ Archer. The great Religion of the Modren world P. 44

۲۔ Nehru. The dis Covery of india- P. 37

ایک شخص خدا پر اعتقاد نہ رکھتے ہوئے بھی اپنے آپ کو ہندو کہہ سکتا ہے، ہندومت حق کی پرزور تلاش وجستجو کا نام ہے .... ہندومت تمام مذاہب کے سلسلے میں انتہائی روادار ہے اس کا عقیدہ سب کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے"۔[1]

ایک دوسری جگہ گاندھی جی فرماتے ہیں:

"میرے خیال میں ہندومت کی خوبصورتی اس بات میں ہے کہ وہ ہر عقیدہ وخیال پر حاوی ہے...... کسی بھی مذہب میں جو جوہر ہے وہ ہندو مذہب میں موجود ہے اور جو کچھ ہندومت میں نہیں ہے وہ یا تو غیر بنیادی ہے یا غیر ضروری ہے"۔[2]

ڈاکٹر راھا کرشنن صدر جمہوریۂ ہند، ہندو مذہب کے اساطین میں ہیں ان کا علم وتحقیق تسلیم شدہ ہے ان کے الفاظ بھی ملاحظہ کئے جائیں:

"ہندوازم کی بنیاد کسی نسلی عامل پر نہیں ہے، یہ فکر اور جذبات کی ایک وراثت ہے جس میں ہر نسل اور قوم نے اپنا خصوصی حصہ ادا کیا......موجودہ ہندومت کے بہت سے چہرے (دیوتا) انتہائی قدیم ذرائع سے ماخوذ ہیں۔ وہ غالباً اس دور سے بھی آگے کے ہیں جبکہ موہنجوداڑو اور ہڑپا کے آثار قدیمہ میں ہم شیو کی مورتی یا اسکا ابتدائی نمونہ پاتے ہیں، گویا شیو دراوڑ دیوتا ہے، مادہ دیویوں کی پرستش بہت ہی ابتدائی ہندوستانی تہذیب ہے اور غالباً وادی سندھ کے لوگوں کی آمد سے بہت پہلے ہندوستان میں موجود تھی۔ غالباً یہ بھی صحیح ہے کہ درختوں اور جانوروں کی پوجا انتہائی قدیم قوموں میں اور ہندوستان میں اور مختلف دوسرے مقامات پر اتنے عرصے سے موجود ہے کہ اس کی ابتداء کا پتہ چلانا غیر ممکن ہے .....بہرحال ویدک دھرم نے قدیم مذاہب کے مراسمِ عبودیت اور طور طریق کو اپنے اندر جذب کر کے انہیں محفوظ کر لیا۔ انہیں ختم کرنے کی بجائے اپنی ضروریات کے مطابق انہیں اختیار کر لیا۔ ویدک دھرم نے دراوڑوں اور ہندوستان کے قدیم باشندوں کی سماجی زندگی سے اتنا زیادہ مواد اخذ کیا ہے کہ انہیں اصل آرین عناصر سے ممیز کرنا سخت مشکل ہے (مختلف خیالات ورسوم کا) یہ جذب وانجذاب اس درجہ پر پیچ، دقیق، پُر اسرار اور مسلسل رہا ہے کہ اس کے نتیجے میں جو مخصوص ہندو تہذیب ابھری وہ نہ آرین تہذیب ہے نہ دراوڑ تہذیب اور نہ قدیم تہذیب"

۱۔ Mahatma Gandhi. Hindu dharma P.4

۲۔ Gandhi. Hindu dharma P.4

اپنی اس معرکۃ الآرا تصنیف میں کچھ ہی آگے بڑھ کر مزید تحریر فرماتے ہیں:

''اس رواداری رویہ کے نتیجہ میں ہندوازم مذہبی جذبات واعمال کے تقریباً تمام انواع کا مرقع بن گیا۔ اس نے ہر انسان کی ضرورت کو پورا کرنے کا غیر محدود بندو بست کیا اور خدا سے متعلق کسی بھی پہلو کو جس کا انسان نے (کبھی) تصور کیا ہو قبول کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی''۔[۱]

مذکورہ بالا ان تمام ملاحظات واقوال کا ماحصل یہ ہے کہ ہندوازم کی تخلیق میں کسی ایک کا ہاتھ نہیں ہے بلکہ اس کی تشکیل میں لاتعداد افراد، قوموں، تہذیبوں اور مذاہب کا رول ہے۔ اس نے بڑی فراخ دلی اور رواداری کے ساتھ متنوع افکار وخیالات اور مختلف اعمال واعتقاد کو اپنے آغوش میں لے لیا جس کے نتیجے میں ہندو مذہب مختلف ومتضاد افکار وخیالات اور مسالک واعتقادات کا معجون مرکب بن گیا۔

ایک اور مشہور ومعروف ہندو فاضل ومحقق شری آرو بندو گھوش کا نظریہ اسی موقف کی تائید کرتا ہے:

''پہلی مشکل جو چکرا دینے والی ہے اور جس میں اہلِ یورپ کا دماغ بُری طرح الجھا ہوا ہے ہمارے سامنے آتی ہے۔ مغربی ذہن اس سوال کو حل کرنے میں خود کو قاصر پاتا ہے کہ ''ہندومت'' کیا ہے۔ وہ سوال کرتا ہے کہ اس مذہب کی روح کیا ہے، اس کا ذہن اور متعین فکر کہاں ہے۔ اس کے جسم کی مخصوص شکل کہاں ہے؟ کس طرح کوئی مذہب اس طرح کا ہوسکتا ہے کہ اس کا کوئی محکم عقیدہ نہ ہو جس پر دائمی عذاب کا خوف دلا کر ایمان لانے کا مطالبہ کیا گیا ہو، جس میں دینیاتی اصول موضوعہ نہ ہوں، نہ کوئی متعین دینیات، نہ کوئی بنیادی عقیدہ ہو جو اسے دوسرے حریف یا مخالف مذہب سے ممتاز کرتا ہو۔ کس طرح کوئی مذہب ایسا ہوسکتا ہے کہ اس کا کوئی پوپ (مسلّم مذہبی پیشوا) نہ ہو، انتظام کرنے والی کوئی کلیسائی جماعت نہ ہو، کوئی چرچ نہ ہو، کوئی مرکزی معبد نہ ہو، کوئی جماعتی نظم نہ ہو، کوئی لازمی مذہبی شکل بھی نہ ہو جو اسکے تمام پیروؤں پر کسی پہلو سے بھی واجب ہو، کسی طرح کا نظم اور ڈسپلن نہ ہو......... ہندوازم کیونکر ایک مذہب کہا جاسکتا ہے جبکہ وہ تمام ہی عقیدہ کو صحیح تسلیم کرتا ہے حتی کے ایک طرح کے اونچے الحاد اور لا ادریت

۱۔ Radha Krishnan. Eastern Religians and Western thautht-P.306-307

کو بھی اور تمام ممکنہ روحانی تجربوں اور ہر قسم کے مذہبی اعمال کی اجازت دیتا ہے۔ واحد چیز جو ہندومت میں متعین ہے، ''سماجی قانون ہے'' اور وہ بھی مختلف جاتیوں، علاقوں اور گروہوں میں مختلف ہے۔ذات پات کا نظام (ہندوؤں پر) حکومت کرتا ہے نہ کہ کوئی کلیسا۔لیکن ذات پات کا نظام بھی کسی شخص کو اس کے عقائد کی بنا پر سزا نہیں دے سکتا، نہ آزاد خیال پر کوئی پابندی لگا سکتا ہے، اگر ذات پات کا نظام عیسائی یا مسلمان کو برادری سے باہر کر دیتا ہے تو یہ اس کے مذہبی عقیدہ یا عمل کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ صرف اسلئے کہ یہ لوگ سماجی ضوابط و نظام کو توڑ دیتے ہیں......غلط فہمی دراصل اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ مذہب کے بارے میں ہندوستان اور مغرب کا نقطۂ نظر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے اور یہی چیز ہندوستانی ذہن اور یورپ کے عام ذہن کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتی ہے....ہندوستانی ذہن کے لئے مذہب کا سب سے کم اہم جزءٔ اس کا عقیدہ ہے۔ مذہب کی روح اہم ہے نہ کہ دینیاتی عقیدہ، اس کے برعکس مغربی ذہن کے لئے کسی مذہب کا سب سے اہم جزو ایک مقررہ دینی عقیدہ ہے یہ (مذہب) مفہوم کا دل ہے، یہی وہ چیز ہے جو ایک مذہب کو دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتی ہے کیونکہ مذہب کے منضبط عقائد ہی وہ امور ہیں جو اسے سچا یا جھوٹا مذہب بناتے ہیں''۔[۱]

ہندوازم کے ایک اور سرگرم نمائندہ اور عظیم محقق سوامی وویکانندا اپنے ایک مقالے میں جو ۱۸۹۳ء میں شکاگو میں منعقد سیمینار میں پڑھا گیا تھا، رقمطراز ہیں:

''ویدانت کی اونچی پروازوں سے لیکر..... سائنس کی تازہ ترین تحقیقات تک ان کی صدائیں بازگشت محسوس ہوتی ہیں... بھانت بھانت کی دیومالائیت کے ساتھ بُت پرستی کی پست تصورات تک بدھوں کی لا ادریت اور جینیوں کا الحاد، ان میں سے ہر ایک اور سب ہندو مذہب میں ایک مقام رکھتے ہیں''۔[۲]

ان کی اس تحریر سے بخوبی یہ واضح ہوجاتا ہے کہ ہندوازم ایک ایسا مذہب ہے کہ جس میں کائنات کی ہر قسم کی چیزیں محسوسات وغیر محسوسات، نفع وضرر، تحقیقی وغیر تحقیقی، پستی و بلندی سب موجود ہیں۔ ویدانت کی بلند پایہ روحانی تعلیمات کے علاوہ جدید دور کے محیر العقول سائنٹیفک

۱۔ Ghosh. The Faodations of indian Cutlur P. 140-139

۲۔ Vivekanand. Hinduism P.14-15

تحقیقات بھی ، بُت پرستی کے پست تصورات اور دیوی دیوتاؤں کے بعید از عقل تصوراتی قصے کہانیاں بھی، مزید ایسے فرقے بھی جو وحدانیت کے قائل یا لامحدود باطل معبودوں کے متوالے ہیں اور ایسے فرقے بھی جو سرے سے ملحدانہ روش پر گامزن ہیں یا کم از کم خالقِ کائنات کا یقین ان کے دلوں میں شک کے درجے میں ہو۔ اسی پر بس نہیں بلکہ انہیں اس امر واقعہ پر فخر ہے کہ ان کے مذہب میں ہر قسم کے مختلف ومتضاد اور معتقدات واعمال موجود ہیں۔ اس سے بھی آگے بڑھکر بڑی دلیری سے یہ کہتے ہیں کہ ایک حقیقی، فطری اور عالمگیر مذہب کو ایسا ہی ہونا چاہئے [۱]

برہمن بالعموم گوتم بدھ کے بارے میں لب کشائی کرتے ہوئے شرافت ودیانت داری کی حدوں سے گزر جاتے ہیں تاہم راسخ العقیدہ ہندوؤں کے خیال کے مطابق بدھ وشنو کے اوتار سمجھے جاتے ہیں [۲]

سوامی جی نے اپنے مذہب کی وسعت، بلندی، عظمت اور فراخدلی بیان کرتے ہوئے اپنے باغی دوفرقے بدھ ازم اور جین ازم کو بھی ہندو ازم میں شامل کرلیا ہے۔ جبکہ انہیں کے مذکورہ اصولوں کے تحت یہ دونوں خارج ہیں۔ ۱۸۹۷ء میں پاکستان کے شہر لاہور میں انہوں نے (ہندومت کی مشترکہ بنیادیں) کے موضوع پر ایک لکچر دیا تھا۔ اس لکچر میں ہندو ازم کے اصول بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم سب ویدوں پر ایمان رکھتے ہیں اور انہیں مذہبی اسرار ورموز کی ازلی وابدی تعلیمات باور کرتے ہیں، ہمارا ایمان ہے کہ اس مقدس لٹریچر کا نہ کوئی آغاز ہے اور نہ کوئی انجام۔ یہ فطرت کا ہم عصر ہے جس کی نہ ابتداء ہے اور نہ انتہا اور یہ کہ ہمارے تمام مذہبی اختلافات اور سارے مذہبی کشمکش ختم ہوجانے چاہئیں جب ہم اس مقدس کتاب کے حضور کھڑے ہوں۔ ہم سب اس بات پر متفق ہیں کہ ہمارے تمام روحانی اختلافات کے لئے اپیل کی آخری عدالت مقدس کتاب ہے۔ سوامی جی کی باتوں میں سچائی نظر نہیں آتی۔ ابھی تو انہوں نے بڑے فخر یہ انداز میں ویدک دھرم کی عظمت بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہمارے مذہب میں ہر قسم کے مختلف ومتضاد ومعتقدات اعمال موجود ہیں اور ایک حقیقی، فطری اور عالم گیر مذہب کو ایسا ہی ہونا چاہئے، گویا ان ہی چیزوں کی بناء پر ہندو دھرم کو دیگر مذاہب کے مقابلے

۱۔ Hinduism P. 24-25

۲۔ P.J. Marshall. The British discovery of Hinduism P - 27

میں عظمت ورفعت کا مقام حاصل ہے تو پھر سوامی جی کا سارے مذہبی اختلافات کو بھلانے اور ختم کرنے کی طرف لوگوں کو دعوت دینا، کیا معنی رکھتا ہے اگر یہ خوبی اور فخر کی علامت تھی جیسا کہ انہوں نے اوپر باور کرایا تھا تو پھر اس کے ازالہ کے لئے سوامی جی کا فکر مند ہونا اور اسباب کے تلاش وجستجو میں سرگرداں رہنا چہ معنی دارد۔

دوسرا اصول یا نقطہ یہ بیان کیا کہ جس پر ہم سب ایمان رکھتے ہیں وہ خدا ہے پیدا کرنے والا ساری کائنات کی حفاظت کرنے والی ذات کہ جس کی طرف وقتِ معین پر کائنات کو پلٹ کر جانا ہے۔ پھر دوسرے ادوار میں کائنات کو اس سے باہر آنا ہے۔..... ہمارا تصور خدا مختلف ہوسکتا ہے اس کے باوجود ہم سب خدا پر ایمان رکھتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایک مافوق الفطرت، لامحدود طاقت پر ......جس سے ہر چیز نکلی ہے، جس میں ہر چیز رہتی ہے اور جس کی طرف بالآخر ہر چیز پلٹے گی......ایمان نہیں رکھتا اسے ہندو نہیں کہا جاسکتا، ان اصول کے تحت سوامی جی نے بدھ ازم اور جین ازم کو ہندو دھرم میں کیسے شریک کرلیا، جبکہ یہ دونوں باغی فرقے ملحد ہیں۔ ان کی کتابوں کے سلسلے میں ان کے نظریئے بے انتہا تشویش ناک ہیں۔حتی کہ سرے سے ان کی صداقت کا انکار کرتے ہیں۔خود سوامی جی اپنے مقالے 'Hinduism' میں لکھتے ہیں کہ گوتم بدھ جہاں کہیں بھی گئے انہوں نے کوشش کی کہ ہر اس چیز کو جو پرانی اور ہندوؤں کے یہاں مقدس تھی خاک میں ملا دیں۔[۱] بدھوں کا ان کی مقدس الہامی کتاب ویدوں کے بارے میں کہنا ہے کہ وید کے بنانے والے بھانڈ، دھورت (مکار) اور نشاچر یعنی راکشش یہ تین طرح کے آدمی ہیں، جر بھری، ترپھری وغیرہ پنڈتوں کے مکر کی باتیں ہیں[۲] جین مت کا نظریہ بھی ان کی کتابوں کے سلسلے میں بدھوں کے مساوی ہے، سوامی دویکا نند انکے اعتقادات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں، ''یہ تو خالق کائنات کا کھلم کھلا مذاق اڑاتے ہیں، وہ خدا کے تصور پر ہنستے تھے، وہ پوچھتے تھے خدا کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ اوہام پرستی ہے اور کچھ بھی نہیں''۔[۳] ویدک دھرم، انکی کتاب مقدس اور پھر خدا کے سلسلے میں اس طرح کے غلط نظریئے کے باوجود جبکہ یہ دونوں خود بھی اپنے اپنے مذہب کے بانی ہیں، باغی ویدک دھرم ہیں، ان کے سلسلے میں یہ کہنا کہ یہ بھی ہماری طرح ہندو ہیں اور انکا مقام بھی ویدک دھرم میں ہماری طرح ہی ہے غیر مناسب سا لگتا ہے۔ بلکہ حقائق سے اغماض وچشم پوشی کے مترادف ہے۔اور جو اصول

۱۔ Hinduism P. 25

۲۔ سوامی دیانند سرسوتی، ستیارتھ پرکاش، جلد ۱۲، ص: ۳۸۴

۳۔ Hinduism P.26

سوامی جی نے پیش کیا ہے اس کے تحت انکارِ خدا اور انکارِ کتب الٰہیات کے نتیجے میں ہندوازم کے دائرے سے خود بخود خارج ہو جاتے ہیں۔

اسی مقالے میں آگے فرماتے ہیں:

اگر ایک آدمی اپنی خدائی فطرت کو ایک بت کے ذریعہ پا سکتا ہے تو کیا بت پرستی کو گناہ کہنا درست ہوگا؟ نہیں اس وقت بھی جب وہ اس مرحلہ سے گذر جائے، کیا اسے غلطی قرار دے سکتا ہے؟ ہندو کے نزدیک انسان خطا سے صواب کے طرف سفر نہیں کر رہا ہے بلکہ صداقت سے صداقت کی طرف، پست صداقت سے بلند صداقت کے طرف، اس کے نزدیک تمام مذاہب اشیا پرستی سے لیکر بلند ترین خدا پرستی تک، انسانی روح کی بے شمار مساعی ہیں جو اس نے لا محدود (خدا) کو پالینے یا اخذ کرنے کے سلسلے میں کی ہیں ....کثرت میں وحدت فطرت کا منصوبہ ہے اور ہندوؤں نے قبول کرلیا ہے، دوسرے مذاہب میں سے ہر مذہب ایک مخصوص و متعین عقیدہ مرتب کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ سماج اسے اپنانے پر مجبور ہو، وہ سماج کے سامنے صرف ایک کوٹ رکھتا ہے جسے جیک، جان اور ہنری سب پر یکساں فٹ ہونا چاہئے۔ اگر وہ جان یا ہنری پر فٹ نہیں ہوتا تو انہیں کوٹ کے بغیر جوان کے بدن کو ڈھاپنے، چلا جانا چاہئے۔ لیکن ہندوؤں نے اس حقیقت کو پالیا ہے کہ وجودِ مطلق (خدا) اضافی طور پر ہی پایا، خیال کیا یا بیان کیا جاسکتا ہے اور بُت، صلیب اور ہلال[1] محض بہت سی علامات ہیں ...... بہت سی کھونٹیاں ہیں جن پر روحانی تصورات کو لٹکایا جاسکے۔

ہندو کے نزدیک مذاہب کی تمام دنیا ایک سفر ہے مختلف مردوں اور عورتوں کا، مختلف حالات اور ماحول سے ایک ہی منزلِ مقصود کے طرف آنا ہے، تمام مذاہب کا منشا ایک ہی ہے اور مادۂ انسان کو ترقی دیکر خدا بنا دینا ہے[2] اور وہی ایک خدا سب انسانوں کے وجود کا محرک بھی ہے۔ پھر اتنے بہت سے تناقضات وتضادات کیوں ہیں؟ ہندو کا کہنا ہے کہ یہ تناقضات ظاہری ہیں، تناقضات اور تضادات اس بات سے پیدا ہوئے ہیں کہ وہی ایک صداقت مختلف فطرتوں کے مختلف ماحولوں میں اپنے آپ کو مختلف انداز میں ڈھالتی ہے۔ وہی ایک روشنی ہے جو مختلف رنگوں کے شیشوں سے

۱۔ ہلال یہ کوئی اسلامی علامت نہیں بلکہ دولت عثمانیہ کے پرچم کا نشان تھا سوامی جی کو ناقص مطالعہ کی بنیاد پر غلط فہمی ہوئی

۲۔ اسلام، یہودیت اور عیسائیت میں انسان کو خدا کا بندہ بنانا مقصود ہے نہ کہ خدا بنانا

گذر کر آتی ہے، یہ تھوڑے سے تنوعات (مختلف ماحول کے سانچے میں) ڈھلنے کے لئے ضروری ہیں، لیکن ہر چیز کے دل میں وہی ایک صداقت حکمرانی کررہی ہے۔ خدا نے کرشن کا اوتار لیکر ہندو سے علی الاعلان کہا تھا:

''میں ہر مذہب میں موتیوں کی لڑی میں دھاگے کی مانند ہوں جہاں کہیں بھی تم غیر معمولی تقدس اور غیر معمولی طاقت پاؤ جو انسانیت کو ترقی دیتی اور اسکا تزکیہ کررہی ہے تو جان لو کہ میں وہیں ہوں''[۱]

سوامی وویکا نندجی کا یہ ماحصل مطالعہ محل نظر ہے۔ اگر اسے صحیح تسلیم کرلیا جائے تو پھر دنیا کا کوئی ایسا مذہب یا نظام نہیں جو صحیح اور درست نہ ہو۔ ہر قسم کے عقائد، افکار و نظریات، اعمال و رسوم سب کے سب برحق اور اختیار کیئے جانے کے قابل ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ بذاتِ خود ہندو مذہب والے دیگر مذاہب مثلاً بدھ ازم اور جین ازم وغیرہ کو لا ادریہ، ملحد اور گمراہ کن فرقہ قرار دیتے ہیں۔ اس طرح اسلام، یہودیت اور عیسائیت کے سلسلے میں بھی کوئی مثبت نظریہ نہیں رکھتے جیسا کہ ستیارتھ پرکاش کے مصنف سوامی دیانند سرسوتی کی نفرت آمیز تحریروں سے واضح ہے[۲]

جان کلارک آرچر کا ہندومت کے سلسلے میں کہنا ہے کہ:

ہندوازم کی اصطلاح وسیع بھی ہے مبہم بھی۔ کسی بہتر اور واضح تعریف کے موجود نہ ہونے کے باعث ہم اس لفظ (ہندوازم) کا استعمال ہندو کے مذہب کے مفہوم میں کرسکتے ہیں[۳]

دنیا کے قدیم موجودہ مذاہب میں ویدک دھرم ہی ایسا مذہب ہے جس کے آغاز کی تاریخ مسخ شدہ ہے۔ عوام تو عوام اس دین کے نمائندے اور قائدین بھی لاعلمی اور بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لہذا ایسی صورت میں بعید از قیاس ہے کہ صحیح سمت میں متعین مقام تک رسائی ہوسکے۔ البتہ کچھ مؤرخین نے بڑی عرق ریزی کے بعد اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، جنہیں ملاحظہ کرنے کے بعد تذبذب و پس و پیش کی کیفیت کے ساتھ اذہان و قلوب پر ہندومت سے متعلق ناگفتہ بہ تأثرات نقش ہوتے ہیں۔ ہندوستان کا بہت بڑا مؤرخ راما شنکر تریاٹھی اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہمارے تاریخی حدود میں آریوں کے مورث کون تھے وہ کہاں سے ابھر کر داخل ہوئے؟

۱۔ Hinduism P. 14-15

۲۔ تفصیل کیلئے سیارتھ پرکاش کا چودھواں باب ملاحظہ فرمائیں

۳۔ The great Religians of the modron warld P.64

اس قسم کے سوالات گمراہ کن تاریخی اختلافات پیدا کردیتے ہیں [۱]

سید نجی حسن نقوی نے قدر تفصیل سے جائزہ لیا ہے اور اپنی کتاب میں ہندومت کی تاریخ سے متعلق اپنا خیال سپردِ قرطاس کیا ہے۔

ہندوستان کی باقاعدہ تاریخ موریہ عہد سے شروع ہوتی ہے .....لیکن اس سے پہلے کے زمانہ کی تاریخی ثبوت ہمارے پاس موجود نہیں ہیں اس لئے اس زمانے کو ہندوستان کی تاریخ میں تاریک دور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ البتہ زمین کی کھدائی کے نتیجہ میں کچھ نشانیاں ایسی ضرور دستیاب ہوگئی ہیں جن کی مدد سے ہم بڑے اہم تاریخی نتائج تک پہنچ گئے ہیں۔ ان میں ہڑپا اور موہنجوداڑو خاص طور پر اہم ہیں، ان دونوں مقامات کے کھنڈر ایک ایسے تہذیب وتمدن کی نشان دہی کرتے ہیں جو سندھ کی وادی میں حضرت عیسیٰ سے تقریباً ۳۵۰۰ برس پہلے جاری وساری تھا [۲]

بقول سرجان مارشل:

''وادی سندھ کی تہذیب ہماری معلومات کو ۳۰۰۰ ق م یا اس سے بھی پہلے تک لے جاتی ہے'' [۳]

سید ریاست علی ندوی نے قدرے تعمق کے ساتھ جائزہ لیا ہے اور ساتھ ہی عام مؤرخین کے ایک شبہہ کا بھی ازالہ کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''دراوڑ اور آریہ دونوں کو عام طور پر لوگوں نے ایک قوم سمجھ رکھا ہے حالانکہ دونوں الگ الگ قومیں ہیں دونوں کے ورود ہندوستان میں ایک طویل زمانہ کا فاصلہ بھی ہے اور مزید یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے رقیب بھی ہیں، آریہ فاتح اور ڈراوڑ مغلوب کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں''۔ مذکور اسلامی مؤرخ مزید رقم کرتے ہیں:

''باہر سے آنے والی پہلی قوم ڈراوڑیوں کی ہے یہ آریوں کے آنے سے چار ہزار برس پہلے ہندوستان میں چھائے ہوئے تھے۔ آریوں کے بعد یہ شمالی ہند سے مٹ گئے اور جنوب ہند میں پناہ لی، موہنجوداڑو اور ہڑپا کے شان دار تمدن کے مالک یہی ڈراوڑ تھے....مبصرین نے ان کے زمانے کی تعیین ۳۲۵۰ سے ۲۸۰۰ ق م تک کی ہے ... ہندوستان کی سرزمین پر آباد ہونے والی دوسری قوم آریہ کہی جاتی ہے، انہوں نے ڈاوڑ دیوں کو ہٹا کر اپنے قدم جمائے۔ ان کا قدیم تعلق

۱۔ راما شنکر تر پاٹھی، قدیم ہندوستان کی تاریخ، ص: ۵۲

۲۔ نجی حسن نقوی، ہمارا قدیم سماج، ص: ۱

۳۔ ہمارا قدیم سماج، ص: ۲

''انڈو جرمن'' نسل سے ہے۔ وسط ایشیا سے اس نسل کے مختلف قافلے مشرق و مغرب میں چلے، ہندوستان میں ان کے آنے کا صحیح زمانہ ۲۵۰۰ ق م سمجھا جاتا ہے اور ان کا آخری قافلہ ہندوستان میں تقریباً ۶۰۰ ق م میں آیا تھا''۔[۱]

ڈاکٹر ہیرالال چوپڑا کی تحریر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ویدک دھرم ازلی اور ابدی نہیں ہے جیسا کہ سوامی دیانند سرسوتی نے دعویٰ کیا ہے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ اس کا عرصہ تقریباً تین ہزار قبل مسیح ہے۔ ان کی تحریر ملاحظہ فرمائیں:

''آریہ لوگ ہندوستان میں وارد ہوئے تو ان کی اپنی تہذیب تھی۔ وہ جفاکش اور محنتی لوگ تھے اور تجرد، تیاگ یا دنیا سے کنارہ کشی جیسے اصولوں سے نابلد تھے۔ لیکن ہندوستان میں ان کے وارد ہونے سے قبل جو تہذیب پہلے رائج تھی وہ بھی کافی ترقی یافتہ تھی۔ وہ زیادہ تر دریاؤں میں غسل سے اپنے آپ کو مصفّٰی رکھتے تھے اور ان میں تیاگ اور فقر کے اوصاف موجود تھے۔ لیکن آج سے کوئی ساڑھے تین ہزار سال قبل دونوں تہذیبوں کے اندر ہم آہنگی پیدا ہوئی اور دونوں نے ایک دوسرے سے متأثر ہو کر ایک دوسرے کی اچھی روایتوں اور ہدایتوں کے اشتراک کو قبول کر کے مذہب کے اندر یک رنگی پیدا کر دی''۔[۲]

سید ندوی صاحب کی تحقیق کے پیش نظر ڈاکٹر ہیرالال چوپڑا کے اس حسن ظن پر کاری ضرب پڑتی ہے کہ ''دونوں کی تہذیبوں کے اندر ہم آہنگی پیدا ہو گئی تھی، ایک دوسرے کے خوش طبعی اور اخلاق و کردار سے متأثر ہونے کے نتیجہ میں دونوں کے مذاہب میں یک رنگی پیدا ہو گئی تھی۔ جبکہ ندوی صاحب کا کہنا ہے کہ ہندوستان کی سرزمین پر ۲۵۰۰ قبل مسیح آباد ہونے والی دوسری قوم آریوں نے اپنے ورود سے چار ہزار سال پہلے آباد قوم ڈراوڑ دیوں پر (جسے بعض لوگوں نے آریہ کے نام سے بھی موسوم کیا ہے۔) دھاوا بول دیا، انہیں مغلوب کر کے شمالی ہند سے مٹا ڈالا حتی کہ انہیں جنوبی ہند میں پناہ لینے پر مجبور ہونا پڑا۔

ہیرالال صاحب کی ایک اور تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ویدک دھرم کا آغاز زیادہ سے زیادہ ساڑھے تین ہزار سال قبل مسیح ہو اور یہ آخری حد ہے اس سے زیادہ قدامت کی گنجائش نظر نہیں آتی، ہیرالال لکھتے ہیں:

۱۔ عہد اسلامی کا ہندوستان، ص:۲
۲۔ سنگم کا مذاہب عالم نمبر، ص:۱۳۲

''کوئی پانچ ہزار سال قبل سندھ کے کنارے موہنجو داڑو کی تہذیب کے کچھ آثار ملے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت کی تہذیب کافی ترقی یافتہ تھی اور وہ بھی کئی تہذیبوں کے اشتراک سے معروض وجود میں آئی تھی۔ یوں تو اس وقت کی تمام تہذیبیں قدرت کی پرستش کرنے والی تھی اور اسی لئے ان میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً ایران کی آریائی تہذیب آتش پرست تھی اور ہندوستان کی آریائی تہذیب سورج، چاند، ستاروں اور دیگر عناصر قدرت کی پرستش کرنے والی تھی'' [۱]

انہوں نے دو آریاؤں کا تذکرہ کیا ہے ایک ایرانی آریہ اور دوسرا ہندوستانی آریہ۔ ممکن ہے کہ دونوں آریائی قوم ایران سے ہی آئی ہوں ایک پانچ ہزار سال ق م اور دوسری ساڑھے تین ہزار سال قبل مسیح۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کا ورود سندھ ہی کے علاقہ میں ہوا ہو کیونکہ موہنجو داڑو کی تہذیب کے جہاں آثار نمایاں ہوئے ہیں وہ سندھ کے بعض اطراف بھی ہیں۔ نیز ان کی کتاب وید کتابی شکل میں سندھ کے ہی علاقے میں ترتیب دی گئی تھی۔ اس سے قبل یہ سینہ بسینہ ہی منتقل ہوتی آرہی تھی۔ سندھ کے علاقے میں تصنیف ہونے کی دلیل خود راما شنکر ترپاٹھی کی کتاب 'قدیم ہندوستان کی تاریخ' میں موجود ہے۔ راماجی رگ ویدی آریوں کا جغرافیائی پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رگ وید میں کوئی اشارہ آریوں کی ابتدائی نقل وحرکت کی طرف نہیں ہے اور نہ ہی اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ ہندوستان میں کیونکر داخل ہوئے تھے۔ البتہ بعض تلمیحات سے یہ ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا جغرافیائی حدود اربعہ اس علاقہ تک محدود تھا جو افغانستان سے لیکر وادی گنگا تک پھیلا ہوا تھا۔ بعض دریاؤں کے نام اس میں آئے ہیں مثلاً کوبھا (کابل) سواستو (سوات) کرومو (کرّم) اور گومتی (گومل) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ افغانستان ان کے زیر اثر تھا اور یہی اس کا مسکن تھا۔ سندھو کا وسیع وعریض دھارا (دریائے سندھ) اس کے پانچ معاون دریا، ...اسی طرح درس دوئی اور چوتنگ کا ذکر آیا ہے...... ان حوالوں سے بڑی آسانی سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ آریہ ان دریاؤں سے سیراب ہونے والے تمام علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے اور اسی علاقے میں انہوں نے رگ وید کی بیشتر نظمیں تصنیف کی تھیں۔ دریائے گنگا اور دریائے

۱۔ مگن کا مذہب عالم نمبر، ص: ۱۲۲

جمنا کا ذکر صرف دو یا تین جگہ آیا ہے''[۱]

اسی طرح رگ وید میں شادیوں کی شان میں جو نظمیں ہیں ان کا محرک پنجاب کا دلفریب صبح کا سماں ہے، لیکن وہ نظمیں جن میں ''عناصر کے انتشار گرج اور چمک کے فلسفے کا ذکر کیا گیا ہے وہ کیتھ کے بقول دریائے سرسوتی کے اردگرد کے علاقے ہیں یعنی موجودہ امبالہ کے جنوب میں تصنیف ہوئیں''[۲]

ان تحریروں سے بخوبی یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ رگ وید جو ان کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ انہیں علاقوں میں تصنیف ہوئی اور آریوں کا ورود بھی اسی علاقہ میں ہوا۔ لیکن ویدک دھرم کے ایک سرگرم محقق سوامی وویکا نند کو یہ بات سخت ناگوار ہے کہ آریوں کا ورود وسط ایشیا یا کسی اور علاقہ سے ہوا۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ اسی سرزمین ہند کے باشندے ہیں۔ سوامی جی دلائل وقرائن کے بغیر اپنے اختیار کردہ موقف پر اٹل ہیں۔ مؤرخین کی ایک بڑی تعداد جن کی تحقیق مضبوط اور ٹھوس دلائل پر مبنی ہے صرف نظر کرتے ہوئے اپنی کتاب نعرۂ حق میں فرماتے ہیں:

کس وید، کس سوکت میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ ''آریہ'' کسی بدیشی ملک سے ہندوستان میں آئے تھے؟ آپ کو یہ خیال کہاں سے آیا کہ وہ یہاں آئے اور انہوں نے یہاں کی غیر متمدن نسلوں کو فنا کر ڈالا۔ اس طرح کی احمقانہ باتیں کرنے سے آپ کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟[۳]

ویدک دھرم کی قدامت کا اندازہ ایک اور توجیہ سے ہوتا ہے جو شمس نوید عثمانی صاحب کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہندوازم کا آغاز خدا کے پیغمبر حضرت نوحؑ کے زمانے سے ہوتا ہے۔ یہ انہیں کی گم گشتہ قوم ہے کہ جنہوں نے اپنے نبی کو کھو دیا۔ یہ اپنے موقف کی وضاحت وتائید میں فرانس کے ایک مشہور مصنف کا حوالہ دیتے ہوئے گویا ہیں:

''فرانسیسی مصنف ڈیوبائس (A.J.A.Dubeis) جس نے چالیس سال تک ہندو مذہب اور ہندوستانی تہذیب کا مطالعہ کیا اور ہندو مذہبی رسم ورواج پر آج تک کی سب سے مستند اور ضخیم کتاب لکھی اس نے اپنی کتاب (Hindu Manners,

۱۔ قدیم ہندوستان کی تاریخ، ص:۵۵
۲۔ قدیم ہندوستان کی تاریخ، ص:۵۵
۳۔ نعرۂ حق جلد: ۳، ص: ۹۱
(سوامی وویکا نند)

(Customs & Ceremonies) میں جو حقیقتیں بیان کی ہیں وہ شاید قارئین کی دلچسپی کا سبب بنے بغیر نہ رہ سکے گی"[۱] ڈیو بائس کی تحقیق مندرجہ ذیل ہے:

"................مختصر یہ ہے کہ مشہور شخصیت جس سے ہندوؤں کو بہت عقیدت ہے اور جسے وہ مہانو و (Mahanuvu) کے نام سے جانتے ہیں، (سیلاب) کی تباہی سے ایک کشتی کے ذریعہ بچ نکلی جس میں سات مشہور رشی بھی سوار تھے ...مہانو و دولفظوں کا مرکب ہے، مہا کے معنی عظیم اور نوو و بلاشک وشبہ (حضرت) نوحؑ ہی ہیں"[۲]

"عملاً یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہندوستان اس سیلاب عظیم کے فوراً بعد آباد ہوا تھا جس نے پوری دنیا کو ویران کر دیا تھا"[۳]

"مارکنڈیہ پران اور بھاگوت گیتا میں اس کا بہت واضح بیان ہے کہ اس حادثہ میں تمام نسلِ انسانی ختم ہوگئی تھی۔ سوائے سات مشہور عبادت گذار رشیوں کے..... یہ سات رشی ایک کشتی پر بیٹھ کر عالم گیر تباہی سے بچ سکے تھے۔ اس کشتی کو وشنو (خدا) خود چلا رہا تھا۔ ایک اور عظیم شخصیت جو بچ جانے والوں میں تھی وہ منو کی تھی، ...اور وہ حضرت (نوحؑ) کے سواء کوئی نہیں تھی.. جہاں تک مجھے علم ہے ان تمام مشرک اقوام میں کسی نے سیلاب کو اتنی تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کیا ہے اور اس واقعہ کی تفصیلات حضرت موسیٰ کی (تورات میں) بیان کردہ تفصیلات سے کسی قوم کی تحریروں میں اتنی مماثلت نہیں رکھتیں جتنی کہ ان ہندی کتابوں میں ہے ..یہ قابل ذکر بات ہے کہ یہ شہادت ہمیں اس قوم میں ملی ہے جس کے قدیم ہونے پر سب متفق ہیں"[۴]

"منو کا لفظ بہت سی ہندو مذہبی شخصیات کیلئے استعمال ہوا ہے لیکن پرانوں، ویدوں اور دیگر ہندو مذہبی کتب میں سب سے زیادہ تفصیل سے جس منو کا تذکرہ ہے وہ حضرت نوحؑ ہی ہیں"[۵]

ویدوں میں حضرت نوحؑ کا ذکر منو کے نام سے ۷۵ مقامات پر آیا ہے، ویدوں کا ایک انگریز مفسر وید کے ایک منتر میں آنے والے لفظ منو کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

۱۔ مولانا شمس نوید عثمانی، اگر اب بھی نہ جاگے تو، ص: ۳۳

۲۔ A.J.A. dubeis. Hindu Mannaers; Customs Ceremonies P.48

۳۔ Hindu Mannaers Customs Ceremonies P. 100

۴۔ Hindu Mannars P. 417 416

۵۔ رام چرت مانس، ص: ۱۵۴ بحوالہ اگر اب بھی نہ جاگے تو، ص: ۳۴

''منو (نوحؑ) لاجواب شخصیت اور انسانوں کے نمائندہ تھے، تمام نسل انسانی کے باپ (سیلاب کے بعد آدم ثانی کی حیثیت سے) اور پہلی شریعت کے شروع کرنے والے تھے'' [۱]

شمس نوید صاحب مزید اس کی وضاحت کرنے کیلئے فرانسیسی مصنف ڈیوبائس کی تحقیق پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہندوؤں کا موجودہ یگ کلیگ تقریباً اس زمانہ سے شروع ہوتا ہے جو سیلاب نوحؑ کا زمانہ ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کو وہ یادگار سمجھتے ہیں اور ان کے مصنفین اسے جل پرلیاون یا پانی کے سیلاب کا نام دیتے ہوئے اس کا وضاحت سے ذکر کرتے ہیں۔ اس موجودہ یگ کی تاریخ یقیناً 'جل پرلیاون' کے آغاز سے شروع ہوتی ہے ..اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہندو اپنی زندگی کے تمام اہم مشہور واقعات و معمولات اور اپنی تمام عوامی یادگاروں کی تاریخ یا سن کو ایک سیلاب کے خاتمے سے شمار کرتے ہیں ...سیلاب کے بعد ہر ساٹھ سال کا ایک سال مان کر ان سالوں سے اپنی تمام عوامی اور ذاتی واقعات کی مدت شمار کرتے ہیں'' [۲]

اس قوم کا حضرت نوحؑ (ان کی زبان میں منو) سے خصوصی تعلق ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ان کی مذہبی کتب میں منوسمرتی کو ایک خاص مقام حاصل ہے [۳]

اپنے آپ کو دیو مالاؤں میں گم کرنے والی واحد قوم ہندوازم ہے اور اسکا اعتراف بھی کم وبیش کیا جاتا ہے۔ جس منو کا تذکرہ ان کی کتابوں میں کثرت سے ہوا ہے اس منو کو یہ قوم حضرت نوحؑ کی حیثیت سے قطعاً نہیں جانتی۔ لیکن حضرت نوح سے متعلق جو واقعات وحالات اور حادثات وکوائف دیگر مذاہب مثلاً اسلام، یہودیت اور عیسائیت وغیرہ کی مقدس کتابوں میں مذکور ہیں اور یقینی بھی ہیں ان سے ہندوازم کا تعلق رکھنا اور پھر ان کی کتابوں میں ان کا جابجا ذکر ہونا یہ ایک ایسی بیّن شہادت ہے جو ایک گم گشتہ قوم کو حضرت نوحؑ سے منسوب کردیتی ہے۔ اور یہ ظن وتخمین تقریباً یقین کے درجہ میں بدلتا ہوا نظر آتا ہے کہ منو سے حضرت نوحؑ ہی مراد ہوں اور یہ انہیں کی گمراہ قوم ہے۔ اور اگر یہ سچ ہے تو پھر ان کیلئے صحیح نشان راہ بتانے کے اعتبار سے مذکور محقق کو اس گم گشتۂ راہ قوم کا خضر کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا۔

۱۔ اگر اب بھی نہ جاگے تو، ص:۳۴

۲۔ Hindu manners P. 418

۳۔ اگر اب بھی نہ جاگے تو، ص:۳۵

چار اہم طبقات اور ان کے فرائض

ہندو مذہب کے مشہور ترین نمائندہ اور عظیم ترین محقق سوامی وویکانند جی نے ۱۸۹۳ء میں اپنے پیش کردہ مقالہ ہندوازم اے یونیورسل ریلیجین میں ہندوازم کو مقبول عام اور عالمگیر مذہب بتاتے ہوئے خدا پر ایمان، ویدوں پر ایمان اور آواگون پر ایمان کو تمام ہندوؤں میں مشترک بنیادیں قرار دی تھیں اور یہ بانگِ دہل اعلان کیا تھا کہ ان تینوں میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرنے والا فرد ہندو مذہب کا ادنیٰ نمائندہ بھی شمار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ لیکن خود ہندومت کی مقدس کتابیں اور بلند پایہ شخصیتوں کے اقوال وتاثرات اور معاملاتِ زندگی میں ان اصولوں سے انحرافات سوامی جی کے اس اعلان واظہار کو دعویٰ محض ثابت کردیتے ہیں، اس کے برعکس ہندوؤں میں ایک اصول یا ایک بنیاد جس پر تمام ہندوؤں کا اتفاق ہے اور جسے ہر شعبۂ عمل میں روا رکھا جاتا ہے وہ ہے ذات پات کا نظام جسے وَرَنْ آشرم کے نام سے ہندو مذہب میں موسوم کیا جاتا ہے۔

ہندوؤں کے یہاں چار طبقات اہم شمار کئے جاتے ہیں اور ان طبقات کے اس نظام کو انہوں نے ابتداء کائنات سے ہی منسوب کررکھا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی دعویٰ بلا دلیل ہے کہ ان تمام ذاتوں کی پیدائش خالقِ کائنات برہما جی کی ذات سے ہوئی ہے۔ چاروں طبقے مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) برہمن (۲) کھتری، کشتری، چھتری (۳) ویش (۴) شودر۔

ایک ہی ذات (معبود) سے پیدا ہونے والی ان تمام ذاتوں میں ایک دوسرے سے کافی امتیاز برتا جاتا ہے۔ چھوت چھات اور اونچ نیچ حد درجے تک قائم ہے۔ علامہ ابوریحان البیرونی 'اپنی کتاب فی تحقیق ماللہند' میں ان کالبِ لباب پیش کرتے ہیں جسے ذیل میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

۱۔ سب سے اونچی ذات برہمنوں کی ہے۔ جن کے بارے میں ہندوؤں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ برہما کے سر سے پیدا ہوئے تھے اور برہما سے مراد وہ قوت ہے جسے فطرت کہتے ہیں۔ سرجسم کا سب سے بلند حصہ ہے اس لئے برہمن اس نوع کا جوہر اور منتخب حصہ ہیں

اور اسی لئے ہندو ان کو افضل ترین انسان سمجھتے ہیں۔

۲۔ ان کے بعد کشتری (چھتری) طبقہ ہے۔ ہندوؤں کے خیال کے مطابق ان کی پیدائش برہما کے کاندھوں اور ہاتھوں سے ہوئی ہے۔ ان کا مرتبہ برہمنوں کے مرتبہ سے بہت زیادہ کم نہیں ہے۔ تاہم درجہ ومقام کے لحاظ سے آدمیت کے دوسرے درجے پر فائز ہیں۔

۳۔ ان کے نیچے ویش ہیں جو برہما کے ران سے پیدا ہوئے تھے۔

۴۔ شودر برہما کے پیروں سے پیدا ہوئے تھے۔[۱]

ہندوؤں کی مقدس ترین پرانی کتاب رگ وید میں وضاحت ہے کہ برہمن لوگ برہما جی کے منہ، چھتری ان کے بازو اور ویش ان کی رانوں اور شودر ان کے پاؤں سے پیدا ہوئے۔ اور اس سے بالترتیب اچھا برا بتانے والا، بازو سے لڑنے والا، رانوں سے قوت دینے والا اور پاؤں سے خدمت کرنے والا مراد ہے۔ مگر دھرم شاشتر اور پرانوں میں یہ بیان ملتا ہے کہ ہندوؤں کی چاروں ذاتیں فی الحقیقت برہما جی کے جسم کا نتیجہ ہیں۔ اس باب میں اور بھی بہت سی باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بتدریج ہندوستان کے باشندے نہیں ہیں بلکہ کسی زمانے میں پچھم کے طرف سے آئے تھے اور انہوں نے سارے ملک کو زیرنگیں کرلیا اور پہلے سے مقیم باشندگان ملک کو اپنا فرمانبردار بنا کر ان کا نام شودر یعنی خدمت گار رکھا۔ اور اپنے آپ کو ان سے بڑا گردانتے ہوئے لفظ دُج (دوبارہ پیدا کیا ہوا) کا اپنی طرف انتساب کیا۔[۲]

برہمنوں کے دعوی کے مطابق ہندوؤں کے چاروں طبقات برہما جی کے سر، بازو، ران اور پیر سے پیدا ہوئے ہیں اور یہ ان کی کتاب رگ وید سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ ہندوؤں کی مقدس کتابوں اور خود ان کے دعوی کے مطابق ذات پات کے اس نظام کو مبنی برحقیقت تسلیم کرلیا جائے تو یہ سوال ناگزیر طور پر ہر عام وخاص کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں بسنے والی دیگر قدیم قومیں مثلاً یہودی، زردشتی وغیرہ یہ خالق کائنات برہما جی (ہندوؤں کے مطابق) کے کن اعضاء سے پیدا ہوئے یا پھر برہما کے علاوہ کوئی اور بھی خالق ہے جس نے انہیں پیدا کیا۔ حالانکہ ان کی کتاب رگ وید شاہد ہے کہ خالق کائنات صرف ایک ہی ہے کوئی دوسرا نہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت

۱۔ ابوریحان البیرونی، البیرونی کا ہندوستان، ص: ۵۰۔۴۹

۲۔ رائے بہادر ماسٹر پیارے لال آشوب، رسوم ہند باب ۱، ص: ۱

سارے سوالات اٹھ سکتے ہیں۔ مثلاً ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق انسان ابتدائی مرحلے میں بندر تھے۔ ترقی کے منازل طئے کرتے ہوئے انسان بنے۔ تو برہما کے سر اور پیر سے پیدا ہونے والے برہمن اور شودر وغیرہ چاروں ذاتیں بندر ہی پیدا ہوئی تھیں؟ حالانکہ کوئی بھی برہمن یا ہندو اس اصول کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں اور نہ ہی ان کی کتابیں دھرم شاستر اور وید وغیرہ اس کی گواہی دیتی ہیں۔ لہذا یہاں پر لال بہادر ماسٹر پیارے لال کی بات زیادہ قرین قیاس لگتی ہے کہ یہ لوگ اصل میں ہندوستان کے باشندے نہیں ہیں بلکہ کسی زمانے میں پچھم کے اطراف سے آئے تھے..... او کچھ پڑھے لکھے، تجربہ کار اور ہنر یافتہ بھی تھے اس لئے انہوں نے ہندوستان میں قدم رکھتے ہی اپنی برتری فضیلت اور اثر و رسوخ قائم کرنے کے لئے یہاں کے ان پڑھ، جاہل، غریب اور مجبور مفتوحین پر اس طرح کے اصول بیان کئے اور سخت و ناز یبا احکامات ان پر نافذ کر کے ان سے خدمت لینا شروع کر دیا اور طرح طرح کے ظلم اور غلامی کی بندشوں میں انہیں جکڑ کر جانوروں سے بدتر مقام پر پہنچا دیا جس کی بنیاد پر یہ نچلی ذاتیں آج بھی مقام آدمیت سے کوسوں دور نظر آتی ہیں۔ اس موضوع بحث میں ان کے ساتھ ظلم وزیادتی اور بدترین سلوک کا بیان و اظہار قطعاً مقصود نہیں ہے کیونکہ ان کے ساتھ یہ ناروا سلوک کل بھی تھا اور آج تک برقرار ہے اور انہیں اس کا بخوبی احساس ہے۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ ان ذاتوں کی تقسیم کا انتساب خالق کائنات یا ابتدائے کائنات کی طرف بعید از عقل ہے اور آج بھی عقل عام رکھنے والا ہر ذی ہوش اسے حقیقت پر محمول کرنے سے قاصر ہے۔ ماسٹر پیارے لال نے جو بات کہی ہے اسکی تصدیق لاجپت رائے کی تحریر سے بھی بخوبی ہوتی ہے ان کی تحریر ملاحظہ فرمائیں:

''فخر ملک ڈاکٹر رام کرشن گوپال بھنڈارکر جو پران ہندو لٹریچر کی تحقیقات میں آپ ہی اپنی مثال ہیں اور جن کا لوہا اہل یورپ بھی مانتے ہیں، رقمطراز ہیں کہ معتبر ذرائع سے ثابت ہوتا ہے کہ سنہ عیسوی سے چار ہزار سے زیادہ برس پیشتر ایک قوم جس کو آریہ کہا جاتا تھا اور جس کی زبان سنسکرت تھی، شمال ومغرب سے ہندوستان میں داخل ہوئی۔ اول یہ لوگ مشرقی کابلستان اور دریائے سندھ کے کناروں پر آباد ہوئے اور رفتہ رفتہ ملک پنجاب میں پھیل گئے، قدم قدم پر ان کا مقابلہ ہندوستان کے اصلی باشندوں سے ہوا جنہیں رگ وید میں واسیو یاد اس کے نام سے کہا گیا ہے۔ مؤخر الذکر طبقہ آریوں کے دیوتا اندر اور اگنی کی عبادت نہیں کرتا تھا اور ان کے رنگ

بھی سیاہ تھے اس لئے آریہ لوگ ان کو ملیکش کہا کرتے تھے، ان اصل باشندگانِ ہند کو آریہ فاتحان نے شکشت دیکر پہاڑوں اور وادیوں میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور کیا اور خود ان کے ملک پر قابض ہو گئے'' ۱

علاقۂ پنجاب پر ان کے تسلط حاصل کر لینے کے بعد کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے مزید تحریر فرماتے ہیں:

''جس وقت آریہ لوگوں نے پنجاب پر تسلط حاصل کیا تو ان کے تین فرقے تھے، اول وہ لوگ جو دیوتاؤں کی عبادت کیا کرتے تھے اور ان کی تعریف میں نظمیں اور اشلوک بنایا کرتے تھے۔ شروع شروع میں ان نظموں اور اشلوکوں کا نام بھی برہمن تھا۔ بعد ازاں یہ نام اس فرقہ کا ہو گیا جو دیوتاؤں کی پوجا کرتا تھا۔ اس فرقے کے بعد وہ شخص تھے جو جنگ و جدل اور تمدن ملکی میں حصہ لیتے تھے ان کو راجن او ر بعد میں کشتری کہا جاتا تھا۔ علاوہ برہمن اور کشتری کے ایک فرقہ اور تھا اور جس میں پوری آریہ قوم علاوہ ان افراد کے شامل تھی جو عبادت یا جنگ میں مصروف رہتے تھے۔ اس فرقہ کا نام ویش تھا، اس کے علاوہ ہندوستان میں رہ کر آریہ لوگوں نے ایک اور فرقہ کی بنیاد ڈالی اور ان مفتوحین کو جو آریہ لوگوں کی خدمت گذاری پر آمادہ ہو گئے تھے شودر کا نام دیا'' ۲

لاجپت رائے اور ماسٹر پیارے لال کے اقوال کی تصدیق ایک زبردست مشہور و معروف اور معتبر محقق ابو ریحان البیرونی کی تحریر سے بخوبی ہوتی ہے۔ جو انہوں نے قدیم ایرانیوں میں طبقاتی نظام کے تحت بیان کئے ہیں۔ ان کے بقول ایران میں بھی اسی طرح کے چار طبقے پائے جاتے تھے جو ایک ضروری سماجی اصول کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ چونکہ آریہ قوم بھی ایران کے اطراف سے ہی ہندوستان میں داخل ہوئی تھی نیز وہاں کے طبقاتی نظام سے وہ متأثر تھی اور وہ چاروں متعینہ طبقے بھی ذہن میں محفوظ تھے اس لئے انہوں نے یہاں قدم جماتے ہی بالکل اسی نہج پر چار طبقے تشکیل دیئے۔ خود کو اول مقام پر رکھا اور یہاں کے غریب، ناتواں اور مجبور قسم کے لوگوں کو آخری درجہ میں ڈالدیا۔ البیرونی کی تحریر ملاحظہ فرمائیں جس میں انہوں نے ایرانیوں کے طبقاتی نظام کا تعارف کرایا ہے:

۱۔ لاجپت رائے، ہندومت جلد اول، ص،۱۵۹۔ مئی، جون ۱۹۹۱ء

۲۔ ہندومت جلد اول، ص: ۱۶۰

''قدیم ایران کے بادشاہوں (خسرواں) کی تاریخ کے مطالعہ سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ انہوں نے بھی طبقاتی نظام قائم کیا تھا اور انہوں نے اس سلسلے میں ایسے مضبوط انتظامات کئے تھے جو نہ کسی فرد کی خصوصی کارگذاری کے صلے میں ٹوٹ سکتے تھے اور نہ رشوت سے۔ یہاں تک کہ جب اردشیر ابن بابک نے سلطنت فارس کو دوبارہ قائم کیا تو ان طبقات کو بھی ازسرِ نو بحال کیا۔ یہ طبقات اس طرح تھے۔

۱۔ پہلا طبقہ رئیسوں اور شاہی خاندان پر مشتمل تھا۔

۲۔ دوسرا طبقہ عابدوں، آگ کے خادموں اور وکلاء کا تھا۔

۳۔ تیسرا طبقہ اطباء، نجومیوں اور عالموں کا تھا۔

۴۔ چوتھے طبقے میں کسان اور دوسرے اہل حرفہ تھے''[۱]

برہمنوں نے بھی اپنی اس تقسیم کے ساتھ ہر طبقے کے لئے کچھ ذمہ داریاں عائد کی تھیں اور کچھ غیر مناسب انسانیت سوز ناروا احکام نافذ کئے تھے جس کا طلسم آج ٹوٹتا ہوا نظر آتا ہے۔ خصوصاً ہندوستان میں اسلام کی آمد سے ہی انسانیت سوز احکام کا زور ٹوٹنا شروع ہوگیا تھا اور آج قرآن کے تصور مساوات کا مشاہدہ ساری دنیا کر رہی ہے کہ یہی ملیکش، جاہل اور شودر وغیرہ جو ان کے غلام تھے آقا بنے بیٹھے ہیں اس کا جیتا جاگتا ثبوت صد جمہوریہ کے آرنارائن، جمہوری حکومت اور پارلیمنٹ کی بکثرت سیٹیں ہیں جو انسانی مساوات کی شہادت پیش کررہی ہیں، جس کا اعلان رسولِ اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر تمام عالم انسانیت کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

اَلاَ اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ اٰبَائَکُمْ وَاحِدٌ، اَلاَ لاَ فَضْلَ لِعَرَبِیٍ عَلٰی اَعْجَمِیٍ وَلاَ لِعَجَمِیٍ عَلٰی عَرَبِیٍ وَلاَ لِاَحْمَرُ عَلٰی اَسْوَدُ وَلاَ لِاَسْوَدُ عَلٰی اَحْمَرُ اِلاَّ بِالتَّقْوٰی۔[۲]

(جان لو یقیناً تم سب کا رب ایک ہی ہے اور ایک ہی باپ کے بیٹے ہو، کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر اور کسی سرخ کو کالے پر اور کسی کالے کا سرخ پر کوئی فوقیت نہیں، ہاں فرق ہے تو تقویٰ کے اعتبار سے۔)

۱۔ علامہ ابوریحان البیرونی، فی تحقیق ماللہند، ص: ۴۹

۲۔ احمد بن حنبل، ۵:

اول درجہ برہمن

اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے برہمن کی زندگی کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور یہ آشرم کہلاتا ہے۔

(۱) برہم چاریہ آشرم (۲) گرہست آشرم (۳) بان پرست آشرم (۴) سنیاس آشرم۔

ابتدائی مرحلہ حصولِ علم کا ہے۔ دوسرا مرحلہ خانہ داری کا ہے، تیسرا مرحلہ دنیا اور اسباب دنیا سے لاتعلقی برتنے کی عادت سے موسوم ہے اور چوتھا سنیاسی یا سادھو کی زندگی بسر کرنے سے عبارت ہے۔

البیرونی نے ان چاروں آشرموں کی تشریح قدرے وضاحت کے ساتھ کی ہے۔ اسے ذیل میں حوالۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

پہلا حصہ برہم چریہ آشرم

برہمن کی زندگی اس کی عمر کے سات سال گذرنے کے بعد چار حصوں میں تقسیم ہوجاتی ہے۔ پہلا حصہ آٹھویں سال سے شروع ہوتا ہے........ اول اسے اس کے فرائض سے واقف کرانے کے بعد اس کے کمر میں زنار باندھتے ہیں اور گلے میں ایک جنیو پہناتے ہیں جو مضبوط دھاگے کے نوعدد تاروں سے بٹی ہوئی ہوتی ہے اور ایک تیسری کپڑے کی بنی ہوئی ہوتی ہے جس کو وہ بائیں کاندھے پر رکھ کر دائیں بغل کے نیچے لے آتا ہے، اس کو ایک لکڑی دی جاتی ہے جس کو وہ تھامے رہتا ہے اور گھاس کی ایک انگوٹھی جس کا نام 'دربھی' ہے اس کے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہنادی جاتی ہے۔ اگر اس انگوٹھی کو اتار دے تو بغیر روزے یا صدقے کا کفارہ ادا کئے پاک نہیں ہوسکتا۔

پچیسویں سال تک برہم چاریہ آشرم میں رہتا ہے (وشنو پران کے مطابق اڑتالیس ہے) اس حصے میں واجب ہے کہ زہد اختیار کرلے، دن رات استاد کی خدمت کرے، وید اور اس کی تفہیم وتشریح میں مشغول رہے۔ ہر روز تین مرتبہ غسل کرے، اور صبح وشام آگ کی قربانی کرے۔ قربانی کے بعد استاد کو سجدہ کرے۔ ایک دن روزہ رکھے ایک دن افطار کرے اور گوشت سے قطعاً پرہیز کرے۔ استاد کے گھر رہے اور وہاں سے

صرف ایک مرتبہ دوپہر یا شام کے وقت صرف پانچ گھروں سے سوال کرنے اور بھیک مانگنے کو باہر نکلے اور پہلے استاد کے سامنے لاکر رکھے تاکہ وہ جو چاہے اپنے لئے پسند کرے...........

دوسرا حصہ گرہست آشرم

دوسرا حصہ پچیس سے پچاس سال کی عمر پر مشتمل ہے لیکن بشن پران میں بجائے پچاس کے ستر سال تک ہے۔ اس میں استاد اسے گھر بسانے کی اجازت دیتا ہے کہ شادی کرے، گرہستی کی زندگی اختیار کرے اور بیوی سے ایام معمول میں صرف ایک ہی بار ہمبستر ہو۔ برہمن کے لئے ایسی عورت سے شادی کرنا جائز نہیں جس کی عمر بارہ برس سے زیادہ ہو۔

تیسرا حصہ بان پرست آشرم

یہ پچاس سے پچھتر برس تک ہے لیکن بشن پُران میں پچھتر سے نوے سال ہے، اس دور میں ترک دنیا کرکے خانہ داری کی زندگی سے باہر نکل آتا ہے اور انتظام خانہ داری اور جورو کو اگر وہ اس کے ساتھ صحراء میں رہنا پسند نہ کرے تو اولاد کے سپرد کردیتا ہے۔ آبادی سے باہر زندگی بسر کرتا ہے۔ چھت کے نیچے نہیں رہتا اور بستر کے بغیر سوتا ہے۔ اور صرف پھل، ساگ، پات اور ان کی جڑیں کھاتا ہے۔ بال بڑھا لیتا ہے اور اس میں تیل نہیں لگاتا۔

چوتھا حصہ سنیاس آشرم

یہ حصہ آخر عمر تک رہتا ہے، اس دور میں سرخ رنگ کا کپڑا پہنتا اور ہاتھ میں سونٹا رکھتا ہے۔ دل کو دوستی ودشمنی سے پاک اور خالی کرنے میں اور حرص وشہوت اور غضب کو ذہن سے دور کرنے میں متوجہ ہوجاتا ہے۔ کسی شخص کی صحبت اختیار نہیں کرتا۔ گاؤں میں ایک دن اور شہر میں پانچ دنوں سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتا۔ کوئی شخص کچھ دے تو اس میں سے کل کے لئے کچھ نہیں رکھ سکتا۔ دوبارہ دنیا کی طرف رجوع نہیں کرسکتا اور نہ ہی کسی سے کوئی سروکار رکھ سکتا ہے۔[1]

۱۔ ہندو دھرم ہزار برس پہلے، ص: ۱۹۵۔۱۹۴

دوسرا درجہ کشتری، ان کے فرائض اور ذمہ داریاں

چھتری وید پڑھ اور سیکھ سکتا ہے لیکن اس کی تعلیم نہیں دے سکتا اور آگ کی قربانی کرسکتا ہے۔ پُران کے احکام پر عمل کرسکتا ہے، اسے لوگوں پر حکومت کرنا اور ان کی (برہمن) طرف سے جنگ لڑنا چاہئے اسلئے کہ وہ اسی کے واسطے پیدا کیا گیا ہے اور پورے بارہ برس کی عمر ہونے پر اس کو ایک تین دھاگے کی اور ایک موٹے کپڑے کی جنیو پہننا چاہئے[۱]

تیسرا درجہ ویش

ویش کا کام یہ ہیکہ کاشت کاری کرے، مکان بنائے، مویشی کی رکھوالی کرے اور برہمنوں کی حاجتیں پوری کرے۔ اسے دو دھاگے کا صرف ایک جنیو پہنے کی اجازت ہے[۲]

چوتھا درجہ شودر

شودر کی حیثیت برہمن کے غلام کی ہے۔ اسے ہر وقت برہمن کے کاموں میں مصروف رہنا اور خدمت کرنا چاہئے۔ ہر وہ کام جو برہمن ہی کے لئے مخصوص ہے (جیسے مالا جپنا، وید پڑھنا اور آگ کی قربانی) شودر کے لئے ممنوع ہے۔ اگر شودر یا ویش کے متعلق یہ ثابت ہوجائے کہ اس نے برہمنوں والا کام کیا ہے تو برہمن اس کی اطلاع حاکم کو دے گا اور حاکم اس کی زبان کاٹ لے گا۔ البتہ صدقہ دینا اور نیک کام کرنے پر پابندی نہیں ہے[۳]

برہمنوں کو شودر مردوں سے جنگ کرانا اور ان کے سامنے وید پڑھنا جائز نہیں ہے انہیں دھرم شاشتر بنانا اور پراشچت کے طور سے بھی آگاہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ شودروں کو اپنے آقا کا جھوٹا کھانا اور اس کا اترا ہوا کپڑا پہننا لازم ہے۔ برہمنوں کو شودروں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا نہ کھانا چاہئے۔ شودروں کو دولت جمع کرنا بھی منع ہے، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ انہیں دولت

۱۔ ایضاً، ص:۱۹۹
۲۔ ایضاً، ص:۱۹۹
۳۔ ایضاً، ص:۲۰۰

پر غرور ہو جائے اور وہ برہمنوں کو ستانے لگیں۔ اگر شودروں سے کوئی قصور ہو جائے تو اس کے واسطے نہایت سخت سزا مقرر ہے۔ دھرم شاستر میں لکھا ہے کہ وہ اپنے سے اونچی ذات کے کسی بھی آدمی کو گالی دے تو اس کی زبان چھید دینی چاہئے۔[1] شودر کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا اگر کوئی برہمن کھالے تو اس گناہ کے عوض اسے کئی دنوں تک پھیکے دلئے کے سواء اور کچھ نہ کھانا چاہئے۔[2]

نیچی ذات والا یعنی شودر اگر اونچی ذات والے کا پیشہ اختیار کرتا ہے تو راجہ اس کی دولت چھین کر اسے ملک بدر کر دے۔[3] شودر کو نیک صلاح نہیں دینی چاہئے۔[4]

یہ چاروں ذاتیں ابتدائی دور کی تھیں لیکن جیسے جیسے عرصہ گذرتا گیا ان ذاتوں میں سے خصوصاً نچلی ذاتوں میں بیداری بھی پیدا ہوتی گئی اور نتیجتاً انہوں نے ان ذلت آمیز اصولوں کے بندھن کو توڑ کر باہر نکلنا شروع کر دیا جس سے فروق و امتیازات بڑھتے رہے اور بے شمار ذاتوں کی بنیادیں بھی پڑتی رہیں جن کا احاطہ تعارف کے ساتھ ناممکن ہے۔ لہذا ایسی صورت میں ان کی تعداد پر ہی اکتفا کرنا زیادہ مناسب ہے:

نمایاں ہندو ذاتوں کی تعداد دو ہزار ہے مگر ان دو ہزار ذاتوں کی شاخیں یعنی ضمنی ذاتیں کم سے کم انیس ہزار ہیں اور زیادہ سے زیادہ پچیس ہزار تک بتائی جاتی ہیں۔[5]

۱۔ رائے بہادر ماسٹر، رسومِ ہند، ص: ۴

۲۔ رسومِ ہند، ص: ۵

۳۔ رگوید، ۱۴/۵۳/۳

۴۔ رگوید، ۱۱۰/۷۰/۸

۵۔ سنگمن کا مذاہب عالم نمبر، ص: ۱۳۷

ہندومت کی مقدس کتابیں

ہندوازم کی مقدس کتابوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے (۱) شروتی (۲) اسمرتی
شروتی کے معنی سنے ہوئے اور اسمرتی کے معنی یاد کئے ہوئے کے ہیں۔

۱۔ شروتی یہ وہ سچائیاں ہیں جن کا فضا میں بکھری ہوئی حقیقتوں کے طور پر زمانہ قدیم کے رشی اور منیوں نے ادراک کیا تھا۔ چنانچہ چاروں وید جنہیں ہندوازم قدیم صحیفہ شمار کرتا ہے شروتی کہے جاتے ہیں۔ یہ کتابیں ان کے عقیدے کے اساسی اور مستند مصادر و مراجع کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۲۔ اسمرتی یہ وہ سچائیاں ہیں جس کا اظہار رشیوں، منیوں او سچے عالموں کے ذریعے ہوا۔ ویدوں کے علاوہ تمام الہامی کتابوں کا شمار اسمرتی میں کیا جاتا ہے۔ ان میں زیادہ تر کہانیاں اور کہاوتیں عبادت کی رسمیں اور فلسفیانہ رود ادیں وغیرہ بیان کی گئی ہیں۔

وید

وید کے معنی اس چیز کو جان لینا ہے جو پہلے سے معلوم نہ تھی۔[۱] وید کے معنی علم اور گیان کے بھی ہیں۔[۲] ہندوؤں کے نزدیک وید بھی دیگر آسمانی کتابوں (تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید) کی طرح خدا کا کلام یا کتاب اللہ ہے۔
رادھا کرشنن کے بقول: آج انسان عقل و خرد اور فہم و دانش کے جس معیار پر پہنچا ہوا ہے وید اس کے اولین اوصاف و مظاہر کے علمبر دار ہیں۔[۳]

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وید برہما کے منہ سے نکلا ہے۔ برہمن اس کا مطلب سمجھے بغیر اسے پڑھتے اور زبانی یاد کرتے ہیں اور اسی طرح ایک دوسرے تک منتقل ہوتا رہتا ہے۔ ان میں سے بہت ہی کم لوگ ہیں جو اس کی تفسیر و توضیح اور مطالب و مفاہیم سے واقف

۱۔ البرونی کا ہندوستان، ص:۶۳
۲۔ ہندوازم جلد ۱، ص: ۱۵
۳۔ Radha Krishan, Indian philosophy voy 1, p.63

ہیں۔ اور عوام کی حالت یہ ہے کہ اس کی تعداد حتیٰ کہ پہلی وید سے بھی نابلد ہیں۔ نیز ان کے ننانوے فیصد افراد نے تو اپنی مقدس اور اساسی کتاب (وید) کی شکل تک نہیں دیکھی۔ طبقاتی امتیاز کی بنیاد پر کچھ لوگوں پر وید کے پڑھنے اور سیکھنے پر پابندی عائد ہے۔ برہمن چھتری کو وید کی تعلیم دے سکتا ہے لیکن چھتری کو اجازت نہیں کہ وہ کسی اور کو اس کی تعلیم دے خواہ برہمن ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح ان کی عورتوں پر بھی پابندی ہے کہ وہ نہ ہی پڑھ سکتی ہیں اور نہ ہی تعلیم دے سکتی ہیں (کیونکہ وہ ناپاک ہیں) ویش اور شودروں کو وید سننے تک کی ممانعت ہے۔ اگر یہ جرم ثابت ہو جائے کہ کسی ویش یا شودر نے وید پڑھا ہے تو اسے حاکم کے سامنے کیا جاتا ہے اور اس جرم کے پاداش میں سزا کے طور پر اس کی زبان کاٹ دی جاتی ہے۔[1]

ویدوں میں زیادہ تر بھجنوں اور مختلف قسم کی آگ کی قربانیوں کا ذکر ہے۔ اور اوامر ونواہی اور جزاء وسزاء کا بھی کچھ حد تک بیان ہے تاکہ لوگ نیک کاموں کی طرف رغبت اور برے کاموں سے اجتناب کریں۔ وید کی حقیقت کیا ہے؟ کلام الٰہی یا منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ کہاں تک درست ہے اس پر آگے بحث کی جائے گی۔ یہاں صرف وید کے مقدس کتاب ہونے کی حیثیت سے اس کا مختصر سا تعارف مقصود ہے۔

وید چار حصوں پر مشتمل ہے۔

(۱) رگ وید (۲) یجر وید (۳) سام وید (۴) اور اتھر وید

لیکن وشنو پران سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وید حقیقت میں ایک ہی تھا[2] لہٰذا ان سب کے مضامین سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رگ وید سے ہی حذف واضافہ کے ساتھ تین اور جدا جدا وید مرتب کردئے گئے۔ اور پھر یہ سلسلہ شروع ہوا تو کوئی روکنے والا نہ رہا یہاں تک کہ مہامنی پتنجلی کے زمانے میں وید کی تعداد گیارہ سو اکتیس تک پہنچ گئی۔ یجر وید کے ایک سو ایک نسخے، سام وید کے ایک ہزار نسخے، رگوید کے اکیس نسخے اور اتھر وید کے نو نسخے بتائے جاتے ہیں۔ سوامی دیانند سرسوتی نے بھی اس تعداد کو تسلیم کیا ہے لیکن کچھ تامل کے ساتھ انکا کہنا ہے کہ اصل وید تو چار ہی ہیں۔ اور بقیہ تمام ویدوں کی شرحیں ہیں۔ لیکن

۱۔ فی تحقیق ماللہند، ص:۹۶
۲۔ سید حامد علی، وید کا تعارف، ص:۵

محمد فاروق خاں نے اپنی کتاب 'وید کا تعارف' میں سوامی جی کی وضاحت کی نامعقولیت واضح کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ ان کا جواب صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ شاکھاؤں کو شروح قرار دینے کے لئے ثبوت نہیں ملتا۔ دوسرے یہ کہ خود چاروں وید جن کو سوامی جی وید قرار دیتے ہیں انہیں شاکھاؤں میں شامل ہیں۔ یہ شاکھائیں حقیقت میں ویدوں کے مختلف نسخے ہیں۔[۱]

ان چاروں ویدوں میں تین کو اہمیت حاصل ہے اور ایک کو غیر مستند سمجھا گیا ہے۔ اتھر وید کا ذکر ان کی مستند کتابوں میں کہیں نہیں ملتا (ویسے تو ویدوں نے بھی اپنے آپ کو وید کے نام سے کہیں موسوم نہیں کیا ہے، یعنی رگوید، یجروید سام وید اور اتھر وید کی اصطلاح نہیں ملتی) بقول محقق موصوف کے:

''اتھر وید کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ ویاس منی نے باقی ویدوں سے ان منتروں کو الگ الگ کرلیا جو اتھر وید اور انگرا خاندان کے رشیوں کے ذریعہ سے پرکٹ ہوئے تھے اور ان کو لے کر کتاب میں جمع کر دیا جن کا نام اتھر وید پڑا''[۲]

ایک طویل عرصہ گذر جانے کے باوجود بھی یہ مقدس کتابیں تحریری شکل میں نہیں آئی تھیں۔ گمان کیا جاتا ہے کہ آریہ قوم کے وسط ایشیا سے ہندوستان آنے کے بعد سندھ کے علاقے میں اس کی تصنیف کی گئی ہے جیسا کہ رگوید کی بعض نظموں سے اندازہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ان نظموں میں ان علاقوں کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ راما شنکر ترپاٹھی' قدیم ہندوستان کی تاریخ' میں لکھتے ہیں:

''دریا سرسوتی جواب خشک ہوگیا ہے۔ بہت سے مؤثر گیتوں کی محرک ہے، ان حوالوں سے بڑی آسانی سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ آریہ ان دریاؤں سے سیراب ہونے والے تمام علاقے میں پھیلے ہوئے تھے اور اسی علاقے میں انہوں نے رگ وید کی بیشتر نظمیں تصنیف کیں۔ اسی طرح دریائے گنگا اور جمنا کا ذکر دو یا تین جگہ آیا ہے''[۳]

لہٰذا اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وید مکمل طور پر اگر نہیں تو کچھ اجزاء یقیناً آریوں کے ہند میں ورود کے بعد علاقہ پنجاب میں مرتب ہوئے۔ تحریری شکل میں آنے سے

۱۔ وید کا تعارف، ص:۶
۲۔ ایضاً، ص:۶
۳۔ قدیم ہندوستان کی تاریخ، ص:۵۵

قبل اسے لوگ بذریعہ حفظ محفوظ رکھتے تھے اور اسی طرح یہ سینہ بسینہ ایک دوسرے تک منتقل ہوتا تھا۔ ان کے یہاں اسے تحریری شکل میں لانا جائز نہیں تھا۔ ابو ریحان البیرونی اپنی کتاب فی تحقیق ماللہند میں اس کی توجیہہ کرتے ہیں:

''ہندو اپنی کتاب مقدس (ویدوں) کو تحریر میں لانا جائز نہیں سمجھتے کیونکہ یہ ایک خاص لحن کے ساتھ پڑھی جاتی ہے اور لحن کو تحریر میں لایا نہیں جا سکتا ہے''۔[1]

ان اصولوں کے قیام میں جب انہیں دشواریاں پیش آنے لگیں اور ان کے ضائع ہو جانے کا خدشہ ہی نہیں بلکہ تمام رسوم وروایات کالعدم ہوگئیں اور ساتھ میں وید بھی تقریباً نیست ونابود ہو چکا تو پراشر کے بیٹے ویاس نے وید کو از سر نو دوبارہ زندگی بخشی۔ البیرونی کی تحریر ملاحظہ فرمائیں:

''ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ گذشتہ دو پر ایگ (زمانے) میں جب تمام دینی اور دنیوی رسوم مٹیں تو انہیں کے ساتھ وید بھی مٹ گئے تھے.....تو پراشر کے بیٹے ویاس نے از سر نو وید کی تجدید کی تھی''۔

ویاس نے وید کو چار حصوں میں تقسیم کیا، ان چاروں کی قرأتیں الگ الگ طریقے سے کی جاتی ہیں۔

<u>پہلا حصہ رگ وید</u>

یہ ایسے وزن میں ہے کہ جسے 'رگ' کہا جاتا ہے۔ جس کے ارکان غیر مساوی ہیں۔ اس کا رگ وید نام بھی اسی لئے رکھا گیا چونکہ یہ پوری کتاب رگ وزن پر ہی ہے۔ اس میں آگ کی قربانیوں کے احکامات منتروں کی شکل میں ہیں اسے پڑھنے کے تین طریقے ہیں:

۱۔ جس طرح عام کتابیں پڑھی جاتی ہیں بالکل اسی طرح سیدھے سادہ طریقہ پر۔
۲۔ ہر لفظ کو ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھا جائے۔
۳۔ اولا ایک چھوٹا سا ٹکڑا پڑھا جائے صاف صاف ٹھہر ٹھہر کر، پھر دوبارہ اسے پڑھے اگلے ٹکڑا کے ساتھ ملا کر پھر اس آخری ٹکڑے کو اگلے ٹکڑے کے ساتھ ملا کر

۱۔ فی تحقیق ماللہند، ص:۹۶

پڑھے۔ یہ آخری طریقہ سب سے بہتر اور افضل مانا گیا ہے۔

دوسرا حصہ یجروید

یجروید 'کانڈن' قسم کی نظم میں ہے۔ یہ ایک مشتق لفظ ہے جس کے معنی کانڈ[۱] کا مجموعہ ہے، یجروید اور رگوید کے درمیان فرق یہ ہے کہ یجروید کو اتصال اور روانی کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے، جب کہ رگوید کو اس طرح پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، رگوید کی طرح اس میں بھی آگ اور قربانی کے اعمال بیان کئے گئے ہیں۔

تیسرا حصہ سام وید

سام وید میں قربانیوں کے احکام کے علاوہ اوامرونواہی کا بیان بھی ہے اور اسے گانے اور بھجنوں کے انداز میں پڑھا جاتا ہے اور اس کا نام بھی اسی لئے رکھا گیا ہے کیونکہ سام کے معنی ہیں خوش الحانی کے۔ اس وید میں ۷۶ اشلوک ایسے ہیں جو رگ وید میں نہیں ہیں لیکن ویدک عقیدہ و مسلک کو سمجھنے کے لحاظ سے بہت اہم شمار نہیں کئے جاتے ہے[۲]

چوتھا حصہ اتھروید

اتھروید میں سدھی کے احکام بیان کئے گئے ہیں، اس کی نظمیں پہلے دونوں ویدوں کی نظموں سے مختلف ہیں اور اس قسم کی نظم کو بھار کہا جاتا ہے۔ یہ ناک سے آواز نکالنے کے انداز میں پڑھی جاتی ہے۔ تینوں ویدوں کے مقابلے میں اس کی طرف ہندوؤں کی توجہ کم ہے۔ لیکن اس میں بھی آگ کی قربانیوں کے علاوہ میت اور میت کے جو احکام ہیں انہیں بیان کیا گیا ہے[۳]

پھر ان چاروں ویدوں میں سے ہر ایک کے چار حصے کئے گئے ہیں۔ اور یہ چاروں حصے بڑے اہم شمار کئے جاتے ہیں۔ یہ حصے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ منتر یہ خدا کی تعریف اور ثنا میں حمدیہ گیت ہے۔ اسے سمہتا بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ برہمنا:۔ یہ منتروں کی تشریحات ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ان میں رسمِ قربانی کی تفصیلات بھی ملتی ہیں۔

۱۔ کانڈ کے معنی، کتاب حصہ، باب

۲۔ A.A. Macdonal, Vedic mythology Ed. 1st, 1898, Reprias. 1974, 1981, Delhi p.5

۳۔ نئی تحقیق بالہند، ص: ۹۹

۳۔ آرنیک:۔ان میں گیان، دھیان کی تفصیلات ہیں۔
۴۔ اپنشد:۔ (یا پوشیدہ تعلیمات) رسوم اور شعائر سے الگ ہٹکر ان میں کائنات اور انسان کے رشتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اپنشدوں کی تعلیمات کو ویدانت بھی کہتے ہیں، انت بمعنی اختتام کے ہیں یعنی اس حصے پر ویدوں کا اختتام ہوا یہ ویدانت روحانی سچائیوں سے بھری پڑی ہے۔ اور یہ نام دو وجہوں سے موسوم ہے، پہلی وجہ زمانی یا وقتی ہے یعنی اس حصے پر ویدک تصنیفات کا اختتام ہوجاتا ہے اور دوسری وجہ فکری ہے یعنی جو فکر یا تعلیم ویدک لٹریچر کے ابتدائی حصے میں موضوع بحث بنی ہے اس کو یہاں معراج مل جاتی ہے۔ صدیوں پر محیط ہندو ادب کا بیشتر حصہ انہیں اپنشدوں کے بلند خیالات کی تشریحات ہیں۔[1]

ویدکا زمانہ

وید کے وجود میں آنے کے سلسلے میں قدرے اختلافات ہیں۔ بعض تو اسے ازلی اور ابدی تسلیم کرتے ہیں اور بعض نے اس کا زمانہ زیادہ سے زیادہ ۱۳۰۰ قبل مسیح مانا ہے۔ ازلی اور ابدی قرار دینے والوں میں آریہ سماج کے سربراہ سوامی دیانند سرسوتی ہیں اور اسی طرح سوامی وویکانند بھی بغیر ثبوت وقرائن کے اسے ازلی اور ابدی تسلیم کرتے ہیں۔[2] حالانکہ یہ ان کا خود ساختہ خیال اور زعم باطل ہے جس سے کوئی بھی محقق اتفاق نہیں کرتا۔

میکڈانل اس کے وجود میں آنے کے سلسلے میں اپنی تحقیق پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وید کا زمانہ ۱۳۰۰ قبل مسیح ماننا زیادہ صحیح ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اوستھا اور رگ وید کی زبان میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا اور اوستھا کا زمانہ تخلیق ۸۸۰ قبل مسیح مانا جاتا ہے اس لئے رگوید کا زمانہ ۱۳۰۰ قبل مسیح ماننا مناسب ہے۔ میکڈانل کی اس رائے کو مشہور ترین مؤرخ ومحقق یعقوبی کی تائید وحمایت حاصل ہے۔[3]

ریورینڈ ایمرسن اور میکس مولر دونوں ہی ہزار سے بارہ سو قبل مسیح تک کا زمانہ ہی

۱۔ Dr. Karam Singn, Religions of indin P.69
۲۔ ہندوازم، ص:۲۶
۳۔ ہندوازم، ص:۲۶

ویدوں کے وجود میں آنے کا تسلیم کرتے ہیں[1]

اوستھا اور وید کی زبان کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے مغرب کے علماء نے ویدوں کا زیادہ سے زیادہ تین ہزار سال قبل مسیح کا زمانہ مانا ہے۔ یعنی ویدک دھرم کے آغاز کے ساتھ ہی ویدوں کے وجود کو بھی تسلیم کیا ہے۔

وید میں گاتھا کا تذکرہ ملتا ہے جو زرتشتی تعلیمات کا اولین حصہ ہے۔ تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گاتھا وید سے پہلے زمانے میں لکھے گئے۔ اسی طرح وید میں پرانم یا جو شاساہ کا ذکر ہے جو پارسی مذہب کی کتاب زنداوستھا کا حصہ ہے، اس کے بر خلاف زرتشتی کتابوں میں ویدوں یا دیگر ہندوؤں کی دوسری کتابوں کا تذکرہ نہیں ملتا ہے[2]

<u>پران</u>

پران کے معنی قدیم یا ابدی کے ہیں۔ پرانوں کی تعداد اٹھارہ ہے اور ان میں اکثر کے نام انسانوں، جانوروں اور فرشتوں کے نام پر رکھے گئے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان میں یا تو ان ہی انواع کے حالات بیان کئے گئے ہیں، یا کتاب کے مضمون کا اس نوع سے کوئی تعلق ہے یا پھر ان کے مخفی سوال کا کوئی جواب اس میں موجود ہے۔

پران کو جن انسانوں نے تصنیف کیا وہ رشی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ کل پران اٹھارہ ہیں انکی فہرست مختلف ناموں کے ساتھ ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

۱۔ .... آدمی پران یعنی سب سے پہلی
۲۔ .... متھیا پران .... مچھلی
۳۔ .... کرما پران .... کچھوا
۴۔................ وارھا پران .... سور
۵۔ .... نرسمہا پران .... شیر کے سر والا انسان
۶۔ .... وامن پران .... بونا (پستہ قد)
۷۔................ وایو پران .... ہوا

۱۔ وید کا تعارف، ص:۱۱

۲۔ وید کا تعارف، ص:۱۲

۸۔............... تندا پران............ مہادیو کا خادم

۹۔ .... سکند پران........... مہادیو کا بیٹا

۱۰۔ .... آدیتہ پران......... سورج

۱۱۔ ....سوما پران............ چاند

۱۲۔ ....ساما پران .... وشنو کا بیٹا

۱۳۔.............برہمانڈ پران......... آسمان

۱۴۔............. تارکشیہ پران .... ہما پرندہ

۱۶۔ ....وشنو پران .... نارائن

۱۷۔.............برہما پران .... فطرت جو دنیا کی بقا کی ذمہ دار ہے

۱۸۔ .... بھوشیہ پران .... مستقبل

اس وقت ان تمام اٹھارہ پرانوں میں سے شاید کوئی ایک بھی مکمل طور پر موجود نہیں صرف ان کے نام باقی رہ گئے ہیں۔ البتہ دوچار کے کچھ اجزاء باقی ہیں، ابو ریحان البیرونی جو محتاج تعارف نہیں اپنی کتاب فی تحقیق ماللہند میں ان پرانوں کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:

''میں نے ان تمام پرانوں میں سے صرف متھیا، آدتیہ اور وایو کے کچھ اجزاء کے سواء کچھ نہیں پایا''۔[۱]

رامائن

اس کتاب میں رام کی کہانی ہے جو راکششوں کے راجہ روان کو شکست دیکر زمین پر حق اور سچائی کی حکمرانی قائم کرتے ہیں۔ رام کو بھگوان وشنو کا اوتار مانا جاتا ہے اور ان کے نام کے جاپ کو ایک اہم وظیفہ خیال کر کے ہندو ازم میں خاص اہمیت دی گئی۔ اس کے علاوہ ہر اچھے، بُرے اور خوشی و غمی کے موقع پر رام رام کا لفظ مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر غیر ارادی طور پر ان کی زبانوں سے ادا ہوتے ہیں۔

مہابھارت

مہابھارت ایک عظیم جنگ کی داستان ہے۔ بدی کے علم بردار کوروجن کی تعداد

۱۔ فی تحقیق ماللہند، ص:۱۰۱/۱۰۰

تقریباً سوتھی اور نیکی کے علم بردار پانڈو جو حق پر تھے لیکن تعداد ان کی نہایت کم تھی۔ یہ گنتی کے صرف پانچ تھے۔ یہ لوگ باہم حق و باطل کی جنگ کے لئے ایک دوسرے کے مدِ مقابل آتے ہیں۔ لیکن شری کرشن جو بھگوان وشنو کے دوسرے اوتار مانے جاتے ہیں ان کی حوصلہ افزائی اور تعلیم و تلقین سے پانڈوؤں کو ان کے بھائی کوروں پر جو باطل کی راہ پر تھے فتحیابی نصیب ہوتی ہے۔ یہ دونوں کتابیں رامائن اور مہابھارت کو ہندوؤں کے یہاں اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی ہے کہ عام ہندو اسے ہندو ازم کی اساسی اور بنیادی کتابیں قرار دیتے ہیں اور بجائے اپنی مقدس کتاب وید کے اسی سے اخلاقیات کا درس حاصل کرتے ہیں اور اسی میں اپنا آئیڈیل تلاش کرتے ہیں۔ یہ پراشر کے بیٹے ویاس کی تصنیف ہے۔ اس کتاب کا نام خود اس کے زمانے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ اٹھارہ حصوں پر مشتمل ہے اور پوری کتاب میں ایک لاکھ اشلوک ہیں۔

بھگود گیتا

بھگود گیتا کے معنی ہوتے ہیں بھگوان کے گیت، ہندوؤں کے یہاں اسمرتی یعنی الہامی کتابوں میں اسے سب سے زیادہ فوقیت دی جاتی ہے۔ یہ کتاب مہابھارت کا ایک حصہ ہے۔ کوروں اور پانڈوؤں کی جنگ کے موقع پر پانڈوؤں کے بھائیوں میں سے ایک کے دل میں یہ بات (شک) پیدا ہو جاتی ہے کہ گرچہ میں حق پر ہوں پھر بھی وہ تو میرے بھائی ہی ہیں، لہذا اپنے ہی لوگوں کے خلاف جنگ کیوں لڑی جائے؟ بھگوان کرشن اسی شک و تذبذب کے ازالہ کے لئے میدانِ جنگ میں عملِ انسانی کی اخلاقی اور فلسفیانہ پیچیدگیوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اور باطل سے جنگ کو ناگزیر ضرورت ثابت کر کے انہیں میدان جنگ میں اترنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ کتاب کا پورا متن ایک طویل مکالماتی خطاب ہے۔ انسانوں کو تعلیم دیتی ہے کہ ہر شخص کو ہر حال میں انجام سے بے فکر ہو کر اپنے فرائض ادا کرنے چاہئیں۔ ہر انسان کو اپنے فریضے کی ادائیگی اور عمل کی دعوت گیتا کی بنیادی تعلیمات ہیں۔

یہ گیتا کا مثبت پہلو تھا اور منفی پہلو یہ ہے کہ گیتا حقیقت میں ایک لاینحل معمہ ہے۔ چونکہ اس کی تعلیم میں اکثر بے ربطی اور اجتماع ضدین پایا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ اس

کے اشلوک جابجا بیحد مغلق ہیں۔ اسی بنا پر ہر ایک شارح نے اس کے مطالب ومفاہیم جداگانہ بیان کئے ہیں اور آزادی کے ساتھ ہر ایک نے اپنے اپنے مطلب کی باتیں نکالنے کی سعی کی ہے۔ ایک دانشور کامل حسین نے تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے اس سے متعلق جو کچھ حوالۂ قارئین کیا ہے اسے بالاختصار ذیل میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

جس قدر اختلاف گیتا کے مطالب اور نکات کے متعلق ہیں دنیا میں کسی تحریر یا تقریر کے متعلق نہیں ہیں۔ مختلف اشخاص نے مختلف شرحیں لکھی ہیں اور ہر شارح کے مقلدین کی ایک جماعت ہے جو دوسری جماعتوں کے فکر وخیال کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ بلکہ اس پر غلط بیانی کا الزام لگاتی ہے۔ چنانچہ ایک گروہ سری شنکر اچاریہ کا مقلد ہے اور ان لوگوں نے جو شرحیں لکھی ہیں ان کے مقابلے میں دوسری تمام شرحیں ان کے بقول نا معقول اور غلط ہیں۔ دوسرا گروہ ولبھ کی شرح کو مانتا ہے، تیسرا رامانوج کا قائل ہے، چوتھا مادھو کا مقلد ہے، پانچواں گروہ پنڈت گووندرائے کو صحیح سمجھتا ہے۔[1] اسی طرح ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔

۱۔ کچھ ہندومت کے بارے میں، ص:۸۴

وید اور خدا کا تصور

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر مذہب میں دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں: خواص اور عوام۔ اور ان دونوں کے افکار ونظریات، ملاحظات ومشاہدات اور فرائض وواجبات میں ان کی حیثیت کے مطابق غیر معمولی فرق بھی پایا جاتا ہے۔ عوام کے خیالات بڑے سطحی ہوتے ہیں۔ تحقیق وتدقیق کے طرف ان کی طبیعت کا میلان قطعاً نہیں ہوتا ہے۔ فروعات اور حسّی چیزوں پر ہی قناعت کرتے ہیں۔ اس کے برعکس خواص کے اندر ایک فکری مأدہ پایا جاتا ہے۔ یہ محسوسات سے متأثر نہیں ہوتے بلکہ معقولات پر نظر رکھتے ہیں۔ وہ کسی اصول کی تحقیق کے بغیر تقلید نہیں کرتے۔ اسی لئے اعمال وافعال اور نتائج افکار میں خواص کی باتوں اور ان کے رجحانات وخیالات کو ہی اعتبار واستناد کا درجہ دیا جاتا ہے۔ لہٰذا ہندوازم میں یہ دونوں طبقے موجود ہیں اور دیگر معاملات کی طرح خدا کے تصور میں بھی ان کے درمیان زبردست اختلاف پایا جاتا ہے۔ خواص عام طور پر کثرت پرستی اور بت پرستی وغیرہ سے اجتناب کرتے ہیں اور تصور اِلٰہ کے سلسلے میں ان کے نظریات تقریباً قرآنی دعوت سے مطابقت رکھتے ہیں۔ ہندوازم میں تصور اللہ سے متعلق عوام وخواص کا یہ نتیجۂ فکر خود ان کی مقدس کتابوں کی روشنی میں ہوتا ہے۔

خدا کی ذات وصفات اور عبادات سے متعلق ان کی مشہور کتاب پاتنجلی میں ایسے واضح کلمات ملتے ہیں کہ جو کثرت پرستی اور شرک جیسے عمل سے متنفر کر کے لوگوں کو ترغیب دلاتے ہیں کہ وہ ذاتِ واحد جو حقیقی، ازلی، ابدی اور قادر مطلق ہے حقیقت میں وہی عبادت اور پرستش کے لائق ہے۔ لہٰذا اسی کی تلاش وجستجو اور معرفت سے نجات وکامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔ البیرونی نے ان کی کتاب پاتنجلی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے:

قال السائل:

فی کتاب" پاتنجل" من هذا المعبود الذی ینال التوفیق بعبادته؟ قال المجیب: هو المستغنی باوّلیه ووحدانیته عن فعل لمکافاة علیه براحة تؤمل وترتجی أو شدة تخاف تتقی، والبرئی عن الا فکار لتعالیه عن الاضداد المکروهة

والا نداد المحبوبة ، والعالم بذاته سرمداً اذا العلم الطاری یکون لما یکن بمعلوم ولیس الجهل بمتجه علیه فی وقتٍ ما أو حال[1]

یہاں پہ ایک مکالمہ کی شکل میں سوال وجواب ہے کہ وہ کون ذات ہے جس کی ہمیں عبادت کرنی چاہئے۔

سائل: وہ کون سا معبود ہے کہ جس کی عبادت کرنے سے توفیق (یعنی نیک کام کی استعداد وصلاحیت اور اس کی طرف توجہ) حاصل ہوتی ہے۔

مجیب

یہ وہ معبود ہے جو اپنے یکتا (واحد) اور ازلی ہونے کی وجہ سے اس فعل سے بے نیاز ہے جس کے بدلے میں راحت کی آرزو یا امید کی جاتی ہے یا تکلیف سے خوف اور ڈر رکھا جاتا ہے اور وہ مخلوق کے افکار وخیالات سے بری ہے، اس لئے کہ وہ اضداد مکروہہ اور اندادِ محبوبہ سے بالاتر ہے۔ وہ ازل سے ابد تک بذاتِ خود عالم ہے۔ اس لئے کہ باہر سے اس چیز کا علم آتا ہے جو پہلے معلوم نہ تھی۔ حالانکہ اس پر کسی حال اور کسی وقت میں جہل وارد نہیں ہوتا۔

ثم یقول السائل بعد ذٰلک : فهل له من الصفات غیر ما ذکرت؟

یقول المجیب

له العلو التام فی القدر لا المکان فانه یجلّ عن التمکن وهو الخیر المحض التام الذی یشتاقه کلّ موجود، وهو العام الخالص عن دنس السهو والجهل[2]

سائل اپنے سوال کے جواب سے مکمل تشفی نہ ہونے پر پھر سوال کرتا ہے کہ جو خصوصیات اور صفات آپ نے بیان کئے کیا ان کے علاوہ بھی اس کی صفات ہیں؟ اس کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا۔

مجیب

اس کو مکمل طریقہ پر قدر (علوِ مرتبت) میں برتری حاصل ہے نہ کہ مکان میں تشویش

۱۔ فی تحقیق ماللهند، ص:۲۰
۲۔ ایضاً

اس لئے کہ وہ اس سے اعلیٰ اور افضل ہے کہ کسی مکان میں ہو۔ وہ کامل اور خالص خیر ہے جس کی طلب اور جس کی طرف اشتیاق ہر موجود کو ہے اور وہ علم خالص ہے جو بھول اور جہل سے پاک ہے۔

سائل کے ذہن میں پھر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب ذاتِ واحد غیر مرئی اور غیر حسّی شئی ہے تو پھر اس کی عبادت کیونکر کی جا سکتی ہے:

قال السائل : كيف تعبد من لم يلحقه الاحساس،

قال المجيب

تسمية تثبت إنسية فالخبر لا يكون إلا عن شئي والاسم لا يكون الا لمسمى، وهوان كان غائب عن الحواس فلم تدركه فقد عقلية النفس وأحاطت بصفاته الفكرة وهذه هى عبادته الخالصة وبالمواظبة عليها ينال السعادة[1]

سائل: آپ اس کی عبادت کس طرح کر سکتے ہیں کہ جس کو احساس چھو نہیں سکتا،

مجیب! (اسکے نام کا ہونا ہی اس کی ذات کی موجودیت کو ثابت کرتا ہے۔ اس لئے کہ خبر بغیر شئی کے اور اسم بغیر مسمی کے نہیں ہوتا۔ اگر چہ وہ حواس سے ایسا غائب ہے کہ اس سے دریافت نہیں ہوسکتا لیکن نفس اس کو سمجھتا ہے اور فکر اس کی صفات کا علم رکھتا ہے۔ یہی اس کی خالص عبادت ہے او راسی کی مداومت کرنے سے سعادت حاصل ہوتی ہے۔)

پاتنجلی میں اس کے علاوہ بھی خدا کی ذات اور وحدانیت پر بحث ہے، لیکن سب سے زیادہ خدا کا تصور اور اس کی وحدانیت پر بحث ان کی مقدس کتاب (ویدوں) میں ہے پھر ان میں بھی رگوید میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا اب ان کے الہامی اور اساسی کتاب کی طرف متوجہ ہوں، اوّلاً اس کتاب کی حقیقت پر تھوڑی سی روشنی ڈالنا ضروری اور مناسب ہے کیونکہ بعض لوگوں کو اس کے کتاب اللہ اور مقدس کتاب ہونے پر

۱۔ فی تحقیق ماللہند، ص:۲۱

تشویش ہے جبکہ ہندوؤں کا دعوی ہے کہ یہ منزل من اللہ خدا کی الہامی اور مقدس کتاب ہے۔ انسانی کلام سے پاک ہے۔ اس کا وہی مقام ہے جو دوسری آسمانی کتابیں جیسے توراۃ، زبور اور قرآن حکیم وغیرہ کا ہے۔

وید کا ایک مختصر جائزہ

وید کا لفظ ایک ایسی مقدس آسمانی کتاب کی طرف دلالت کرتا ہے جو ہندوازم کی بنیادی کتاب ہے۔ لیکن ویدوں میں کسی جگہ بھی رِگ وید، یجروید، سام وید اور اتھروید کی اصطلاح نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ وید سے ان کی یہی مقدس کتاب مراد ہے۔ دوسری کتابوں میں جہاں انہیں وید کہا گیا ہے تو اس کے علاوہ دیگر کتابوں کو بھی وید کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ مثلاً مہابھارت کو دیکھئے یہ خود اپنے آپ کو وید کہتی ہے۔ اسی طرح برہمن گرنتھ بھی سناتن دھرم کے عقیدے کے مطابق وید ہیں۔ اس طرح ناردمنی اتہاس اور پران کو پانچواں وید بلکہ ویدوں کا وید کہا جاتا ہے[1]

گویا وید ایک عام لفظ ہے جو اکثر کتابوں کے لئے لوگوں نے استعمال کیا ہے۔ اس میں رگ وید، یجروید وغیرہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ لیکن اس موضوع بحث میں ان کی اسی مقدس کتاب کی وضاحت مقصود ہے۔ اگرچہ ماسبق مبحث میں اس سے متعلق چند سطریں مرقوم کردی گئی ہیں تاہم ہندو مذہب میں تصور خدا کی وضاحت کیلئے یہ وید ہی بنیادی مصدر وماخذ ہے اس لئے یہاں قدرے تفصیل کے ساتھ پہلے اس مصدر کو ملاحظہ فرمایا جائے۔

تیرتیہ برہمن میں یہ کہا گیا ہے کہ ویدوں کی کوئی حد بندی نہیں کی جاسکتی۔ لہٰذا حتمی طور پر ویدوں کی تعداد کا تعین بڑا مشکل ہے۔

پھر ان چاروں ویدوں کے منتروں میں بھی کافی تکرار پایا جاتا ہے۔ ایک کا ماننے والا دوسرے کو غیر مستند ٹھہراتا ہے۔ سوامی دیانند سرسوتی کا کہنا ہے کہ یجروید میں ۱۹۷۵ منتر ہیں۔ ساتو لیکر کا قول ہے کہ چودہ سو منتر ہیں۔ شیو شنکر کے نزدیک ۱۹۸۷ اور سوامی پرشاد

۱۔ وید کا تعارف، ص: ۵

کے بقول ایک ہزار منتر ہیں۔

سب سے زیادہ تحریف سام وید میں ہوئی ہے۔ اجمیر سے شائع ہونے والے سام وید میں منتروں کی تعداد ۱۸۲۴ ہے، جیوانند کے مطبوعہ میں ۱۸۰۸ ہے، پنڈت شیو شنکر آریہ کہتے ہیں کہ منتروں کی تعداد ۱۵۴۹ ہے اور پنڈت ولیکر کا کہنا ہے کہ صرف ستر ہیں، پنڈت ولیکر کہتے ہیں کہ شائع شدہ ویدوں میں بے شمار تحریفیں ہوئی ہیں۔

قدیم نسخوں میں منتروں کے علاوہ الفاظ کے اختلاف بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں، پروفیسر حتی نے ساین بھاش کے اتھروید کا دوسرا قلمی نسخے سے مقابلہ کیا تو انہیں پہلے ہی کانڈ میں تین سو سے زائد اختلاف ملے۔ بیکانیر کے مشہور نسخے میں بارہ سو لفظی شبہات پائے جاتے ہیں[1]

لہٰذا اس انتشار اور اختلافات کی کثرت سے اس کی صحت پر ایک بدنما داغ پیدا ہوجاتا ہے اور یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے کہ یہ وید نہ تو مکمل طور پر موجود ہے اور نہ ہی مستند طریقے پر ہم تک پہونچا ہے۔ اس لئے اسے دیگر کتاب قرآن حکیم کی طرح تحریفات اور انسانی کلام کی آمیزش سے پاک تسلیم کرنا حقیقت سے اعراض ہوگا۔ چونکہ اس میں کچھ ایسے منتر بھی موجود ہیں جو اخلاقی سطح سے اس قدر نیچے اتر گئے ہیں کہ ان کی نسبت ذاتِ عالی پروردگار کی طرف کرنا بڑی بے شرمی و بے حیائی کی بات ہوگی۔ یہاں تک کہ اس کی نسبت ایک شریف انسان کی طرف بھی کی جائے تو اسے نازیبا فعل سمجھا جائے گا۔ مثال کے طور پر یجروید کی سولہویں ادھیائے کا اٹھائیسواں منتر ملاحظہ فرمائیے جس میں خدا نے اپنا سلام کچھ، ہستیوں کی طرف ارسال فرمایا ہے:

فرمان الٰہی ہے:

"کتوں کو سلام، کتوں کے پالنے والوں کو سلام، ڈرانے والوں کو سلام، رلانے والوں کو سلام، گوالوں کو سلام، نیلی گردن والوں کو سلام"[2]

خداوند قدوس کی ذات اقدس سے ایسے حقیر اور نازیبا کلمات کا سرزد ہونا انتہائی

۱۔ وید کا تعارف، ص:۹
۲۔ ایضاً، ص:۱۰

خلاف بات ہے۔

اسی طرح ایک دوسرا منتر جو رگ وید کی پہلی منڈل سکت چھیالیس کا آٹھواں منتر ہے ملاحظہ کریں:

''تمہاری کشتی جو آسمان سے بھی بڑی ہے سمندر کے کنارے ٹھہری ہے۔ تمہارا رتھ خشکی پر منتظر رہتا ہے۔ تمہاری پوجا کے واسطے سوم کا رس نکالا ہے''۔

آسمان سے بھی بڑی کشتی کا ایک محدود سمندر کے کنارے کھڑا ہونا محیر العقول بات ہے اس طرح کی غیر معقول باتیں یقیناً وہی شخص کرسکتا ہے جسے جغرفیائی حالات کا قطعاً علم نہ ہو، چہ جائے کہ خالق کائنات سے یہ توقع کی جائے۔

رگ وید کی پہلی منڈل سکت ایک سو چودہ کا ساتواں منتر دیکھیں اس کا ترجمہ سوامی دیانند نے کیا ہے:

''تو ہمارے بڑے کو مت مار اور ہمارے بچوں کو مت مار، ہمارے حمل ٹھہرانے والے جواں مردوں کو مت مار، ہماری تخم سنبھالنے والی عورتوں کو مت مار، ہمارے ماں باپ کو قتل مت کر، اور ہماری عورت نازک بدن کو مت مار، اے مارنے والے رودر''۔

یقیناً یہ خالق کائنات کا کلام نہیں ہوسکتا ہے بلکہ کسی مجبور ناتواں مظلوم اور فریادی کا کلام محسوس ہوتا ہے کہ وہ انتہائی عاجزی و انکساری اور دکھ درد کے عالم میں اپنے اعزہ واقرباء اور دوسرے انسانوں کیلئے ظالم سے نجات کی درخواست کررہا ہے۔

یجر وید کے بتیسویں ادھیائے کا پہلا منتر بھی انسانی کلام ہونے پر دال ہے اسکا ترجمہ بھی سوامی دیانند نے کیا ہے غور فرمائیں:

''اے گندھرب تم سب سے زیادہ علم والے ہو تم سے ہماری کوئی چیز پوشیدہ نہیں تم ہمارے باپ کے بھی باپ ہو''۔

بلاشبہ خدا سے زیادہ علم والا کوئی نہیں ہوسکتا اور اس سے کوئی چیز پوشیدہ بھی نہیں ہوسکتی اور اسی کے ساتھ وہ اولاد اور رشتہ سے بھی پاک ہے، اس کا اعتراف خود سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش میں وید کے منتروں سے حوالہ دیتے ہوئے کیا ہے،

ایک اور منتر ملاحظہ کریں جو انسانی کلام ہونے پر شاہد اور اس حقیقت پر دال ہے کہ خدا کی طرف اس کا انتساب جرم عظیم سے کم نہیں۔ اس کا ترجمہ بھی سوامی جی نے ستیارتھ پر کاش میں کیا ہے:

''اے بیٹی تو ہر اعضا سے پیدا ہوئی۔ منی اور دل سے پیدا ہوئی اسلئے تو میری روح ہے مجھ سے پہلے مت مر سو برس تک جی''[۱]

یہ منتر واضح کرر ہا ہے کہ پرمیشور اولاد کی موت کے غم میں مبتلا ہے اور اسے اپنی بیٹی کے پہلے مرجانے کا خدشہ ہے۔ اس لئے بیٹی سے سو برس تک زندہ رہنے کی التجا کرر ہا ہے۔ لہذا اگر پرمیشور کی موت بیٹی سے پہلے نہ ہوئی ہوتو بعد میں تو یقیناً ہو ہی گئی ہوگی۔

اس طرح کے غیر مہذب اور قادر مطلق کو مجبور محض بنا دینے والے کلمات کی موجودگی میں ویدوں کو الہامی اور مقدس کتاب کہنا ایک شرمناک اور انتائی تشویشناک جرأت وڈھٹائی ہے۔ تیریہ برہمن میں لکھا ہے کہ ویدوں کو بنانے والے دانا رشی ہیں۔ یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ ویدان (۴۱۴) رشیوں کے کلام کا مجموعہ ہے جن کے نام ویدوں میں موجود ہیں، یورپ کے علماء کے علاوہ سوامی ہری پرشاد، بھائی پرمانند، یاسک اچاریہ (مؤلف نرکت) ان سبھی لوگوں کا خیال ہے کہ وید خدا کا کلام نہیں بلکہ انسانی کلام ہے۔ اسی طرح ستیہ ورت نے لکھا ہے کہ ہمارے بزرگ رشیوں نے ہی ویدوں کو تصنیف کیا تھا[۲]

علاوہ ازیں اور بھی بکثرت ایسی شہادتیں موجود ہیں کہ جن سے ویدوں کا کلام انسانی ہونا واضح ہوجاتا ہے، لیکن اسی کے ساتھ اس سے انکار ممکن نہیں کہ کچھ منتر ایسے بھی موجود ہیں جو انسانی کلام سے منزہ محسوس ہوتے ہیں اور شرک کی تمام الائشوں سے پاک وصاف ہو کر ذاتِ واحد کو ہی خالق کائنات اور کارساز سمجھ کر اس کی بندگی اور غلامی کو نجات کا ذریعہ بتاتے ہیں،

موجودہ وید کے بارے میں یقین کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ نہ ہی تحریفات سے پاک ہے اور نہ انسانی کلمات کی آمیزش سے عاری اور اس کا حرف بحرف منزل من اللہ ہے۔

۱۔ ستیارتھ پرکاش، حصہ ۳ ص: ۶۴

۲۔ وید کا تعارف، ص: ۱۳

ویدوں میں خدا کا تصور

ہندوازم میں خدا کا تصور ایک اہم مقام رکھتا ہے چونکہ ان کا کوئی بھی عمل تصور خدا کے بغیر انجام نہیں پاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں خدا کی تعداد لا متنا ہی شکل میں ہے۔ ہر قوم، ہر جگہ حتی کہ کوئی شئی اور کوئی جاندار ایسا نہیں کہ جس میں کوئی خدا نہ ہو۔ ابتداءً خدا ایک ہی تھا پھر اس کی تعداد بڑھنی شروع ہوئی اور تین ہو گئے اور تین سے (۳۳) ہو گئے۔ زمین، آسمان، پانی، ان میں سے ہر ایک کے لئے گیارہ پھر ایک سو تینتیس حتی کہ تینتیس کروڑ تک تعداد پہنچ گئی۔ ان تمام میں تین کا سب سے اہم مقام ہے برہما، وشنو، شیو۔

برہما، پیدا کرنے والا، وشنو پرورش کرنے والا، شیو درہم برہم کرنے والا، یہ دنیا کا واحد مذہب ہے کہ جس میں اتنے کثیر تعداد میں خدا پائے جاتے ہیں۔ لیکن ان سب کا ان کی مقدس کتاب وید سے کوئی تعلق نہیں ہے وید ان تمام باطل خداؤں سے اعراض کر کے صرف ایک ہی حقیقی ایشور کی بندگی کی دعوت دیتا ہے، اسی پر بس نہیں بلکہ یہ ایک ہی ذاتِ واحد کی تبلیغ بجز اسلام کے دنیا کے سبھی مذاہبوں سے زیادہ کرتا ہے۔

آج ہندو جن جن معبودوں کی عبادت میں مصروف ہیں وہ تمام کے تمام دراصل ایک ہی خدا کے صفاتی نام ہیں۔ اسی ایشور کا نام برہما ہے، اسی کا نام وشنو ہے، وہی سرسوتی اور اندر کہلاتا ہے۔ اس کی تصدیق خود رگ وید کا منتر کر رہا ہے ملاحظہ فرمائیں:

''اندر، متر، ورن، گرو، یم، وایو، ماتر، یشوا وغیرہ تمام ایک ہی طاقت کے مختلف نام ہیں۔ اہل بصیرت اور اہل علم نے ایشور کو صفات کی بنیاد پر مختلف ناموں سے پکارا ہے''[1]

یہ منتر قرآن پاک کی سورہ طہ کی آیت نمبر آٹھ **الله لا اله الا هو له الا سماء الحسنی**[2] سے کافی حد تک مطابقت رکھتی ہے، (ایک اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں، اس کے بہت سے اچھے اچھے نام ہیں)۔

وید میں مختلف جگہوں پر قرآنی انداز میں خداوند قدوس اپنی بندگی کی دعوت دیتا

۱۔ رگوید، ۱۰/۱۱۴/۵
۲۔ طہ: ۸

ہے۔ مثلاً رگوید کے ایک منتر میں قرآن پاک کی سورۃ بنی اسرائیل کی آیت (۵۷) کے مضمون کے بالکل مطابق خدا کو چھوڑ کر غیروں کی عبادت کرنے والوں سے مخاطب ہو کر یہ کہہ رہا ہے کہ تم لوگ کس کی عبادت کرر ہے ہو، تمہارے معبود تو خود ہمارے محتاج ہیں وہ ہماری ہی عبادت کیا کرتے ہیں، رگوید کا یہ منتر ملاحظہ فرمائیں:

''ایشور ہی روحانی اور جسمانی طاقتیں عطا کرنے والا ہے اور اسی کی عبادت تمام 'دیو' کیا کرتے ہیں۔ اس ایشور کی خوشی ہمیشہ کی زندگی عطا کرنے والی ہے اور موت کا خاتمہ کرنے والی ہے۔ اس ایشور کو چھوڑ کر تم کس دیوتا کی عبادت کرر ہے ہو''[1]

اب قرآن کریم کا ترجمہ بھی دیکھیں جو اس سے کافی حد تک مناسبت رکھتا ہے:

(جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کے حضور رسائی حاصل کرنے کا قریب ترین وسیلہ تلاش کرر ہے ہیں اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے خائف ہیں)[2]

گویا ایشور ایک ہی ذاتِ واحد ہے، عبادت صرف اور صرف اسی کی کرنی چاہئے، لہٰذا جو لوگ حقیقی معبود کے علاوہ جو دوسرے باطل معبودوں کی اطاعت وعبادت کرتے ہیں وہ دراصل شاہراہ ہدایت سے منحرف ہیں۔ لوگوں نے جہالت اور بغاوت کی بنیاد پر دوسری طاقتوں اور ہستیوں کو معبود کا درجہ دے کر اپنے آپ کو گرفتار مصیبت کرلیا ہے جو سراپا انسانیت کیلئے ذلت ولعنت ہے، مندرجہ بالا منتر میں اسی غلط فہمی کا ازالہ کیا گیا ہے۔

دیگر منتروں سے بھی اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ ذات واحد ایک ہی ایشور ہے۔ لہٰذا عبادت و پرستش کے لائق بھی وہی ہے۔ مندرجہ ذیل منتروں سے اس کی خوب وضاحت ہوتی ہے:

۱۔ ''اے اگنی تم ہی نیکوں کی دلی تمنائیں پوری کرنے والے اندر ہو، تم ہی عبادت کے قابل ہو، تم ہی بہت لوگوں کے قابل تعریف وشنو ہو، تم ہی برہما اور برہسپتی ہو''[3]

۲۔ ''اے اگنی (خدائے واحد) تم رودر ہو، تم پشا ہو، آسمانی دنیا کے محافظ لشکر ہو، تم ریگستانی

۱۔ رگوید، ۲/۱۲۱/۱۰
۲۔ بنی اسرائیل/۵۷
۳۔ رگوید، ۳/۸/۲

امت کی طاقت کے ذریعہ ہو، تم روزق دینے والے مجسم نور ہو، ہوا کی طرح ہر جگہ موجود، نفع بخشنے والے اور عبادت گذار کے محافظ ہو'[۱]

۳۔ ''اے اگنی (خدائے واحد) تم ہی دولت دینے والے سویتا ہو، تم وایو ہو، عبادت کرنے والے کے محافظ ہو'[۲]

۴۔ ''اے اگنی (خدائے واحد) تم سب سے اول ہو، تم بھاری (نیکیوں کا خزانہ) ہو، تم اڑا ہو اور تم ہی سرسوتی ہو'[۳]

ویدک دھرم کے عظیم محقق سوامی دیانند جی بھی ایشور کو ذاتِ واحد قرار دیتے ہیں اور باقی سب کو صفات۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ تینتیس دیوتا جن کی لوگ پوجا کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کے سب خدا ہیں، غلط ہے، ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ (۳۳) دیوتا ایشور کی مخلوق اور صفات کا مظہر ہیں۔ خدا تو بس ایک ہی ایشور ہے، وہ تمام دیوتاؤں کا دیوتا ہے، ایشور مہادیو ہے[۴]

لیکن وید میں ان (۳۳) دیوتاؤں کے ذکر سے ایشور کی وحدانیت پر فرق پڑتا ہے اور لوگوں کی گمراہی کا سبب بھی بن جاتا ہے، لہذا اس کا تصفیہ سوامی جی شت پتھ براہمن کے حوالے سے اس طرح کرتے ہیں:

وید میں مذکور تینتیس دیوتاؤں میں

خاک، آب، آتش، باد، خلد، سورج، چاند، تارے، یہ آٹھ اشیاء مخلوقات کی بستی یعنی جائے قیام ہونے کی وجہ سے 'وسو' کہلاتی ہیں، (وسو کے معنی ہیں بستی یعنی جائے قیام)

پران، ریان، ویان، ادان، سمان، ناگ، کورم، کرکل، دیوت، دھننجے اور جیو آتما (روح) یہ گیارہ ''رُدر'' کہلاتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب یہ جسم سے الگ ہو جاتے ہیں تو رلاتے ہیں، (ردر کے لغوی معنی رلانے والا) سال کے بارہ مہینوں کو بارہ 'آدیتہ' کہا جاتا

۱۔ رگوید، ۲/۱/۴
۲۔ رگوید، ۲/۱/۶
۳۔ رگوید، ۲/۱/۷
۴۔ ستیارتھ پرکاش، ص: ۱۷۵

ہے، آدیتہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب کی عمر لیتے (گھٹاتے) رہتے ہیں۔ (آدیتہ کے لغوی معنی ہے لینے والا) بجلی کا نام ''اندر'' اس لئے ہے کہ یہ کمال نعمت وحشمت کا باعث ہے۔ یگیہ سے ہوا، بارش، پانی اور نباتات وغیرہ کی صفائی، علماء کرام کی تعظیم اور انواع واقسام کی صنعت وحرفت کی ترقی کے ذریعہ عوام کی پرورش ہوتی ہے۔ اس لئے اسے پرجاپتی یعنی عوام کی پرورش کرنے والا کہتے ہیں۔ ان تینتیس اشیاء کو مذکورہ بالا صفات کی وجہ سے دیو کہا جاتا ہے، لہٰذا جو لوگ لفظ دیوتا سے ایشور مراد لیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں[1]

ویدوں کے کسی بھی منتر میں کثرت پرستی کی تعلیم نہیں دی گئی ہے۔ بلکہ شرک سے مبرّا رہنے کی تلقین مختلف طریقوں سے مختلف جگہوں پر تفصیل کے ساتھ کی گئی ہے۔ چنانچہ رگوید کے منتروں میں خدا نے اپنے ازلی، ابدی، خالقِ کل اور مختارکل ہونے کے ساتھ ساتھ اس پر بھی زور دیا ہے کہ میرے علاوہ کوئی بھی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں۔ ہر معاملے میں میں ہی تمہاری ضرورتوں کو پورا کرتا ہوں۔ میرے وجود سے ہی پوری کائنات کا نظام رواں دواں ہے۔ لہٰذا صرف اور صرف میری ہی عبادت کرو۔ میرے علاوہ نہ کوئی معبود ہے اور نہ عبادت وپرستش کے قابل۔ ان موضوعات سے متعلق رگوید کے منتر ملاحظہ فرمائیں:

''میں افضل ترین قوت ونعمت کے منبع سورج کی طرح تمام عالم کو منور کرتا ہوں۔ میں نہ کبھی مغلوب ہوتا ہوں نہ مرتا ہوں۔ یہ تمام عالم میری نعمتوں کا مخزن ہے۔ اس کا خالق میں ہوں۔ تم مجھے ہی اس دنیا کا خالق او رمبداء سمجھو۔ اے اہل عالم تم نعمت وحشمت کے حصول کیلئے کوشاں رہ کر علم وغیرہ جیسی نعمتوں کے لئے مجھ ہی سے التجا کرو۔ میری رفاقت سے کبھی روگرداں نہ ہو۔ اے بنی نوع انسان! میری حقیقی حمد وثنا راست گوئی ہے۔ ایسی حمد کرنے والے انسان کو میں ازلی علوم وغیرہ نعمتیں عطا کرتا ہوں۔ انوارِ وید کو متجلی کرنے والا میں ہوں۔ وید میں میری ذات وصفات کا کما حقہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کے ذریعہ سب کے علوم کو ترقی دیتا ہوں۔ میں نیک انسان کو نیکی کی تحریک اور یگیہ یعنی رفاہ عام کا کام کرنے والے کو اس کے کام کا ثمرہ دیتا ہوں۔ اس عالم میں جو اشیاء موجود ہیں۔ ان کا

ا۔ ستیارتھ پرکاش، ج ۷ص: ۱۷۵

خالق اور قیوم میں ہوں۔ اس لئے تم مجھے چھوڑ کر کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ اور نہ کسی کو میری جگہ معبود مانو''۔[۱]

تمام انسانوں کو مخاطب کر کے ایشور کہتا ہے:

''میں ایشور سب سے پیشتر موجود ہوں۔ میں تمام عالم کا مالک ہوں۔ میں عالم کی قدیم علت اور تمام نعمتوں کو اپنے حیطۂ اختیار میں رکھنے والا ہوں۔ حقیقی منعم ہوں جیسے بال بچے اپنے ماں، باپ کو پکارتے ہیں ایسے ہی تمام ارواح مجھے امداد کے لئے پکاریں۔ میں اس کائنات کے قیام کے لئے جو تمام عالم کی راحت کا باعث ہے، انواع واقسام کی خوراک اور وسائل زیست کی تقسیم کرتا ہوں''۔[۲]

رگوید ۲۱/۵/۴ میں یہ منتر ملاحظہ فرمائیں:

''اسی سے آسمانوں میں مضبوطی اور زمین میں استحکام ہے۔ اسی کی وجہ سے اجالوں کی بادشاہت ہے اور آسمان محراب کی شکل میں ٹکا ہوا ہے، فضا کے پیمانے بھی اسی کے لئے ہیں (اسے چھوڑ کر) ہم کس خدا کی حمد کرتے ہیں اور نذرانے چڑھاتے ہیں''۔[۳]

یجروید کے ایک منتر میں دیوی اور دیوتاؤں کی عبادت کو مذموم بتاتے ہوئے ایشور کہتا ہے کہ ان کی عبادت کرنے والے لوگ ضلالت وگمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ یجروید کا منتر دیکھئے:

''جو لوگ باطل وجود والے دیوی اور دیوتاؤں کی عبادت کرتے ہیں وہ (جہالت کے) اندھا کر دینے والے گہرے اندھیرے میں ڈوب جاتے ہیں''۔[۴]

رگوید کے اگلے منتر میں یہ مضمر ہے کہ میں صرف انسانوں کا ہی رب نہیں ہوں بلکہ جانوروں کا بھی رب ہوں۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر کہتا ہے کہ میں جاندار اور بے جان سبھی کا مالک ہوں۔ میں ہی اکیلا حاکم ہوں، میرے علاوہ دوسرا کوئی حاکم نہیں۔ بڑی شان وشوکت کے ساتھ پوری دنیا میں میری حکمرانی چلتی ہے۔ منتر ملاحظہ کیجئے:

''وہ تمام جاندار اور بے جان دنیا کا بڑی شان وشوکت کے ساتھ اکیلا حکمراں ہے،

۱۔ رگوید، ۱۰/ ۵ (بحوالہ ستیارتھ پرکاش، ص: ۱۷۶)
۲۔ رگوید، ۱۰/ ۴۸/ ۱ (بحوالہ ستیارتھ پرکاش، ص: ۱۷۶)
۳۔ اگر اب بھی نہ جاگے تو، ص: ۱۲۰
۴۔ یجروید، ص: ۴۰/ ۹

وہ جو انسانوں اور جانوروں کا رب ہے (اسے چھوڑ کر) ہم کس خدا کی حمد کرتے ہیں اور نذرانے چڑھاتے ہیں''۔[۱]

مندرجہ ذیل منتر ان حضرات کے لئے زیادہ قابل توجہ ہے کہ جو اپنے اصل اور حقیقی ذاتِ واحد ایشور کا دامن چھوڑ کر اس کے پرتو کی پوجا میں مشغول ہیں۔ اس منتر میں ایشور کی صرف مورتی کی ہی ممانعت نہیں بلکہ اس کی تصویر کشی تک کی ممانعت ہے۔ لہٰذا اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ ایشور کی کسی بھی حیثیت کی عکاسی نہیں کی جاسکتی وہ مورتی اور تصویر سے بالکل پاک ہے یجروید کا یہ منتر دیکھیں:

''اس ہستی کی کوئی مورتی یا تصویر نہیں ہے، اس کا نام ہی سراپا حمد ہے''۔[۲]

ذیل میں مذکور منتر صراحت کے ساتھ ایشور کی وحدانیت کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور اس کی عبادت کا حکم بھی دیتا ہے۔ لہٰذا اس سے ان تمام معبودانِ باطل کی نفی ہوجاتی ہے کہ جن کا آج ہندوازم میں بڑی کثرت کے ساتھ بول بالا ہے۔ منتر ملاحظہ کریں:

''وہ ایک ہی ہے اسی کی عبادت کرو''۔[۳]

اس منتر کے پہلے ٹکڑے کی تصدیق قرآن حکیم کی سورۂ اخلاص کی پہلی آیت ''**قل هو الله احد**'' (کہہ دو اللہ ایک ہے) سے بخوبی ہوتی ہے۔ اسی جیسے معنی و مفہوم میں بہت سارے ایسے منتر ویدوں میں مذکور ہیں جو قرآن حکیم کی آیتوں کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر رگوید کا یہ منتر دیکھئے بعینہٖ قرآن کریم کا ترجمہ لگتا ہے۔ منتر یہ ہے:

خدا کے سوا کسی کو مت پوجو۔[۴]

قرآن کی آیت ہے:

لاتعبدوا الا الله[۵] (اللہ کے سواء کسی کی عبادت نہ کرو)

۱۔ رگوید، ۳/۲/۱
۲۔ یجروید ۵/۳
۳۔ رگوید، ۱۶/۴/۲
۴۔ رگوید، ۱/۸
۵۔ الاحقاف، ۲۱، ھود، ۲

اوم

اوم کا لفظ کافی اہمیت کا حامل ہے اور ان کی کتابوں میں کثرت سے استعمال بھی کیا گیا ہے۔ اور ہر جگہ اس سے مراد پرمیشور یعنی خدا ہی لیا گیا ہے۔ پرمیشور کے لئے جتنے اسم یا صفات استعمال کئے گئے ہیں ان تمام میں اس کا مقام سب سے بلند ہے۔ اسی لئے یہ ایشور کا اسم ذات مانا جاتا ہے۔ جس طرح خدا کے لئے لفظ اللہ کا استعمال خاص کر دیا گیا ہے۔ خدا کے علاوہ کسی اور کیلئے لفظ اللہ کا استعمال درست نہیں اور اسکا کوئی لفظی معنی بھی متعین نہیں۔ بعینہٖ اوم کا بھی استعمال ایشور کے علاوہ کے لئے جائز نہیں اور اس کا کوئی لفظی معنی بھی متعین نہیں۔ البتہ سوامی دیانند نے اوم کے تین حرفوں الف، واؤ، اور میم، سے مطلب نکال کر یہ کہا ہے کہ اس سے ایشور کے صفاتی ناموں کی طرف اشارہ ہے۔ مثلاً الف سے اگنی (روشن بالذات) (نور علی نور) وغیرہ مراد ہے، واؤ سے وایو (قدیر) تیجس (تجلی) وغیرہ اور میم سے ایشور (مالک) آدتیہ (غیر منقسم) پراگیہ (علیم) وغیرہ صفات الٰہی کے مفہوم مستنبط ہوتے ہیں[۱]

اوم کے سلسلے میں مزید مندرجہ ذیل منتر قابل ملاحظہ ہیں:

۱۔ اُوم، آکاش (خلا) کی طرح محیط اور سب سے بڑا ہے[۲]

۲۔ اوم، نام سے موسوم (پریشور) جو کبھی فنا نہیں ہوتا اسی کی عبادت کرنا واجب ہے دیگر کسی کی نہیں[۳]

۳۔ تمام وید جس کا بالتعظیم ورد کرتے ہیں، تمام ریاضتیں یعنی اعمال صالحہ جس کے ذکر پاک کی تصویریں ہیں، جس کے قرب کیلئے برہمچریہ آشرم کے قواعد کی پابندی اختیار کی جاتی ہے وہ پاک نام اوم ہے[۴]

قابل غور بات یہ ہے کہ ویدوں میں خدا کی وحدانیت کا اس قدر پاک وصاف تصور ہوتے ہوئے بھی ہندوؤں کو سینکڑوں معبود ان باطل کی غلامی پر کس چیز نے مجبور

۱۔ ستیارتھ پرکاش، ص: ۹۰۹

۲۔ یجروید ۴۰/۱۷، ص: ۹۱۰

۳۔ چھاندکیہ اپنشد، بحوالہ ستیارتھ پرکاش، ص: ۱۱

۴۔ کٹھ اپنشد، بحوالہ ستیارتھ پرکاش، ص: ۱۲

کیا؟ مذہبی نقطۂ نگاہ سے ان کی زندگی کا مطالعہ یہ باور کراتا ہے کہ پنڈتوں اور سادھوؤں نے انہیں ویدوں کی تعلیم سے محروم رکھا۔ اگر اس کی تعلیم عام رکھتے اور ہر شخص کو فیضیاب ہونے کا موقع دیا جاتا تو یقیناً شرک جیسی مہلک بیماریوں سے محفوظ رہا سکتا تھے۔ لیکن پنڈتوں اور سادھوؤں کی اجارہ داری نے پوری قوم کو شرک و بت پرستی اور ضلالت و گمراہی کے عمیق غار میں ڈھکیل دیا۔

اصنام پرستی

یہ امر واقعہ خصوصاً عوام میں فطری طور پر پایا جاتا ہے کہ ان کے رجحانات معقولات کے بنسبت محسوسات کی طرف زیادہ ہوتے ہیں اور ان کا ذہن بڑی آسانی سے انہیں اخذ بھی کر لیتا ہے۔ یہی اصنام پرستی کا باعث بنا کہ جن بڑی باعزت اور محترم شخصیتوں کا تقدس ان کے دلوں میں تھا ان کی وفات اور غیر موجودگی میں بھی ان کے مواعظ و نصائح اور خوف و تعظیم کا اثر باقی رکھنے کیلئے انہیں اس سے بہتر کوئی اور شکل نظر نہ آئی کہ ان مقدس ترین ہستیوں کی کوئی تصویر بنالی جائے۔ اولاً ان کی شکلیں اور تصویریں کاغذوں، پتھروں وغیرہ پر لوگوں نے بنائے پھر ترقی کرتے ہوئے پتھروں اور مٹیوں کے بتوں کی شکل بنانے شروع کردئے اب ان کا احترام بھی لازمی تھا لہٰذا یہی احترام ارتقا کے منازل طئے کرتا ہوا (پہلے ان کے سامنے جھکنا پھر سجدہ کرنا وغیرہ) عبادت میں تبدیل ہوگیا۔ پھر کیا تھا، یہ مرتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا، کے تحت یہ سارے بے جان بت ان کے کارساز، حاجت روا اور مشکل کشا معبود بن گئے۔

بت پرستی کا آغاز

بت پرستی کی ابتداء کس زمانے، کس قوم اور کس علاقہ سے ہوئی کوئی متعین بات کہنا بڑا مشکل ہے۔ ابو ریحان البیرونی اپنی کتاب فی تحقیق ماللہند میں اس موضوع پر کچھ روشنی ڈالی ہے، فرماتے ہیں:

''تورات کے علماء نے حضرت ابراہیمؑ کے دادا ساروغ کو بت پرستی کا ابتدائی زمانہ کہا ہے''[۱]

۱۔ ہندو دھرم ہزار برس پہلے، ص: ۱۳۳

یہ تو علماء تورات کا قول ہے لیکن رومیوں کا خیال اس سے بالکل الگ ہے:

رومیوں کا کہنا ہے کہ ملک افرنجہ (فرنگ) کے دو بھائی رولس اور روما ناؤس نے بادشاہ ہو کر شہر رومہ کو بسایا پھر رولس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا، قتل کے بعد اس ملک میں فتنہ وفساد مسلسل ہونے لگے، تو رولس خدا کی طرف گریہ وزاری کے ساتھ متوجہ ہوا۔ خواب میں اسے دکھایا گیا کہ سکون اسی حالت میں میسر آسکتی ہے کہ اپنے بھائی مقتول کو تخت پر بیٹھاؤ۔ تو رولس نے سونے کی مورت اپنے بھائی روما ناؤس کی بنوا کر اپنے ساتھ بیٹھایا اور لوگوں سے کہنے لگا کہ مجھے خدا کی طرف سے اس کا حکم دیا گیا ہے........ اس ترکیب سے ملک کے فسادات ختم ہو گئے۔ پھر اس نے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے چونکہ بھائی کے قتل کیوجہ سے بعض لوگ عداوت رکھتے تھے، ایک دن میلے کا انتخاب کیا اور چار بت چار گھوڑوں پر سوار کئے۔(۱) زمین کے لئے سبز رنگ کا گھوڑا۔ (۲) پانی کیلئے نیلے رنگ کا گھوڑا، (۳) آگ کے لئے سرخ رنگ کا گھوڑا، (۴) اور ہوا کیلئے سفید رنگ کا گھوڑا۔ روم میں اس وقت بھی یہ بت موجود ہیں[۱]

ہندوؤں میں بت پرستی کی ابتداء

ہندوازم میں بت پرستی کی ابتداء کب ہوئی مؤرخین تاریخ متعین کرنے سے قاصر ہیں۔ لیکن اتنی بات تو متعین ہے کہ ویدک دھرم کے ابتدائی دور میں بت پرستی کی لعنت نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ ان کی بنیادی کتاب وید میں بت پرستی کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ بلکہ بت پرستی اور خدا کے علاوہ غیروں کی عبادت سے سختی کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے۔ جیسا کہ صفحات گذشتہ میں ویدوں کے حوالوں سے قدرے مبسوط جائزہ پیش کیا جا چکا ہے۔

ابوریحان البیرونی ہندوؤں کی بت پرستی کے آغاز کے سلسلے میں راجہ انبرش کو موجد مانتے ہیں لیکن زمانے کا تعین انہوں نے بھی نہیں کیا ہے، راجہ انبرش کا واقعہ انہوں نے تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ اختصار کے ساتھ ملاحظہ ہو:

کسی زمانے میں ایک راجہ تھا جس کا نام انبرش تھا۔ سلطنت کی ساری خواہشیں پوری ہو گئیں تو پھر اس کی طرف اسے رغبت نہ رہی تو اس نے ترک دینا اختیار کر لیا۔ عرصہ

۱۔ ہندو دھرم ہزار برس پہلے، ص: ۱۳۴

تک تنہائی میں خدا کی عبادت میں مشغول رہا۔ اس درمیان خدا ہاتھی پر سوار ہوکر راجہ اندر کی صورت میں حاضر ہوا اور کہا کہ جو خواہش طلب کرو ہم تجھے عطا کریں گے.......راجہ نے جواب دیا کہ ہم آپ سے نہیں بلکہ جس نے آپ کو پیدا کیا ہے اس سے مانگتے ہیں (پھر ان دونوں کے درمیان ایک طویل مکالمہ ہے آخر میں راجہ نے کہا کہ اب ہم اپنے رب کی عبادت کے لئے واپس لوٹتے ہیں) راجہ نے جب عبادت شروع کی تو خدا انسان کی صورت میں حاضر ہوا۔ بھورے نیلوفر کا رنگ، زرد لباس، ایک پرندے پر سوار ہوکر جس کا نام گڑور ہے، اسکے چار ہاتھ تھے ایک ہاتھ میں سنگھ، دوسرے ہاتھ میں چکر یہ ایک تیز دھار دار اور محیط گول ہتھیار ہے، تیسرے ہاتھ میں ایک تعویذ اور چوتھے ہاتھ میں پدم یعنی سرخ نیلوفر تھا۔ راجہ نے جب اس حالت میں خدا کو دیکھا تو اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے وہ سجدے میں گر پڑا اور اس کی بہت تسبیح کی۔ خدا نے تسلی دیکر اس سے ڈر اور خوف ختم کیا پھر اسے اپنے مقصد میں کامیابی کی بشارت دی..........راجہ نے کہا کہ ہمیں اس کے علاوہ اور کوئی تمنا نہ تھی جو اس وقت حاصل ہوئی ہے........خدا نے کہا کہ نجات دنیا کو چھوڑ کر تنہائی اختیار کرنے میں ہے...........اگر تم پر انسانی بھول غالب آجائے تو جس صورت میں تم نے مجھے دیکھا ہے ایک تمثال (مجسم بت) بنالو، پھر اس کے پاس خوشبودار روشنی کے ساتھ آؤ اور اس کو ہماری نشانی قرار دو تاکہ ہمیں بھولو نہیں، کسی کام کا ارادہ کرو تو میرے ہی ذکر کے ساتھ، گفتگو کرو تو میرے ہی نام کے ساتھ اور کوئی کام کرو تو میرے ہی واسطے سے کرو...........اسکے بعد یہ صورت نظر سے غائب ہوگئی، راجہ نے دار السلطنت میں واپس آکر جو حکم اسے ملا تھا اس پر عمل کرنا شروع کردیا۔ ہندوؤں کا کہنا ہے کہ بت اسی وقت سے بنائے جانے لگے ہیں، بعض چار ہاتھ کے اور بعض دو ہاتھ کے ہے[1]

بت پرستی کے آغاز کا ایک اور واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس واقعہ کو بھی البیرونی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، یہ واقعہ حضرت موسیٰ کے واقعہ سے کافی حد تک مشابہت رکھتا ہے:

برہما کا ایک بیٹا تھا جس کا نام نارد تھا اسے اپنے خدا کے دیکھنے کے علاوہ کوئی اور

۱۔ فی تحقیق ماللہند، ص: ۸۵

خواہش نہ تھی، وہ ایک لاٹھی ہمیشہ اپنی آمد ورفت میں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس لاٹھی کو جب وہ زمین پر ڈالتا تھا تو وہ سانپ بن جاتا تھا۔ ناردا سے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا کبھی جدانہ کرتا تھا اور اس سے عجیب وغریب کام بھی لیا کرتا تھا، ایک مرتبہ جسے وہ دیکھنے کی خواہش رکھتا تھا اس کے دھیان میں مشغول تھا کہ دور ایک روشنی نظر آئی وہ روشنی کی طرف گیا تو روشنی سے آواز آئی تو جو چیز مانگتا ہے اور جس چیز کی تمنا رکھتا ہے وہ محال ہے۔ تیرے لئے یہ ممکن نہیں کہ مجھ کو اس کے علاوہ کسی اور طرح دیکھے۔ نارد نے نظر اٹھائی تو انسان کی شکل وصورت کا ایک نورانی شخص دیکھا، اسی وقت سے (مختلف) صورتوں کے بت بنائے جانے لگے[1]

ہندوؤں کے یہاں مختلف صورتوں اور مختلف شخصوں کے بت بنائے جاتے ہیں برادری اور علاقہ کے اعتبار سے بھی بتوں کی تقسیم ہے، الغرض ان کی تعداد بے شمار ہے اور احاطہ ناممکن ہے۔

۱۔ تحقیق فی مالہند، ص: ۸۸

رسالت یا اوتار کا تصور

کسی بھی الہامی مذہب میں توحید کو بنیادی اور اول مقام حاصل ہے اور دوسرا مقام رسالت کا ہے چونکہ توحید کے ساتھ اس کا بڑا گہرا رشتہ ہے۔ کیونکہ عوام کیلئے توحید کی معرفت اور حصول کا یہ ایک اہم ذریعہ ہے۔ لہذا مناسب ہے کہ توحید کے بیان کے بعد کم از کم اختصار کے ساتھ ہی ہندوؤں کے یہاں رسالت کا جو تصور ہے اسے پیش کر دیا جائے۔

جس طرح اسلام میں تین چیزیں بنیادی اور اہم مقام رکھتی ہیں۔ (۱) توحید (۲) رسالت (۳) آخرت، بعینہ یہی تینوں چیزیں ہندو ازم میں بھی بنیادی حیثیت کی حامل ہیں۔

ہندوؤں کے یہاں رسول، اوتار کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان کے یہاں اوتاروں کی تعداد کیا ہے کس کس مقام پر تشریف لائے، ان کی بعثت کا زمانہ کیا تھا۔ اس سلسلے میں ان کی کتاب مقدس خاموش ہے، کوئی رہنمائی نہیں ملتی۔ البتہ رام اور کرشن یہ دونوں بہت مقبول اور مشہور اوتاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ لیکن اس بات میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے کہ ایشور یعنی بھگوان اوتار لیتا ہے یا نہیں، بھگوت گیتا کی تحریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بھگوان اوتار لیتا ہے۔ گیتا کی تحریر دیکھئے، شری کرشن جی کہتے ہیں:

''اے ارجن جب جب دھرم کا زوال اور ادھرم یعنی بے دینی کا عروج ہوتا ہے تب تب میں قالب اختیار کرتا ہوں''۔[۱]

لیکن سوامی دیانند سرسوتی زور دار طریقہ پر اس کا انکار کرتے ہیں کہ ایشور اوتار نہیں لے سکتا۔ یہ احکام وید کے خلاف ہے۔[۲]

گویا ویدک دھرم میں رسالت کا تصور دو نوعیتوں کا پایا جاتا ہے ایک بھگوت گیتا کے نظریے کے مطابق کہ ضرورت کے اوقات میں ایشور ہی انسان کی شکل میں اوتار لیتا ہے۔ اور دوسرا نظریہ ویدکا کہ ایشور اوتار نہیں لیتا بلکہ انسان ہی میں چنیدہ شخص کو بذریعہ

۱۔ ستیارتھ پرکاش، ص: ۱۸٦
۲۔ ایضاً ص: ۱۸۷

الہام اپنے احکام اور کلمات سے نواز تا رہتا ہے۔ یہ دوسرا نظریہ اسلام اور اہل کتاب کے مذاہب سے مکمل طریقے پر مطابقت رکھتا ہے۔

بحرحال اتنی بات مسلم ہے کہ ان کے یہاں رسالت کا تصور یقینی طور پر موجود ہے۔ جس کا اعتراف ان کے قائدین کو بھی ہے اور مقدس کتابیں بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں، مقدس کتاب شری مد بھگوت مہا پران میں ہے:

''جب بھی بھلائیاں کم ہو کر گناہ بہت بڑھ جاتے ہیں تو 'ہری' جو تمام خداؤں کا خدا ہے وہ یقیناً (رہنمائی کیلئے) ایک جان پیدا کرتا ہے''۔[۱]

شمس نوید عثمانیؒ کی ایک عمدہ کاوش ہے، انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان کی کتابوں میں تین رسولوں حضرت آدم، حضرت نوح، اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ کا تذکرہ قدرے باریکیوں کے ساتھ ملتا ہے۔ کلیان گورکھپوری کی تحریر ہندو سنسکرتی انگ میں ہے:

''برہما اپنے جسم کے دو حصے کر کے ایک سے مرد اور دوسرے سے عورت ہوئے اور اس طرح بہت سے جانداروں کی تخلیق ہوئی''۔[۲]

اس تحریر سے کسی بھی مسلمان کے لئے یہ بات مخفی نہیں رہ جاتی ہے کہ برہما سے مراد حضرت آدم ہیں جن کی بائیں پسلی سے حضرت حوا کی پیدائش ہوئی اور پھر ان دونوں سے پوری نسل کی افزائش۔ دیگر روایتوں سے بھی یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ اول کے تین معبودوں میں سے برہما ہی خالق کائنات ہے۔ جس سے باباء انسانیت حضرت آدمؑ کی طرف رہنمائی ہوتی ہے کہ برہما سے مراد حضرت آدم ہی ہیں۔

حضرت نوح کا تذکرہ ان کی کتابوں میں مہانو کے لفظ سے ملتا ہے جس کی لوگوں نے تحقیق بھی کی ہے کہ مہانو کون شخص ہیں۔ چونکہ منو کا ذکر عام طور پر سیلاب کے ساتھ کیا گیا ہے اور کہیں کشتی کے ساتھ کیا گیا ہے اور یہی دونوں ہی چیزیں حضرت نوح کے ساتھ خاص ہیں۔

۱۔ شری مد بھاگوت مہاپُران، ص: ۹/۲۴/۵۶ (بحوالہ اگر اب بھی نہ جاگے تو، ص: ۱۲۴

۲۔ اگر اب بھی نے جاگے تو، ص: ۱۲۴

ایک مشہور محقق (Dubais) نے اپنی کتاب میں بڑی واضح طریقہ سے ثابت کیا ہے کہ مہا کے معنی عظیم اور نو وو بلا شک وشبہ نوحؑ ہیں [۱]

حضرت نوح کا تذکرہ اور (Dubois) کی تحقیق قدرے تفصیل سے پیش کی جاچکی ہے کہ ہندو قوم (لکل قوم ھاد) کے تحت کوئی بعید نہیں کہ حضرت نوح کی گم گشتہ قوم ہو۔ نوحؑ کا نام (منو) پچھتر جگہوں پر ویدوں میں آیا ہے۔ رگوید میں اکیاون جگہوں پر، یجروید میں دو جگہوں پر، اتھر وید میں چودہ جگہوں پر اور سام وید میں آٹھ جگہوں پر آیا ہے [۲]

آخری نبی حضرت محمد ﷺ کا تذکرہ ویدوں کے علاوہ بھی ان کی معتبر کتابوں میں ان دونوں (آدمؑ، نوحؑ) سے زیادہ کیا گیا ہے۔ شمس نوید کا کہنا ہے کہ جس طرح حضرت آدمؑ کے لئے برہما کا لفظ اور نوحؑ کے لئے مہانو و یا منو کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اسی طرح حضرت محمدؐ کو نراشنس کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ نراشنس کے معنی ہیں انتہائی قابل تعریف شخصیت۔ یہ سنسکرت کا لفظ ہے اس کا بالکل صحیح اور متبادل لفظ ''محمدؐ'' ہے۔

رگوید کا منتر ملاحظہ فرمائیں جس میں محمدؐ کا ذکر ہے:

''اے محبوب (نراشنس) میٹھی زبان والے، قربانیاں دینے والے، میں آپ کی قربانیوں کو وسیلہ بناتا ہوں'' [۳]

رگوید کا ہی دوسرا منتر ملاحظہ کریں:

''میں نے نراشنس (محمدؐ) کو دیکھا، سب سے زیادہ اولوالعزم اور سب سے زیادہ مشہور..........جیسا کہ وہ جنت میں ہر ایک کے پیغمبر تھے'' [۴]

مندرجہ ذیل منتر بھی رسول اللہ ﷺ کے اعتراف میں ہے:

''عظیم نراشنس (محمدؐ) کی قوت میں اضافہ کے لئے اور ریشان (مہدئی) جو کہ عظیم حکمران ہے، اس کے لئے ہم نعمت بیان کرتے ہیں، اے انتہائی کریم خدا ہمیں تمام مصیبتوں سے نجات دے اور دشوار گذار راستوں سے ہمارا رتھ پار کرادے'' [۵]

۱۔ Hindu Manners p. 48
۲۔ اگر اب بھی نہ جاگے تو، ص:۱۳۱
۳۔ رگوید، ۳/۱۳/۱
۴۔ ایضاً ۹/۸
۵۔ اگر اب بھی نہ جاگے تو، ص:۱۳۲

اسکے علاوہ اور بھی بہت ساری جگہوں پر آپؐ کا تذکرہ ملتا ہے، خصوصاً اتھر وید بیسویں کانڈ کا ایک سوستائیسواں سوکت نراشنس (محمدؐ) کے تذکرے میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ پنڈت وید پرکاش اپادھیانے اس منتر کے ترجمہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ ساری مثالیں جو نراشنس کیلئے دی گئیں ہیں وہ سب کے سب حضرت محمدؐ پر صادق آتی ہیں[1]

نراشنس کے ذریعہ محمدؐ کا تذکرہ ویدوں میں اکتیس مقامات پر ہے رگوید میں سولہ، یجروید میں دس، اتھروید میں چار، سام وید میں ایک جگہ مذکور ہے[2] اس کے علاوہ دیگر مقدس کتابوں میں مختلف مقامات پر مختلف انداز میں مذکور ہے۔

۱۔ اگر اب بھی نہ جاگے تو، ص:۱۳۳

۲۔ ایضاً، ص:۳۱۳۴

۳۔ زنا نہ کرو۔

۴۔ جھوٹ نہ بولو۔

۵۔ نشہ آور چیزیں نہ پیو۔

۶۔ مقررہ وقت کے سوا کھانا نہ کھاؤ۔

۷۔ کھیل تماشے اور گانے بجانے سے پرہیز کرو۔

۸۔ پھول اور عطر وغیرہ سے پرہیز کرو۔

۹۔ اچھے اور نرم بستر پر سونے سے پرہیز کرو۔

۱۰۔ سونا، چاندی، اپنے پاس نہ رکھو۔

یہی چار مقدس صداقتیں، طریق ہشت گانہ اور احکام عشرہ بودھ مذہب کے پورے اخلاقی نظام کی بنیاد ہیں ان بائیس اقوال کی نسبت گوتم بدھ کی جانب کی جاتی ہے۔ بودھ مت کے تقریباً تمام ہی فرقے بغیر کسی تفریق کے ان اقوال کو ٹھوس اور قابل عمل تسلیم کرتے ہیں۔ اگرچہ زمانۂ حال میں ان احکام پر عمل پیرا ہونے والوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ برما، چائنا اور جاپان وغیرہ کے بدھ علمبرداروں کو ان احکام سے دور دور تک تعلق نظر نہیں آتا۔ حتی کہ ننانوے فیصد کا طریقۂ زندگی ان احکام کے بالکل برعکس ہے، رہی بات ہندوستانی بدھوں کی تو یہ تو پوری طرح ہندوازم کے رنگ میں رنگ گئے ہیں ان کے صبح وشام، طور وطریقے، عادت واخلاق، عبادت وریاضت، میں کوئی امتیاز نہیں رہا۔ خواہ ہندوازم کا تہوار دیوالی ہو، ہولی ہو یا دسہرہ وغیرہ سب کچھ یہ بڑے جوش وخروش کے ساتھ مناتے ہیں۔ اگر امتیاز کی کوئی معمولی رمق باقی ہے تو اس کا مشاہدہ صرف ان کے اپنے عبادت خانے میں ہوتا ہے جب، چند لمحے وہ ریاضت میں مشغول ہوتے ہیں۔

☆☆☆

باب سوم

بدھ ازم، جین ازم اور سکھ ازم میں خدا کا تصور

بدھ ازم

صفحہ

بدھ ازم، ایک اجمالی جائزہ

بدھ ازم ہندو ازم کی ایک نئی اور اصلاح شدہ ایڈیشن ہے۔ جس کی داغ بیل گوتم بدھ نے ڈالی تھی۔ گم گشتہ ہندوازم کی طرح اس کی تاریخ مفقود نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ سے تقریباً پانچ سو گیارہ برس قبل اس کی بنیاد پڑی۔ ویدک دھرم کی قیدو بند، ظلم وزیادتی، اونچ نیچ اور چھوت چھات ہی بغاوت کا سبب بنا چنانچہ اس نوخیز دھرم نے ویدک دھرم کی بیخ کنی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اگر اس کے علمبردار اپنے اصولوں پر عمل پیرا ہوتے، اختلافی مسائل اٹھ کھڑے نہ ہوتے اور مختلف فرقوں میں نہ بٹ چکے ہوتے تو بدھ ازم فروغ واشاعت کے لحاظ سے بام عروج پر ہوتا۔ اور ہندو دھرم کسمپرسی کے عالم میں ہوتا۔ بدھوں نے ہر اس شخص کو گلے سے لگایا جنہیں برہمنوں نے رذیل وکمین اور ملیچھ بتا کر ترقی کے سارے راستے مسدود کردئے تھے۔ انہوں نے براہمن، شودر، اچھوت، امیر وغریب، شریف ورذیل، عورت اور مرد سب کے لئے یکساں احکام نافذ کئے، ذات وبرادری، امیری وغربت، آقائیت وغلامی کے درمیان کوئی خط امتیاز نہیں کھینچا گیا۔ اور مساوات کا علم بلند کیا جس کے سایۂ عاطفت میں عرصہ سے برہمنوں کے ظلم وبربریت کی چکی میں پسی ہوئی عوام کو نجات نظر آئی اور اس طرح برہمنوں کی اجارہ داری وچودھراہٹ کا شیرازہ بکھرنا شروع ہوگیا جس کے نتیجہ میں گوتم بدھ کا امن وآشتی سے متصف اور ذات وبرادری کے امتیازات سے بالا مشن ایک تیز رفتار سیلاب کی مانند امنڈتا ہوا ہندوستان کی حدوں سے نکل کر دوسرے ممالک تک پہنچ گیا اور وہاں بھی گرمجوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا گیا۔

ہندو تنظیموں کی مسلسل یلغار اور خود ان کے بنیادی اصولوں میں پختگی نہ ہونے کی بنا پر زیادہ دنوں تک یہ مذہب تناور درخت کی شکل میں برقرار نہیں رہ سکا۔ بلکہ اس رفتار سے روبہ انحطاط ہوا کہ ارتداد کی ہوا رک نہ سکی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ خصوصاً ہندوستان میں جو اس کا مرکز ہے بدھ ازم ایک بے روغن کی قندیل کی مانند ہے۔ انکے پیروکار اور ان کی عبادت کے مراکز بودھ گیا (بہار) اور اسکے بعض اطراف وجوانب کے علاوہ شاذ ونادر ہی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ یہاں بدھ مراکز عبادت بلاشبہ عالی شان اور کشادہ ہیں جو بہر حال دوسرے ممالک بالخصوص جاپان،

چین اور تبت کے مرہون منت ہیں۔

بدھ ازم کے آغاز کے وقت ہندوستان میں ادیان و مذاہب مفقود نہیں تھے۔خود بدھ ازم کی کتاب 'دیگھ نکائے' میں مذکور ہے کہ اس وقت ۶۲ مذاہب پرورش پا رہے تھے۔لیکن جین ازم کی کتاب 'سوتر کرتا نگ' کا کہنا ہے کہ ۳۶۳ مذہبی فرقوں سے ہندوستان بھرا پڑا تھا۔[۱]

بدھ ازم نے ابتداءً کوئی مذہبی جماعت کی حیثیت سے اپنا سفر شروع نہیں کیا تھا بلکہ اس نے ویدک دھرم کی اصلاح کی خاطر مصلح کی حیثیت سے ہنسا کے خلاف اہنسا کی آواز بلند کی تھی۔ جب کہ اس سے قبل مہاویر جین کی جانب سے ویدک دھرم اور اس کے اصولوں کے خلاف تحریک شروع ہو چکی تھی لیکن انہیں کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی تھی۔ اب تک ہنسا، جانوروں اور انسانوں کی قربانی اور یگیہ اپنے شباب پر تھا۔ اور اسی کو ویدک دھرم کی روح اور جان سمجھا جاتا تھا۔ بدھ ازم کے مشہور محقق و مبلغ گاندھی جی کے مخصوص شاگرد دھرمانند کوسمبی اپنی کتاب 'بھگوان بدھ' میں لکھتے ہیں:

''بھگوان بدھ شراوستی میں رہتے تھے۔ اس وقت پسیندی راجہ کا مہا یگیہ شروع ہوا۔ اس میں پانچ سو بیل، پانچ سو بچھڑے، پانچ سو بچھیاں، پانچ سو بکرے اور پانچ سو مینڈھے کھمبوں سے بندھے ہوئے تھے،.................. یہ سب دیکھ کر بھکشوؤں (بدھ فقیروں) نے بھگوان (بدھ) کو اس سے آگاہ کیا۔ اس پر بھگوان بولے.................. ان یگیوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بکرے، گوئیں اور مینڈھے جیسے مختلف جاندار، جس یگیہ میں مارے جاتے ہیں اس میں مہارشی شریک نہیں ہوتے۔''[۲]

گویا بدھ ازم اہنسا کا علمبردار مذہب ہے۔ یہ ہر ذی روح کو معصوم قرار دیتا ہے، یہاں حقیر سے حقیر کیڑے مکوڑے حتی کہ اذیت پہنچانے والی اشیاء تک کی عصمت اس حد تک ہے کہ کسی بھی صورت میں ان کا مارنا جائز نہیں۔ہاں جتنا بھی لائق احترام شخص ہو اگر وحشیانہ و بہیمانہ سلوک و برتاؤں کا نشانہ بنالیا جائے تو یہ کوئی قابل اعتراض یا لائق مذمت نہیں۔ جبکہ ان کے احکام عشرہ کے سب سے پہلے حکم میں زبردست تاکید ہے کہ کسی جاندار کو ہلاک نہ کرو اور جو شخص خصوصاً (بھکشو) اگر عمداً کسی معمولی اور ادنیٰ جاندار کو بھی ہلاک کر ڈالے تو اس کا یہ جرم ناقابل عفو ہے۔[۳]

۱۔ راما شنکر ترپاٹھی، قدیم ہندوستان کی تاریخ، ص: ۱۲۵

۲۔ دھرمانند کوسمبی، بھگوان بدھ، ص: ۳۱۳۔۳۱۴

۳۔ Max Muller Vinaya texts vol 1 P.64

یہی وجہ ہے کہ برسات کے موسم میں تین مہینوں تک بھکشوؤں کو گوشہ عزلت سے باہر نکل کر گھومنے پھرنے کی ممانعت ہے تاکہ حشرات الارض پاؤں سے کچل نہ ڈالے جائیں۔[1]

لیکن اتنے احکامات کے باوجود بھی اہنسا کے مبلغ گوتم بدھ گوشت خوری کے مخالف نہ تھے۔ ان کے زمانے میں گوشت خوری بلکہ گائے کے گوشت کھانے کا عام رواج تھا۔[2] نہ ہی انہوں نے کبھی گاؤ کشی یا گوشت خوری کے خلاف کوئی صدا بلند کی اور نہ ہی کسی قسم کی کوئی تحریک چلائی۔ بلکہ تاریخ شاہد ہے کہ وہ خود بھی گوشت سے رغبت رکھتے تھے اور کھاتے بھی تھے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے انتقال سے قبل سور کا گوشت کھایا تھا اور یہی ان کی موت کی وجہ بھی بنی اور وہ مر گئے۔[3]

گوتم بدھ

جین ازم کے سب سے آخری تیرتھنکر مہابیر سوامی کی طرح گوتم بدھ بھی سب سے آخری بدھ ہیں، ان سے پہلے چھ بدھ اور آچکے ہیں ان سب کے نام یہ ہیں(۱) سکھی(۲) وپسّی (۳)ویسبھو (۴) ککوسنگھ (۵) کرناگن(۶) سُپ۔ 'مہاپدان ست' میں ان سب کے حالات زندگی اجمالاً بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن وپسّی بدھ کی محیر العقول داستانِ حیات بڑی تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ ان کی عمر کے سلسلے میں گوتم بدھ کے حوالے سے اسّی ہزار سال بیان کیا گیا ہے۔[4] یہ تمام شخصیتیں بجائے تاریخی ہونے کے افسانوی مقام رکھتی ہیں۔

سب سے آخری بدھ یعنی مہاتما گوتم بدھ جو یہاں زیر بحث ہیں، تاریخی لحاظ سے ان کا کچھ مقام نظر تو آتا ہے۔ لیکن یہ بھی دھندلکے میں ایسے گم ہیں کہ آج تک کوئی ان کی ذات پر اٹھنے والے شکوک وشبہات سے پر اعتراضات کا دفاع نہ کر پایا کہ گوتم بدھ کون تھا، ان کا تعلق کس خاندان سے تھا، کون سی جگہ اور کس زمانہ میں ان کی پیدائش ہوئی، کیا ان کے والد واقعی بادشاہ تھے یا عام شہری، بیوی بچے اور گھر بار چھوڑنے کے اسباب ومحرکات کیا تھے اور کس حال میں انہوں نے چھوڑا، گیان حاصل کرنے سے پہلے انہیں کن کن مراحل سے گذرنا پڑا، انہوں نے کیا تعلیم دی اور حقیقی تعلیم ان کی کیا تھی، انہوں نے اپنے آپ کو عوام الناس کے سامنے نبی، اوتار

۱۔ Vinayatexts vol.1 P.298
۲۔ بھگوان بدھ، ص: ۳۲۰
۳۔ ایضاً، ص: ۳۸۱
۴۔ ایضاً، ص: ۴۰۸۔۴۰۹

یا خدا، کس حیثیت سے پیش کیا، اوراپنے مذہب کو فروغ دینے کیلئے کون سا طریقہ اور کیا کیا اسباب اختیار کئے، ان کی خود کی حالات زندگی کتنی پاکیزہ اور بلند تھی یا اس کے علاوہ (برعکس)۔ اسی طرح لاتعداد بدھ فرقوں میں سے کون سافرقہ اصل اور حقیقی بدھ مت سے قریب تر ہے۔ یہ ایسے پریشان کن سوالات ہیں کہ جن کا صحیح اور اطمینان بخش جواب دینا نہایت مشکل کام ہے۔ ان میں سے کوئی سوال ایسا نہیں کہ جس کا ایک سے زائد جواب نہ ہو اور وہ بھی غیر تشفی بخش۔ بعض اوقات تو ایسے متعدد، متضاد اور بعید از عقل افسانوی جوابات کی وجہ سے اصل صورت حال مشکوک ومشتبہ قرار پاتی ہے۔

اس نزاعی مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے مشہور مصنف ڈاکٹر ایڈورڈ کانزے اپنی کتاب (Buddhism, Its Essence and Development) میں لکھتے ہیں:

مؤرخ، جو یہ طئے کرنا چاہتا ہے کہ بدھ کی حقیقی تعلیمات کیا تھیں، ہزاروں تصنیفی تخلیقات سے دو چار ہوتا ہے جن میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہ ہے کہ اسے بدھ کی سند (اتھارٹی) حاصل ہے۔ حالانکہ ان کی تعلیمات ایک دوسرے سے انتہائی مختلف بلکہ متصادم ہیں۔ بعض بااثر مصنفین نے جو غیر تقلیدی رجحانات کے حامل ہیں، حال ہی میں اس بات پر زور دیا ہے کہ انسان کو حقیقی بدھ نظریات لازماً ان تعلیمات میں تلاش کرنا چاہئے جو گوتم بدھ نے واقعۂ پانچ سو قبل مسیح میں دی تھیں۔ اس نظریہ نے کچھ خشونت پیدا کردی ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ موجودہ اور ممکن الحصول نوشتوں میں سے قدیم ترین تحریروں تک رسائی بھی غیر یقینی استنتاج اور ظن وگمان ہی سے ہوتی ہے۔ ان تمام کوششوں کا واحد مقصد صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ ایک اصل بدھ مت کی تعمیر نو کی جائے۔ یہ سارے مصنفین اس بات پر متفق ہیں کہ بدھ کی حقیقی تعلیم وہ نہیں ہے جو بدھ کے ماننے والے سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد ڈاکٹر ایڈورڈ کانزے نے کچھ مغربی محققین کا جائزہ لیا ہے کہ انہوں نے بھی اپنی سعی اور کوشش کے بعد بدھ مت کے کچھ اجزاء بالائے طاق رکھ کر اپنے افکار وخیالات کے مطابق اصل بدھ مت کی تخلیق کی جو دوسرے محققین کے اصل بدھ مت سے بالکل مختلف ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر ایڈورڈ کہتے ہیں کہ میں یہ اقرار کرتا ہوں کہ مجھے یہ نہیں معلوم کہ بدھ مت کا اصلی پیغام کیا تھا۔[1]

۱۔ Dr. Kanze Budhism, Its Essence and Development, P.28

موصوف مزید فرماتے ہیں کہ ایک اور اہم تعلیم وہ ہے جو سوتر اور شاشتر کے درمیان ہے، سوتر وہ متن ہے جس کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ خود گوتم بدھ کا کہا ہوا ہے .... بہت سے سوتر گوتم بدھ کے وفات کے صدیوں بعد تیار کئے گئے ہیں، جن سوتروں کو خود بدھ نے تاریخی نہیں کہا ہے اس کے حقیقی مصنف قطعاً غیر معلوم ہیں۔ بعد میں مرتب کئے جانے والے ان سوتروں کی قدر و قیمت کے بارے میں خود بدھ کے ماننے والوں میں اختلاف پیدا ہو گیا اور وہ دو فرقوں میں بٹ گئے ایک فرقہ کا نام ہنایان ہوا یعنی چھوٹی سواری، اس فرقہ کا نظریہ یہ تھا کہ جو سوتر ۴۸۰ قبل مسیح کے خاصے زمانے کے بعد مرتب کئے گئے ہیں اور اس پہلی کونسل میں (جو بدھ کی موت کے فوراً بعد منعقد ہوئی تھی) پڑھ کر نہیں سنائے گئے تھے وہ مستند نہیں ہو سکتے، وہ بدھ کے اپنے الفاظ نہیں ہو سکتے، شاعری افسانوں سے زیادہ ان کی حیثیت نہیں ہو سکتی، دوسرے فرقے نے جو مہایان یعنی بڑی سواری کے نام سے معروف ہے تمام تاریخی مشکلات کے علی الرغم یہ دعویٰ کیا کہ بعد کے یہ سوتر بھی بدھ ہی کے منہ سے نکلے ہیں [۱]

بدھوں کی تصنیفات بڑی مشکل سے دستیاب ہوتی ہیں اسی بنا پر ڈاکٹر ایڈورڈ کا کہنا ہے کہ ہمیں بدھ ازم کی اصلیت اور تاریخ کا علم ان کے اصل تصنیفات ہی کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے لیکن نہایت افسوس کا مقام ہے کہ چند اجزاء کے سوا اور کچھ دستیاب نہیں ہو پاتا ہے۔ ان کی تحریر ملاحظہ فرمائیے:

بدھوں کے تصنیفی و تخلیقی نتائج بہت زیادہ تھے۔ ہم تک اس کے صرف چند بچے کھچے اجزاء ہی پہنچے ہیں۔ اس لئے بدھ مت سے متعلق ہماری تاریخ ہمیشہ ناقص اور آزمائشی رہے گی۔ تقریباً چار سو سال تک روایات کو صرف زبانی منتقل کیا جاتا رہا۔ زبانی طریق روایات کو ترجیح دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ قدیم ترین دستاویزوں میں سے بہت کچھ تلف ہو چکی ہیں، نوشتوں کے دور کے بارے میں بھی ہم کسی حد تک تاریکی میں ہیں۔ آگے لنگوئس اور سینبوز کا حوالہ دیتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی ٹیسٹ بک جو Historical Method پر ہے) میں بیان کیا ہے کہ جس دستاویز کا مصنف، تاریخ اور ماخذ معلوم نہ ہو وہ دو کوڑی کی ہے۔ افسوس جن دستاویزوں پر ہم بدھ مت کی تاریخ تعمیر کرتے ہیں ان سب دستاویزوں کا حال یہی ہے، ہندوؤں نے تاریخ سے متعلق تاریخوں سے ہمیشہ تقریباً مکمل بے اعتنائی برتی ہے۔ ہندوستانی بدھسٹ بھی

۱۔ Budhism; its Essence and Development P.29-28

اسی رویہ میں ان کے شریک کار ہیں۔ ان تاریخوں کے سلسلے میں بھی جو بنیادی ہیں۔ جیسے بدھ کا زمانہ، ان کے تخمینے، بڑی حد تک ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مغربی محققین بدھ کی وفات کی تاریخ عموماً ۴۸۳ ق م بتاتے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں بدھ روایات بہت سی دوسری تاریخیں ہمارے سامنے رکھتی ہیں۔ مثلاً ۸۵۲ ق م۔ یا ۶۵۲ ق م۔ یا ۵۵۲ ق م۔ یا ۳۵۳۔ حتی کہ ۲۵۲ قبل مسیح بھی۔ تاریخ کے ایک مضبوط چوکھٹے کے بغیر ہم بدھ کی تاریخ میں واقعات کے زمانی تسلسل کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں، اس کی حیثیت خوشنما قیاس آرائی سے زیادہ کچھ نہیں ہوسکتی[۱]

یہ ڈاکٹر ایڈورڈ کی تحقیق تھی۔ اس کے علاوہ اور دوسرے مغربی محققین کی رائے بھی بدھ ازم کے سلسلے میں بڑی تفصیل کے ساتھ ہے جو ایڈورڈ کی تحقیق سے مختلف نہیں ہے بلکہ اسی کی تصدیق کرتی ہے۔ لیکن ان مغربی محققین کے علاوہ خود ہمارے ہندوستانی محققین جو بدھ ازم سے مذھباً تعلق رکھتے ہیں، ان کے نظریات پیش کیا جانا یہاں پہ زیادہ مناسب ہوگا تاکہ مغربی محققین کی رایوں کو تعصب کا شکار کہہ کر یکسر رد نہ کر دیا جائے۔

ہندوستانی محقق کوسمبی جی اپنی معرکۃ الآراء کتاب بھگوان بدھ میں بغیر کسی تکلف اور تأمل کے اعتراف کرتے ہیں کہ بدھ مت کی حقیقت نیز گوتم بدھ کی شخصیت من گھڑت افسانوں میں گم ہوگئی ہے۔ وہ بدھ مت کے مذہبی نوشتوں کی روایات کو نقل کر کے انہیں من گھڑت کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ لیکن کوسمبی جی کو صداقت کی تلاش وجستجو درکار ہے لہذا وہ بسا اوقات انہیں من گھڑت افسانوں میں سچائی اور حقیقت کی کھوج میں سرگرداں نظر آتے ہیں[۲]

گوتم بدھ کے اعضاء جسمانی کے ذریعہ بھگت لوگوں نے پیشین گوئی کرنے کی کافی حد تک کوشش کی ہے۔ جیسا کہ اکثر بدھ گرنتھوں میں اس طرح کے تذکرے تفصیلی طریقے پر جابجا ملتے ہیں۔ کوسمبی جی اس سلسلے میں اپنا تجزیہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اس میں کوئی صداقت ڈھونڈنے کی کوشش اس لئے لاحاصل ہے کہ بھگت لوگ گوتم بدھ کی عظمت جتانے کے لئے ہمیشہ اسطرح کی باتیں کرتے ہیں"[۳]

۱۔ Budhism its Essance Developments P.13

۲۔ بھگوان بدھ، ص: ۱۵۴

۳۔ ایضاً، ص: ۱۵۵

اسی طریقے پر مہاتما بدھ کے گیان اور ریاضت سے پہلے، یعنی رشتہ دار واحباب اور گھر بار کو خیر باد کہنے سے قبل کے ایک واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کوسمبی جی اپنا نظریہ پیش کرتے ہیں:

''ندان کتھا، للت وستر اور بدھ چرت میں اس سلسلے میں بہت خوبصورت تذکرے درج ہیں اور بدھ فن مصوری پر ان کا بہت گہرا اثر ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کہانی میں قطعی اصلیت نہیں ہے''[1]

گوتم بدھ کے گیان حاصل ہونے کے بعد ان کا اپنا نظریہ بلکہ عزم مصمم تھا کہ آبادی سے دور کہیں گوشۂ عافیت اختیار کرلی جائے لیکن اسی لمحہ برھما گوتم بدھ کے پاس خود تشریف لائے اور ان سے دھرم کے پرچار کیلئے مستعد اور تیار ہوجانے کی درخواست کی۔ لیکن کوسمبی جی کو اس سے اتفاق نہیں ہے۔ وہ سرے سے ہی ان خیالات ونظریات سے اعراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ کہانی بڑی تفصیل کے ساتھ مہاوگ اور مجھم نکائے کے، اریہ پریہ سن ست میں درج ہے۔ لیکن یہ کہانی گوتم بدھ کے بارے میں نہیں ہوسکتی۔ یہ کہانی وپسّی بدھ کے بارے میں کسی مصنف نے گھڑی ہوگی اور پھر اسے جوں کا توں گوتم بدھ کے سوانح سے منسلک کردیا ہوگا''[2]

بودھ دھرم کے اصل حقائق سے عدم واقفیت کے ذمہ دار خود گوتم بدھ کے چیلے ہیں۔ کوسمبی جی نے اپنے دھرم کے گمراہ کن خیالات اور دیومالائی کہانیوں میں کھوجانے پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے پوری طرح انہیں ہی اس کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ بدھ چیلوں کی انتہائی مبالغہ آمیز تعداد پر تبصرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''بدھ دھرم کے زوال کی اہم وجہ یہی تھی کہ اپنے دھرم اوراپنی جماعت کی اہمیت بڑھانے کے لئے بدھ بھکشوؤں نے بے سرپیر کی داستانیں گڑھنا شروع کیں اور برہمنوں نے ان سے بھی زیادہ عجیب وغریب داستانیں گھڑ کر بھکشوؤں کو شکست فاش دی''[3]

یہ بدھ مت کے ایک اعلیٰ درجہ کے محقق ومبلغ اور گوتم بدھ کے شیدائی دھرمانند کوسمبی جی کے ملاحظات ہیں۔ اور ان کی پوری کتاب بھگوان بدھ شروع سے آخر تک اسی طرح کے تبصروں سے بھری پڑی ہے۔ انہوں نے بودھ مت کی صحیح معرفت حاصل کرنے کیلئے سنسکرت اور پالی دونوں زبانوں پر خاصا عبور حاصل کیا، چونکہ بدھ مت کا اکثر وبیشتر سرمایہ پالی زبان میں ہے۔

☆☆☆

۱۔ بھگوان بدھ، ص: ۱۷۳

۲۔ ایضاً، ص: ۲۰۲۰

۳۔ ایضاً، ص: ۲۲۵

بدھ مت کی تعلیمات

مندرجہ بالا وضاحت سے یہ بات تقریباً آشکار ہوجاتی ہے کہ ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی یقینی ذریعہ نہیں ہے کہ فی الواقع گوتم بدھ کی تعلیم کیا تھی۔ کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی میں کوئی نوشتہ یا کوئی کتاب وغیرہ نہیں لکھوائی۔ انہوں نے اپنے مذہب کے عقائد اور احکام سے متعلق کوئی ایسا مجموعہ مرتب نہیں کرایا کہ جس سے ان کی تعلیمات خود ان کی زبانی معلوم کی جاسکیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان کے بھکشوؤں نے بھی گوتم بدھ کی حیات میں موت کے فوراً بعد ہی ان کی تعلیمات کو ضبط تحریر میں لانے کی سعی نہیں کی۔ البتہ بعض کمزور روایتوں سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ گوتم بدھ کے نروان حاصل کرنے کے بعد راج گر یہہ (راج گیر) میں ایک مجلس کا انعقاد کیا گیا تھا جس میں گوتم بدھ کے دو مخصوص بھکشوؤں نے اس کی تعلیمات پر زبانی لکچر دیئے تھے۔ لیکن اول تو خود انہیں روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں کے ملاحظات کو ضبطِ تحریر میں نہیں لایا گیا۔ دوسرے یہ کہ تاریخ یہ ضمانت پیش کرنے سے قاصر نظر آتی ہے کہ آیا کونسل فی الواقع منعقد ہوئی بھی تھی یا نہیں۔ مہاپر نبّان ستر ایک ایسی اہم اور مستند کتاب تسلیم کی جاتی ہے جس کا تعلق خاص گوتم بدھ کی حیات اور حالات سے ہے۔ یہ کتاب مذکور کونسل کے بارے میں بالکل خاموش نظر آتی ہے۔[۱]

مولانا مودودی صاحب میکس مولر کا دیباچہ 'سیکرڈ بکس آف دی بدھسٹ' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

موجودہ کتابیں جو اس مذہب کے متعلق ہماری معلومات کا تنہا ذریعہ ہیں، سو یہ سب بودھ کے بہت بعد کی تصنیف ہیں۔ اس کے انتقال پر ایک صدی گذر چکی تھی جب ویشالی میں اس مذہب کے اعیانِ دائمہ کی ایک کونسل منعقد ہوئی اور بڑے مباحثہ کے بعد اس کے اصول اور عقائد و احکام کو مرتب کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر اس کے متعلق دیپ ومساء کا مصنف ہمیں گوش گذار کرتا ہے کہ اس میں بھکشوؤں نے اصل مذہب کے اصول بدل دئے۔ اس کے عقائد و احکام میں بہت کچھ ترمیم وتنسیخ کی اور اصل سوتروں کو بدل کر تنے ستر بنالئے، اسی زمانے میں بودھ مذہب کو ضبط تحریر میں لانے کا سلسلہ شروع ہوا اور پہلی

۱۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، الجہاد فی الاسلام، ص: ۳۸۹

صدی عیسوی یعنی چار سو برس تک یہ سلسلہ جاری رہا، لیکن آخری زمانے میں اس مذہب کو پھر تحریف سے دوچار ہونا پڑا یہاں تک کہ اس کے بنیادی اصول بھی بدل گئے................ بودھ مت میں آخری تحریف کنشک کے زمانے میں ہوئی جو پہلی صدی عیسوی میں گذرا ہے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ماتحت کشمیر میں جو کونسل منعقد ہوئی تھی اس میں اسی تحریف و تنسیخ کے ساتھ بودھ مذہب کے قوانین مرتب کئے گئے تھے۔ ان جدید قوانین کو ایک چھوٹے سے فرقے نے رد کر دیا مگر پیروانِ بدھ کے سوادِ اعظم نے جو اصطلاح میں مہایان فرقہ کہلاتا ہے انہیں تسلیم کر لیا[۱]

ان حقائق کی روشنی میں یہ بات پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ مذہبی کتابوں کا اطلاق جن بنیادوں پر ہونا چاہئے وہ تقریباً مکمل طور پر بودھ مذہب میں مفقود نظر آتا ہے۔ لہذا کسی سند اور وثوق کے ساتھ یہ معلوم کرنا کہ بودھ کی اصل تعلیمات کیا تھیں، یہ ایک پیچیدہ مسئلہ بن گیا ہے۔ ہاں ان کتابوں کے سلسلے میں جو عہد کنشک کے آخری عملِ تحریف سے بچ کر ہم تک پہنچی ہیں ان پر بادلِ نخواستہ کچھ اعتماد کیا جا سکتا ہے اور بودھ دھرم میں یہی معتبر بھی سمجھی جاتی ہیں۔ دوسرے مذاہب کی مقدس کتابوں کی طرح ان کے یہاں بھی یہ کتابیں مقدس اور باعظمت شمار کی جاتی ہیں۔ انہیں کے اصول وقواعد کے مطابق وہ اپنا راہِ عمل اور نجات کا راستہ تلاش کرتے ہیں۔ ان کی یہ مقدس کتابوں کی تعداد تین ہیں۔ مختصراً ان کتابوں کا تعارف ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ ونائی پٹک: یہ کتاب زاہدانہ زندگی کے قوانین کا مجموعہ ہے اور ایسے واقعات وقصص بھی یہاں ملتے ہیں جو سنگھ اور بدھ کونسل کی ترقی سے متعلق ہیں۔ ۳۵۰ ق م سے تقریباً ۲۵۰ ق م تک مختلف ایام میں مرتب ہوا ہے، مگر اس کے مصنف یا مصنفوں کا پتہ نہیں ملتا۔

۲۔ سُت پٹک اس کتاب میں حصول نجات کا طریقہ یا بودھ مت کے فلسفہ واخلاق پر بودھ کے اقوال جمع کئے گئے ہیں۔ اس مجموعہ کے مصنف اور زمانۂ تصنیف کے متعلق بھی تاریخ میں کسی قوم کی معلومات محفوظ نہیں ہیں۔ اور انہیں پانچ حصوں

۱۔ الجہاد فی الاسلام ص: ۳۹۰

میں تقسیم کیا گیا ہے (۱) طویل خطبات ومواعظ (۲) مختصر خطبات ومواعظ (۳) متوسط خطبات ومواعظ (۴) عالمانہ خطبات ومواعظ (۵) بقیہ دوسرے خطبات ومواعظ۔

۳۔ ابی دھم پٹک: یہ کتاب زیادہ تر بودھ دھرم کے فلسفۂ اخلاق اور مابعد الطبیعات پر مشتمل ہے، اس کتاب کے متعلق ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے کہ یہ تیسری صدی قبل مسیح کے خاتمہ سے پہلے موجود تھی۔[1]

☆☆☆

۱۔ الجہاد فی الاسلام، ص: ۳۹۱

چار مقدس صداقتیں اور اس کی تشریحات

بدھ مت کے متبعین عرصۂ دراز سے بے شمار فرقوں میں منقسم ہیں اور ان میں سے ہر ایک فرقہ کا بودھ مت دوسرے سے بالکل جدا ہے۔ البتہ کچھ بنیادی باتیں مشترک بھی ہیں۔ ان مشترک باتوں میں جو اہم ترین اور ان کے نزدیک مستند تسلیم کئے جاتے ہیں وہ چار معزز صداقتیں (Four Noble Truths) ہیں اور یہ بودھ مت کی بنیاد بھی کہلاتی ہیں۔ یہ چاروں صداقتیں حقیقت میں اس بدھ سے متعلق ہیں جسے یہ کتابیں (تری پٹاکہ وغیرہ جو گوتم بدھ کے گذر جانے کے طویل عرصہ بعد مرتب کی گئی تھیں) پیش کررہی ہیں۔ اس حقیقی بودھ سے متعلق نہیں ہیں کہ جن کی سچی اور حقیقی تاریخ سے ہمیں عدمِ واقفیت ہے۔

گوتم بدھ کی تعلیم کا جو ہر جو (بدھ مت کے) تمام مکاتب (فکر) کے نزدیک مسلم سمجھا جاتا ہے، اسے چار مقدس صداقتوں کی شکل میں ترتیب دیا گیا ہے۔ اور یہ وہ صداقتیں ہیں جن کی تبلیغ گوتم بدھ نے گیان حاصل ہونے کے بعد ہی شہر بنارس میں کی تھی۔ اس بنیادی تعلیم کی تشریح سے قبل اسے ایسے فارمولہ کے ذریعہ پیش کیا جانا زیادہ مناسب ہوگا جسے ڈاکٹر ایڈورڈ کانزے نے بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے:

۱۔ ''غم کے بارے میں مقدس صداقت کیا ہے؟

پیدائش غم ہے، بڑھاپا غم ہے، بیماری غم ہے، موت غم ہے، جسے کوئی شخص پسند نہ کرتا ہو اس کا ساتھ ہونا غم ہے، جسے کوئی شخص پسند کرتا ہو اس سے جدائی غم ہے، مطلوب شئی کو نہ پانا غم ہے.........................

۲۔ غم کی پیدائش کے بارے میں مقدس صداقت کیا ہے؟

غم کا سبب وہ خواہش ہے جو دوبارہ جنم کا موجب بنتی ہے۔ خواہش کے ساتھ مسرت اور ہوا و ہوس لگے ہوئے ہیں جو مسرت اور خوشی کو یہاں اور وہاں ہر جگہ تلاش کرتی پھرتی ہیں۔ مثلاً حواس کے ذریعہ محسوس کرنے اور لطف اندوز ہونے کی خواہش، اپنے آپ کو زندہ جاوید بنانے کی خواہش، فنا کی خواہش۔

۳۔ تمام غموں کوختم کرنے کے سلسلے میں مقدس صداقت کیا ہے؟
اس خواہش کو مکمل طور پر ختم کر دینا، خواہش سے دست بردار ہو جانا، خواہش کو تج دینا، خواہش کو پسِ پشت ڈال دینا، خواہش سے نجات حاصل کرنا اور اس سے تعلق منقطع کر لینا۔

۴۔ وہ اقدامات جو تمام غموں کے خاتمے کا موجب بنیں ان کے بارے میں مقدس صداقت کیا ہے۔
حسب ذیل امور پر مشتمل ہشت پہلو مقدس راستہ ہے،
(۱) صحیح اعتقاد، (۲) صحیح نیت (۳) صحیح قول، (۴) صحیح رویہ، (۵) صحیح ذریعہ معاش، (۶) صحیح جدوجہد، (۷) صحیح لحاظ، (۸) صحیح مراقبہ'' [۱]

۱۔ صحیح عقیدہ — یعنی مذکورہ بالا چاروں بنیادی صداقتوں کو اچھی طرح سمجھنا۔
۲۔ صحیح ارادہ (نیت) — ترکِ لذت کا مصمم فیصلہ اور دوسروں کو تکلیف پہنچانے اور ذی روح مخلوقات کو ایذاء دینے سے کامل پرہیز۔
۳۔ صحیح قول — بدزبانی یا بدگوئی، غیبت اور جھوٹ سے احتراز۔
۴۔ صحیح رویہ — بدکرداری، قتل نفس اور خیانت سے اجتناب۔
۵۔ صحیح معیشت — جائز طریقہ سے روزی حاصل کرنا۔
۶۔ صحیح جدوجہد — دھرم کے احکام کے مطابق عمل کرنا۔
۷۔ صحیح لحاظ (حافظہ) — اپنے گزشتہ اعمال کو یاد رکھنا۔
۸۔ صحیح مراقبہ (تخیل) — راحت اور مسرت سے بے نیاز ہو کر عدمِ محض (نروان) پر اپنی توجہ مرکوز کرنا۔

اس طریق ہشت گانہ کو عملی شکل میں لانے کے لئے بودھ نے دس اخلاقی احکام دیئے ہیں، جن میں سے پانچ مؤکد ہیں اور پانچ غیر مؤکد یہ احکام حسب ذیل ہیں:
۱۔ کسی کی جان نہ لو۔
۲۔ چوری نہ کرو۔

۱۔ Budhismessance Developments P.43

بدھ ازم میں خدا کا تصور

گوتم بدھ کے مذکورہ چار بنیادی صداقتوں میں نہ ہی خدا کی حقیقت و ماہیت کا کوئی تذکرہ ہے اور نہ اس کی پرستش اور احکام وفرمانبرداری کے طرف کسی بھی انداز میں رہنمائی کی گئی ہے۔ بلکہ خدائی طاقت، اس کی نصرت اور رحمت وشفقت کے بغیر ہی انسانوں کے لئے دکھوں اور مصیبتوں سے نجات کا علاج تجویز کیا گیا ہے۔ یہیں سے ایک نہایت اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا گوتم بدھ منکر خدا اور نظریہ الحاد کے قائل تھے۔ اگر ایسا ہے تو تاریخ کے اوراق اس کی شہادت پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اس کے برعکس ان کے اقوال سے خدا کی ذات کا انکار، اس سے انحراف اور دوری اس طرح کی باتیں بھی ظاہر نہیں ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر ایڈورڈ کانزے نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ گوتم بدھ کی تعلیمات سے خدا کی ذات کا انکار لازم نہیں آتا ہے اور نہ ہی کوئی ایسا واضح ثبوت ملتا ہے جس کی وجہ سے یہ کہا جاسکے کہ بدھ ازم منکر خدا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ایڈورڈ کا تبصرہ قابل ملاحظہ ہے:

''بسا اوقات یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بدھ مت ایک ملحدانہ طریق فکر ہے۔ اس مفروضہ نے بہت سے مباحث کھڑے کردئے ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ چونکہ بدھ مت خدا کونہیں جانتا اس لئے وہ مذہب نہیں ہوسکتا۔ کچھ دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ چونکہ بدھ مت ہی وہ مذہب ہے جو خدا کو نہیں جانتا، اس لئے خدا پر یقین مذہب کا لازمی جزء نہیں ہے۔ ان مباحث میں یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ خدا ایک غیر مبہم اصطلاح ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اس سیاق وسباق میں اس اصطلاح کے کم از کم تین معنی بتائے جاسکتے ہیں۔

۱۔ اولاً ایک شخصی خدا (Personal God) جس نے کائنات کو پیدا کیا۔

۲۔ دوسرے گاڈ ہیڈ (God Head) جسے غیر شخصی تصور کیا جاتا ہے۔

۳۔ تیسرے دیوتاؤں (Gods) کی ایک تعداد یا فرشتوں کی، جو دیوتاؤں سے واضح طور پر ممتاز نہیں ہے۔

جہاں تک مفہوم کا تعلق ہے، تو بدھ مت کی روایات سے خالق کائنات کے وجود کا انکار

ظاہر نہیں ہوتا ہے۔ البتہ کائنات کو پیدا کرنے کے معاملے میں بھی ان روایات سے کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ اس کی تخلیق کس کے ہاتھوں اور کس نوعیت سے ظہور میں آئی۔ بدھ مت کے نظریئے کا اصل اور واحد مقصد صرف یہ ہے کہ موجودات کو غم سے کسی بھی طرح نجات دلایا جائے۔ لہذا کائنات کی تخلیق جیسے مباحث وقیاسات سے صرف اوقات کا ضیاع ہی نہیں ہے بلکہ لوگوں کے درمیان عداوت ونزاع کی شکل میں یہ ایک غیر مختتم فتنہ ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ فتنہ غم سے نجات کے مقصد کو پس پشت ڈالنے کا باعث بن جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بدھ مت کے ماننے والے شخصی خالق کے مسئلہ میں بغیر کسی کدوکاوش کے لاادریت کا رویہ اپنا نا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ بدھ ازم برہما پر.......... بدھ کی فوقیت جتانے میں خاموش نہیں رہتا بلکہ وہ بدھ کو اس سے اعلیٰ وافضل تسلیم کرتا ہے۔ اور برہما کے کمتر اور گھٹیا کے ثبوت میں اس کی تصویر کشی اس انداز میں کرتا ہے کہ وہ (برہما) غرور کا شکار ہو گیا تھا، کیونکہ اس نے اپنی ذات کے برتر اور افضل ہونے میں یہ تصور کیا:

میں برہما ہوں، میں برہما ہوں، دیوتاؤں کا بادشاہ! میں غیر مخلوق ہوں! میں نے دنیا کو پیدا کیا ہے! میں دنیا کا مقتدرِ اعلیٰ ہوں! میں تخلیق کر سکتا ہوں! میں الٹ پلٹ سکتا ہوں! میں جنم دے سکتا ہوں! میں تمام چیزوں کا باپ ہوں![1]

بدھوں کی مذہبی کتابوں میں بجا طور پر اس بات کی نشان دہی موجود ہے کہ 'تاتھا گاتا' (گوتم بدھ) اس قسم کے بچکانہ تصورات سے مبرا نہیں ہیں۔ یہاں پہ تنقید نفس خالقیت پر نہیں ہے بلکہ مظاہرہ خودی پر ہے۔ چونکہ بدھ مت کے روسے کمال نام ہے نفی خودی کا نہ کہ مظاہرہ خودی کا، اور یہاں پہ برھما کے مذکورہ بالا خیالات سے خودی کا مظاہرہ ثابت ہورہا ہے۔ لہذا ان الفاظ سے خالق کائنات کا انکار مراد نہیں ہے بلکہ صرف برہمن واد کے تصور خدا پر ایک طنز ہے۔

اگر کائنات کے شخصی خالق سے بے اعتنائی الحاد ہے تو بجا طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بدھ مت ایک ملحدانہ مذہب ہے۔

ڈاکٹر کانزے اپنا نظریہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم آج کل الڈویس ہکسلے کی تحریروں کے ذریعہ God (خدا) اور God Head (نروان)[2] کے درمیان جو اصول فلسفہ،

۱۔ Budhism Its Essance Development P.39

۲۔ بدھ مت میں نروان کا معنی ہے انسان میں خدائی صفت کا پیدا ہو جانا۔

کی بنیادی شئی سمجھی جاتی ہے، اس کے امتیاز سے کسی حد تک مانوس ہیں۔ کیونکہ سچی فکر کی زیادہ متصوفانہ اور باطنی (Mystical) روایات میں God head کی جو صفات تصور کی گئی ہیں جب ہم ان کا مقابلہ نروان (نجات) (بدھ مت کے عقیدے کے مطابق) کی صفات سے کرتے ہیں تو ہمیں ان دونوں کے درمیان کوئی امتیاز نظر نہیں آتا۔ یہ بات بھی تقریباً کسی حد تک درست ہے کہ کائنات میں نروان کا کوئی کام نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ (بدھ مت کی رو سے) یہ دنیا خدائی دنیا نہیں ہے۔ یہ ہماری اپنی خواہشات اور حماقت کی بنائی ہوئی دنیا ہے............لیکن دوسری طرف ہمیں اس کی بھی تلقین کی جاتی ہے کہ نروان دائمی ہے، محکم ہے، غیر فانی ہے اور امر ہے، غیر متغیر ہے، اس پر وقت کا اثر نہیں ہوتا، اس پر موت طاری نہیں ہوتی، وہ کبھی پیدا نہیں ہوا، درازی ہے، اس پر حالات طاری نہیں ہوتے، سعادت اور مسرّت ہے، محفوظ جائے پناہ ہے، ملجا وماوی ہے، ایسی حفاظت کی جگہ ہے جسے خطرہ لاحق نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ حقیقی صداقت اور اعلیٰ ترین حقیقت ہے۔ کیونکہ وہ خیر ہے، وہ اعلیٰ ترین منزلِ مقصود (God) اور مطمحِ نظر ہے۔ وہ ایک ہے، ہماری زندگی کی واحد غایت ہے، دائمی وابدی ہے، مخفی ہے اور نا قابل فہم سکنیت وطمانیت کا موجب ہے۔

علی ہذا القیاس گوتم بدھ جو کہ یقینی طور پر نروان کا جسمانی ظہور ہے، وہ کلی طور پر ان تمام جذبات کا موضوع بن جاتا ہے جنہیں ہم مذہبی کہنے کے عادی ہیں[۱]

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ نروان اور گاڈ ہیڈ کو ڈاکٹر ایڈورڈ کانزے نے ہم معنی قرار دیا ہے اور اس میں کوئی امتیاز نہیں برتا ہے اس حیثیت سے بدھ مت میں نروان حاصل ہوجانے کا مطلب ہوتا انسان میں خدائی صفت کا پیدا ہوجانا یا انسان کا خدائی صفت سے ملحق ہوجانا۔ گویا نروان God (شخصی خدا) تو نہیں لیکن بلاشبہ God Head ضرور ہے۔ لہذا بدھ مت کو ملحدانہ مذہب تسلیم کرنا اس کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ بدھ کے تصور نروان کو گیرائی وگہرائی کے ساتھ دیکھا جائے تو بلاشبہ یہ نروان ان ہی خصوصیات کا قسم نظر آتا ہے جو کائنات کے خالق حقیقی کی شان ہیں۔ بایں طور کہا جاسکتا ہے کہ واضح تصور خدا تو بدھ مت میں مفقود ہے لیکن نروان کو پیش نظر رکھتے ہوئے تاویلات کا سہارا لے کر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ کسی نہ کسی شکل میں بدھ نے ایک مافوق الفطرت وجود کو تسلیم کیا ہے۔

☆☆☆

۱۔ Budhism Essance and Development P.41

بدھ مت اور شرک

بدھ مت کی اس سرگرم تحریک کے پیچھے یقینی طور پر بخت واتفاق کا بہت بڑا عنصر موجود تھا، اسی وجہ کر دیوتاؤں کی ایک کثیر تعداد سے تحفظ اور امداد طلب کی جاتی تھی۔ علل واسباب اور بھی ہو سکتے ہیں لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بدھوں کو لامتناہی دیوتاؤں کی پرستش پر کوئی ناگواری ہو۔ ایک غیور خدا کا تصور (جس کی غیرت دوسروں کی خدائی کو برداشت نہ کر سکے) ان کے یہاں بجا طور پر ایک نامانوس صداقت ہے۔ ساتھ ہی ایک مہمل عقیدہ ان کی رگ وپے میں سرایت کر چکا ہے کہ کوئی بھی شخص ایسا نہیں جس کا فہم وبصیرت محدود نہ ہو اس لئے یہ پتہ لگانا انتہائی مشکل کام ہے کہ ہم حق پر ہیں اور فلاں شخص گمراہ اور باطل راستہ پر ہے۔ بدھ مت کے ماننے والے عیسائی فرقہ کیتھولک کی طرح اس بات پر اعتماد رکھتے ہیں کہ عقائد کو اسی وقت زندہ رکھا جاسکتا ہے جبکہ اسے متوسط انسان کی ذہنی عادات کے مطابق اختیار کیا جائے، لہٰذا نتیجتاً بدھ نوشتوں میں برہمن واد کے دیوتاؤں کو بغیر کسی تامل کے تسلیم کر لیا گیا ہے۔ پھر مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ بدھوں نے ہر اس دیوتا کو اپنانے کی کوشش کی جس جس مقام پر ان کا وصال ہوتا رہا۔

دھرمانند کوسمبی جی کی تحریر بھی مندرجہ بالا اقتباسات کی مکمل تصدیق کرتی ہے کہ بدھ مت کو منکر خدا یا ملحدانہ مذہب تصور کرنا کسی بھی اعتبار سے درست نہیں ہے کیونکہ اپنشد اور بدھ ادب کی قدیم کتابیں اس طرح کے خیالات کو بے بنیاد ثابت کرتی ہیں۔ کوسمبی جی نے اس الزام کا دفاع زوردار انداز میں بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے، یہاں بغرض ملاحظہ قدرے اختصار کے ساتھ چند اجزاء پیش کئے جارہے ہیں۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ بھگوان بدھ خدا کو نہیں مانتے تھے اس لئے وہ دہریہ تھے۔ لیکن بدھ ادب کی تاریخ یا قدیم اپنشد کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس طرح کے خیالات بھگوان بدھ کے بارے میں بے اصل اور بے بنیاد ہیں.................. خاص ایشور (خدا) کے لفظ کا ذکر 'انگتر نکائے' کے 'تک نپات' (ست ۴۱) میں اور 'مجھم نکائے' کے 'دیودھن' (ست ۱۰۱) میں موجود

ہے................ گوتم بدھ کے زمانے میں سب سے بڑا دیوتا برہما ہی تسلیم کیا جاتا تھا۔ لیکن وہ (برہما) ایک الگ نوعیت کا خالق ہے.......... تخلیق کائنات سے قبل اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ کائنات کے وجود میں آنے پر سب سے پہلے وہ ظہور پذیر ہوا اور پھر دوسرے جاندار پیدا ہوئے .... اس جملے میں مختصر طور پر برہم دیو (برہما) سے متعلق متذکرہ بالا تصور آجاتا ہے اور اس سے برہم دیو کو خالق کائنات بنانے کی برہمنوں کی کوشش واضح طور پر سامنے آجاتی ہے۔[1]

آگے دھرمانند کوسمبی جی بدھ مت کو ناستک اور گوتم بدھ کو ملحد قرار دینے کی علت کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''برہمن لوگ گوتم بدھ پر یہ الزام عائد کرتے تھے کہ چونکہ وہ (مہاتما بدھ) ویدوں کی مذمت کرتے تھے، اس لئے وہ دہریہ (ناستک) تھے لیکن بدھ نے کبھی بھی ویدوں کی مذمت کی ہو، ایسا کوئی تذکرہ نہیں ملتا.......... بدھ اس لئے مطعون قرار دیئے گئے کہ انہوں نے برہمنوں کے نسلی امتیاز پر کاری ضرب لگائی تھی، وید ہی نسلی امتیاز ہے اور نسلی امتیاز ہی وید''۔[2]

مذکورہ بالا حقائق اور بدھ مت کے متعلقات کی روشنی میں حسب ذیل نتائج برآمد ہوئے ہیں:

۱۔ مہاتما گوتم بدھ یقینی طور پر برہمن واد کے نسلی امتیاز کے سخت مخالف تھے۔ اسی بنیاد پر صرف عداوت کے پیش نظر برہمنوں نے ان پر یہ الزام عائد کیا کہ یہ دہریہ اور وید کے مخالف تھے حالانکہ بدھ نے کبھی وید کی مذمت نہیں کی تھی، البتہ انہوں نے ویدک دھرم کی بعض تعلیمات پر سختی کے ساتھ مخالفت اور تنقید یقیناً کی تھی، مثلاً نسلی امتیاز، یگیہ اور یگیوں میں جانوروں کی اندھا دُھند قربانی، وغیرہ۔

۲۔ برہمن اپنے سب سے افضل اور اعلیٰ دیوتا برہما کو خالق کائنات کے درجہ پر فائز کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ جبکہ بدھ مت برہما کی افضلیت اور برتریت کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے۔ یہ برہما کے مقام خالقیت اور افضلیت کو پس پشت ڈالتا ہوا نظر آتا ہے۔ فکر و عمل کا یہ فرق غلط فہمی کا سبب بنا۔ جبکہ گوتم بدھ نے برہمنوں کے سب سے بڑے دیوتا (برہما) پر تنقید تو ضرور کی ہے لیکن اس کے خالقِ کائنات ہونے کا انکار کبھی نہیں کیا ہے۔

۱۔ بھگوان بدھ، ص: ۲۷۹
۲۔ ایضاً، ص: ۲۸۳

۳۔ بدھ تعلیمات کی چاروں مقدس صداقتوں کو اس انداز پر مرتب کیا گیا ہے کہ اس میں کہیں بھی اور کسی بھی وقت خدا کی حاجت در پیش نہیں۔ اس سے گوتم بدھ کے افکار و تعلیمات کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بجا طور پر الہیاتی اور مابعد الطبیعاتی مسائل ومباحث سے کنارہ کش ہوتے ہوئے دامن سمیٹ کر منزلِ مقصود کو پالینے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور امن فکر کا علم بلند کرتے نظر آتے ہیں کہ مصائب ومشکلات کے در پیش ہونے اور خوشی ومسرت، نیز راحت وسکون سے متمتع ہونے میں دیوتاؤں کی رضا مندی یا ناراضگی کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ انسان اپنی کدو کاوش سے ہی مسرت وشادمانی حاصل کرتا ہے اور اپنے سوءِ عمل کے نتیجے میں ہی آلام ومصائب میں گرفتار ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ان کی تعلیمات اور پیغام میں دنیا کے فانی اور غیر فانی ہونے اور اجسام، مادہ اور روح جیسے مباحث سے مکمل طریقے پر گریز کیا گیا ہے۔

گوتم بدھ کے سلسلے میں حتمی طور پر یہ فیصلہ کرنا کہ وہ کیا تھے، موحد، مشرک یا ملحد اس کا علم بجائے باری تعالیٰ کے کسی کے پاس نہیں ہے۔ موجودہ تعلیمات اور ان کی مقدس کتابوں کی روشنی میں موحد نظر آتے ہیں اور نہ ہی ملحد، البتہ مشرکانہ اعمال کے ثبوت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ خواہ یہ ان کی اصل تعلیمات ہوں یا تحریفات کے نتیجے میں یہ بات ان کی طرف منسوب کردی گئی ہو۔ ان کے پیرو بھی مشرکانہ اعمال کے مرتکب ہوتے نظر آتے ہیں۔ مزید یہ کہ انہوں نے صرف مشرکانہ اعمال وحرکات پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس مذہب کے ساتھ اعمال ورسوم میں مصالحت اختیار کرلی جن سے گوتم بدھ نے بغاوت کر کے اہنسا مذہب کی بنیاد ڈالی تھی لیکن ان پیروؤں نے اپنے بانی گوتم بدھ کے فلسفہ مذہب کا کوئی پاس وخیال نہ کیا حتیٰ کہ انہوں نے ہندو میتھالوجی کو اپنانے کے علاوہ مقامی دیوتاؤں کو بھی اپنانے سے گریز نہ کیا۔ مولانا اکبر شاہ نجیب بادی اس خلط مذہب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہیونگ شیانگ کی آمد کے وقت بودھ مذہب میں بہت سے فرقے پیدا ہوگئے تھے اور بودھ مذہب کی مساوات سے تنگ آکر اپنا اقتدار قائم کرنے کے لئے جدوجہد شروع کردی تھی اور پھر قومی مدارج قائم کرنے کے خواہاں تھے، اسی مذہبی کش مکش میں بودھ مذہب کے ایک فرقہ نے مستقل طور پر اپنا ایک ایسا مسلک قائم کرلیا جو برہمنوں کی خواہشات اور بودھ مذہب دونوں کا

مخلوط و مرکب مذہب تھا۔ یعنی انہوں نے جانداروں کی حفاظت کو نیکی قرار دیا، ویدوں کو بے حقیقت اور نا قابل تکریم سمجھا، آگ کی پوجا اور بلدان (قربانی) کو بھی غیر ضروری ٹھہرایا، یہ سب باتیں بودھ مذہب کی تھیں، دوسری طرف ذات پات کی قیود کو تسلیم کرلیا، برہمنوں کے اوتاروں کو بھی اپنے اوتاروں کے بعد دوم نمبر پر قابل تعظیم مان لیا، یہ باتیں برہمنوں کی خواہشات کو پورا کرنے والی تھیں"۔[۱]

بدھ مت کے علمبرداروں نے برہمنی دیوتاؤں کی پرستش کے ساتھ ساتھ گوتم بدھ کو دیوتاؤں کے درجہ سے فائق کر کے خدا کے مقام کو پہنچا دیا۔ صرف خدا ہی نہیں بلکہ تمام معبودوں کا سردار خدائے اعظم قرار دیا۔ یہ فکر نشو ونما پاتا رہا حتی کہ بدھی ستوا کے نام سے بہت سی ہستیوں کو مان لیا اور ان سب کو خدائی اوصاف کا حامل قرار دیا گیا۔ جب کہ گوتم بدھ کی تعلیمات اور ان کی زندگی سے متعلق واقعات وحقائق سے یہ صراحت کہیں نہیں ملتی کہ انہوں نے اپنے آپ کو خدا کا بندہ، اوتار یا دیوتا بتایا ہو۔ البتہ گوتم بدھ کی اصل تعلیمی روح سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ پیغام خدا کے کسی سچے اور مخلص بندے ہی کی جانب سے ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض ایسے حقائق جن کی روشنی میں ان کی شخصیت کا قدرے صحیح تعین ممکن ہوسکتا تھا، پردہ خفا میں جا چکے ہیں۔ اس لئے ان کی ذات کی حقیقت سے ہم محروم ہیں۔ چونکہ ان کی تعلیمات ایک طویل عرصہ تک غیر محفوظ طریقہ پر صرف زبانی بطور قصے اور کہانیوں کے لوگ ایک دوسرے تک منتقل کرتے رہے حتی کہ گوتم بدھ کے گذرنے کے تقریباً سو سال کے بعد پہلا اجتماع ہوا جس میں بودھ کی تعلیمات کو یکجا اور محفوظ کرنے کی لوگوں کو فکر ہوئی۔ حالانکہ اس پہلے اجتماع کے انعقاد ہونے یا نہ ہونے پر بھی کثیر اختلافات پائے جاتے ہیں، جن کی تفصیل ماقبل کے مبحث میں گذر چکی ہے۔

☆☆☆

۱۔ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی، آئینہ حقیقت نما، ص:۸۹

جین ازم

صفحہ

جین ازم، ایک اجمالی جائزہ

جین ازم کا شمار ہندوستان کے قدیم ترین مذاہب میں ہوتا ہے۔ نیز ہندو ازم اور بدھ ازم کی طرح یہ بھی ایک عظیم مذہب تصور کیا جاتا ہے۔ گرچہ اس کے پیروؤں کی تعداد ان دونوں کے مقابلے نہایت قلیل ہے۔ ۱۹۸۱ء کی مردم شماری میں ان کی تعداد تیس بتیس لاکھ سے اوپر نہیں جاسکی[1] بدھ مت کی طرح یہ بھی ویدک دھرم کا ایک متنفر اور باغی فرقہ شمار کیا جاتا ہے۔ ان کا اختلاف بھی تقریباً انہیں بنیادوں پر واقع ہے جن پر بدھ مت کا تھا، لہذا اسکی اساس بھی ہنسا اور تشدد کی مخالفت ہے۔ یعنی یگیہ اور بلدان (قربانی) سے اعراض، اونچ نیچ، ذات پات، اور چھوت چھات کی دیواروں کا انہدام ہے۔ اسی نظریہ نے انہیں ایک حد تک کامیابی کے مدارج سے ہمکنار کرایا۔ اسی نظریے کی روشنی میں یہ فکر بیج سے ایک پودا اور پھر ایک تناور درخت کے مانند بڑھتا گیا جس کی شاخیں ہندوستان کے کونے کونے میں موجود ہیں۔ آغاز میں اس کی حیثیت ایک تنظیم سے زیادہ نہ تھی، لیکن ہندوستان کی سرزمین میں بسنے والی (برہمنوں کے ظلم وتشدد کے شکار) مظلوم قوموں، یگیہ اور بلدان وغیرہ سے کبیدہ خاطر عوام الناس، حقیر جانوروں سے بدتر سلوک کئے جانے والے شودروں اور ملیچھ و چنڈال جیسے القاب سے نوازے گئے لوگوں کے لئے اس راحت کدہ سے بہتر اور کوئی بسیرا یا قیام گاہ اس وقت ہندوستان میں معدوم تھی۔ انہیں وجوہات کی بنا پر جین دھرم کو آغاز سے ہی پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ اور معاونین و متبعین کا ایک بڑا گروہ اسے دستیاب رہا۔ پھر بھی انہیں وہ کامیابی نصیب نہ ہوئی جو اس کے بعد وجود میں آنے والے کم وبیش اسی نظریہ کے علمبردار اور ہم مساوی بدھ مت کو نصیب ہوئی۔ جین مت کے ظہور کے اسباب پر راما شنکر ترپاٹھی اپنی کتاب 'قدیم ہندوستان کی تاریخ' میں یوں گویا ہوتے ہیں:

''چھٹی صدی ق م۔ بنی نوع انسان کی تاریخ میں ایک عصر آفریں دور تھا۔ دنیا کے مختلف خطوں میں جو ایک دوسرے سے کافی دوری پر واقع تھے اس زمانے میں غیر معمولی ذہنی اور روحانی ہیجان پایا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر فارس میں زرتشت اور چین میں کنفیوشش اسی زمانے میں

۱۔ Census of india. New Delhi 1981

اپنی تعلیمات کی اشاعت کر رہے تھے۔ جوشیلی طبیعتیں ہندوستان میں بھی تلاش حق میں سرگرم عمل تھیں اور اس تمام جوش وخروش کا مرکز ''مگدھ'' تھا جہاں پر برہمنی اثرات نہ کبھی اتنے گہرے ہوئے تھے نہ قوی۔ اپنشدون نے بے تکی رسموں اور خونی قربانیوں کے خلاف پہلے ہی سے بغاوت شروع کر دی تھی۔ برہمنوں کی ریا کاری اور تفریق پسندی نے جو عام لوگوں کے لئے عذاب بنی ہوئی تھی، نئے نئے نظریات کے لئے پہلے ہی سے میدان تیار کر رکھا تھا۔ کافی تعداد میں معلمین ملک میں گھوم رہے تھے اور آتما پر ماتما سے متعلق دقیق مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور یہ سمجھا رہے تھے کہ علم وآگہی یا نفس کشی کے ذریعہ پیدائش اور موت کے لامتنا ہی تکلیف سے کس طرح چھٹکارا پایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ بیشمار اصلاحی مکاتیب فکر ابھرے جن میں سے بعض بہت جلد معدوم ہو گئے او ربعض کچھ دنوں کے بعد اپنی افادیت کھو بیٹھے (ان مکاتب فکر کی تعداد بدھ ازم کے ذیل میں بیان کیا جا چکا ہے) ان میں قابل ذکر حسب ذیل ہیں۔

(۱) آجیوک (۲) جنی لک (۳) منڈساوک (۴) پر پورا جک (۵) ماگن ڈک (۶) گوتمک (۷) تیدن وک وغیرہ، ان کے مصلحین کے اسماء گرامی بالترتیب مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) پران کیتا (۲) مکھی گوشال (۳) نگنٹھ (۴) ناٹ پٹ (۵) اجت کیش کم (۶) پکھد کچھابن (۷) سنکیہ بلٹھ پٹ[۱]

ان تمام مذکورہ اور غیر مذکورہ مکاتیب فکر کے بہ نسبت جین مت اور بدھ مت اس قدر توانا ثابت ہوئے کہ اپنی ہیئت اور شکل وصورت کے ساتھ زندہ ہیں اور آج بھی بنی نوع انسان کے فکر وعمل پر کافی حد تک اثر انداز ہیں۔ بعض لوگوں نے اسے بدھ ازم کی شاخ تصور کیا ہے۔ ایس این داس گپتا اس شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے اپنی کتاب 'تاریخ ہندی فلسفہ' میں لکھتے ہیں:

باوجودے کہ جین مت اور بدھ مت کے فلسفیانہ تصورات میں بڑے اختلافات ہیں لیکن ابتداء میں یہ دونوں راہبوں کے دو طریقے تھے اور برہمنیت کے دائرے سے خارج تھے۔ گو بظاہر اس سے کچھ مشابہت رکھتے تھے۔ یورپ کے وہ اہلِ علم جنہوں نے جینی ادب کے ناقص نمونوں کو پڑھا تھا وہ آسانی سے دھوکہ میں پڑ گئے کہ یہ بودھ مت کی ایک شاخ ہے۔ اور وہ ہندوستانی جو جینی

۱۔ قدیم ہندوستان کی تاریخ، ص: ۲۲

ادب سے لاعلم ہیں اکثر ایسی غلطی کرتے ہیں۔ یہ امر قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ یہ خیال غلط ہے اور یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ کم سے کم جین مت بودھ مت کی طرح قدیم ہے۔ سب سے قدیم بودھ مت کی کتابوں میں جینیوں کا ذکر اکثر مخالف فرقے اور ان کے قدیم نام نگنتھ سے ہوا ہے اور ان کے آخری پیغمبر اور رہنما ناتھ پت وردھمان مہاویر کا بھی ذکر آیا ہے۔ اور جینی مذہبی کتابوں میں انہیں بادشاہوں کو مہاویر کا ہم عصر بیان کیا گیا ہے جو بدھ کے زمانے میں تھے[۱]

چونکہ مہاویر گوتم بدھ کے ہم عصر تھے لہذا بانی تصور کرنے کی صورت میں اس شبہ کا پیدا ہو جانا بعید از قیاس نہیں۔ حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ جین مت کے بانی مہاویر قطعاً نہیں ہیں۔ تاریخی حوالے سے ان سے پہلے تیرتھنکر پارشو ناتھ کو تصور کیا جاتا ہے کہ یہ جین مت کے بانی ہیں۔ جب کہ اس کے برعکس جینیوں کا اصرار ہے کہ ہمارا مذہب ازلی اورابدی ہے۔ اور سب سے آخری تیرتھنکر مہاویر ہیں۔ حالانکہ ازلی اور ابدی ہونے کا کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں ہے۔ اور اسے محض دعوی بلا دلیل ہی کہا جا سکتا ہے۔ جین مت کے ازلی اور ابدی ہونے کے سلسلے میں آگے تفصیل آرہی ہے یہاں پارشو ناتھ جو تاریخی حوالے سے ان کے بانی سمجھے جاتے ہیں ان کے بارے میں محققین کی رائے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

مہاویر جین گوتم بدھ کا ہم عصر ضرور ہے لیکن یہ بدھ کی طرح نہ تو بانی مذہب ہے اور نہ ہی بانی فرقہ بلکہ وہ تو ایک راہب ہے جس نے جین مت اختیار کر لیا ہے اور رشی کے درجہ سے ترقی کرتا ہوا سب سے آخری تیرتھنکر ہو گیا۔ اس کا پیش رو پارشوناتھ کا آخری تیرتھنکر مہاویر سے دوسو پچاس سال قبل ظہور ہوا تھا اور ان کے درمیان ایک اور تیرتھنکر ہوا ہے اور پارشوناتھ کے بیشتر وارشٹ نیمی مہاویر کے نروان سے چوراسی ہزار سال قبل فوت ہو چکے تھے۔ ایک قصہ اور ادھیاین سوتر میں مرقوم ہے کہ پارشو کا ایک شاگرد مہاویر کے ایک شاگرد سے ملا اور اس نے قدیم جین مت میں اتحاد پیدا کیا جس طرح کہ جین مذہب کی تعلیم مہاویر نے دی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً یہ (پارشو ناتھ) تاریخی حیثیت رکھتا ہے[۲]

لالہ دیوان چند سکریٹری جین سمیتی مترمنڈل، بدھ مت پر اس کی قدامت ظاہر کرتے ہوئے اپنی کتاب ''جین دھرم ازلی ہے'' میں لکھتے ہیں:

۱۔ ایس۔ این، داس گپتا، تاریخ ہندی فلسفہ، ص: ۲۰۷

۲۔ تاریخ ہندی فلسفہ، ص: ۲۰۸

یہ تو سدھ (ثابت) ہی ہے کہ جین دھرم 526 برس قبل مسیح شروع ہوا۔ مہاویر سوامی جین دھرم کو دوبارہ پرکاش (روشنی) میں لائے۔ اس بات کو آج چوبیس سو برس گذر گئے ہیں۔ بودھ مت کی ستھاپنا (قیام) سے پہلے جین دھرم چل رہا تھا۔ یہ بات وشواس کرنے کے یوگیہ (لائق) ہے۔ چوبیس تیرتھنکروں میں مہاویر سوامی آخری تیرتھنکر تھے اس سے بھی جین دھرم کی پراچینتا (قدامت) جانی جاسکتی ہے۔ بودھ دھرم پیچھے ہوا یہ نشچت (طئے شدہ) ہے[۱]

لالہ چمپت رائے جین بارایٹ لا، ایک عظیم مصنف ہیں اپنی کتاب The practical Path میں تحریر فرماتے ہیں:

حالیہ تحقیق نے اس حقیقت کو خوب اچھی طرح نمایاں کر دیا ہے کہ جین مت بدھ مت سے کم از کم تین سو سال پہلے ضرور موجود تھا، اب جدید مستشرقین نے اس بات پر اتفاق کرلیا ہے کہ بھگوان پارش ناتھ سوامی تیسویں تیرتھنکر ایک خیلی اور دیومالائی شخصیت نہیں بلکہ اپنا حقیقی اور تاریخی وجود رکھتے ہیں[۲]

انسائیکلو پیڈیا رآف ریلجن اینڈ اتھیکس جلد، 7 سات میں پارش ناتھ کے سلسلے میں بیان کیا گیا ہے کہ زیادہ اغلب گمان مؤرخین کا یہی ہے کہ جین مت کے بانی ان کے سوا اور کوئی دوسرا نہیں چونکہ ان سے آگے کے تاریخی حقائق کے پردۂ خفا میں رہنے کی وجہ سے ہمیں کوئی رہنمائی حاصل نہیں ہوتی۔

گوتم بدھ کے برعکس مہاویر جین غالبًا اپنے فرقے کے .... جو رسول ہونے کی حیثیت سے ان کی عزت کرتا ہے.......... حالانکہ وہ نہ ہی اپنے مذہب کے بانی تھے اور نہ ہی مصنف بلکہ اس کے برعکس ان کے پیش رو پارش ناتھ، آخری سے پہلے تیرتھنکر کے بارے میں غالبًا زیادہ بہتر طور پر یہ دعوی کیا جاسکتا ہے کہ جین مت کے بانی تھے،........... لیکن تاریخی دستاویزات کی عدم موجودگی کی صورت میں ہم قیاس سے تجاوز کرنے کی ہمت نہیں رکھتے[۳]

راما شنکر ترپاٹھی ان کے تیسویں تیرتھنکر پارشو ناتھ کو ہی تاریخی حیثیت دیتے ہوئے مہاویر کو ان کا متبع اور پیرو کار تسلیم کرتے ہیں۔ اور ان دونوں کے علاوہ بقیہ تیرتھنکر کو دیومالائی

۱۔ لالہ دیوان چند، جین دھرم ازلی ہے، ص: ۶۳
۲۔ Lala Champat Ray The practical Path P. 63
۳۔ انسائیکلو پیڈیا آف ریلجن اینڈ اتھیکس ج، ۷، ص: ۱۳۲

قصہ سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے۔ان کا کہنا ہے کہ جینیوں کا یہ تصور کہ ان کا مذہب بعید ترین ماضی میں وجود میں آیا اور ان کا یہ عقیدہ کہ ہمارے سب سے آخری تیرتھنکر مہاویر تھے اور اس سے پہلے تیئیس تیرتھنکر اور گذر چکے ہیں جو حقائق پر مبنی نہیں ہے صداقت اس امر میں ہے کہ مہاویر اور ان کے پہلے تیرتھنکروں میں پرشوناتھ تاریخی شخصیت معلوم ہوتے ہیں باقی ساری ہستیاں دھندلی اور دیو مالائیت کے غلاف میں لپٹی ہوئی ہیں۔

پارشوناتھ کی تاریخی حیثیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ بنارس کے راجا آشوشین کے لڑکے تھے۔لیکن روحانی زندگی اختیار کرنے کی خاطر انہوں نے راج پاٹ کو تیاگ دیا...... ان کے بعد آخری تیرتھنکر مہاویر جین نے جو پارشوناتھ کے دوسو پچاس سال بعد پیدا ہوئے جین مت کو یقینی طور پر چار چاند لگادیئے[۱]

عماد الحسن آزاد فاروقی اپنی تحقیق پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مہاویر جین مذہب کے بانی نہیں تھے بلکہ اس کے متبع تھے۔اور ان کے تیسویں تیرتھنکر پارشوناتھ ہی مختلف جینی کتابوں، روایات اور آثار قدیمہ کے پیشِ نظر بانی مذہب نظر آتے ہیں۔انہوں نے اس پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔یہاں پر قدرے اختصار کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

''جہاں تک تاریخی اعتبار سے اس نظریہ کی صحت کا تعلق ہے تو اس بات کے قوی شواہد موجود ہیں کہ مہاویر خود جین مذہب کے بانی نہیں تھے بلکہ ان سے پہلے سے یہ مذہبی روایت ہندوستان میں چلی آرہی تھی اور مہاویر کا خاندان۔بلکہ جناتا چھتریوں کی پوری برادری۔جس سے کہ مہاویر کا تعلق تھا، پہلے سے جین مذہب کی پیروکار تھی۔جہاں تک مہاویر کا تعلق ہے انہوں نے سنیاس لیکر جین مذہب کے مقصد اعلی کیولیہ (تجرید محض) کو حاصل کیا اور اپنے دور میں جین مذہب کے سربراہ بن گئے۔اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں مہاویر نے جین مت میں دور رس اصطلاحات کیں اور اس کی اشاعت اور استحکام کیلئے اقدامات کئے۔ان ہی اصطلاحات اور خدمات، نیز موجودہ یگ کے آخری تیرتھنکر ہونے کی بنا پر جین روایت میں مہاویر کو وہ مقام حاصل ہے کہ جس کی وجہ سے عام طور پر مہاویر جین کو ہی اس مذہب کا بانی سمجھ لیا جاتا ہے۔ مہاویر جین سے پہلے کے تیرتھنکروں میں سے صرف تیسویں تیرتھنکر پرشوناتھ کے بارے میں آثار

۱۔ قدیم ہندوستان کی تاریخ، ص:۱۲۶

قدیم، ہندوستان کی دوسری مذہبی روایات اور خود جین مت کے قدیمی کتابوں سے ایسے سراغ ملتے ہیں جو پرشوناتھ کے ایک تاریخی شخصیت ہونے کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ان روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ اپنے زمانے میں پرشوناتھ جین مذہب کے سربراہ تھے اور خود مہاویر کے دور تک جین روایت ان ہی کے بتلائے ہوئے طریقوں پر گامزن تھی'' [۱]

۱۔ عماد الحسن آزاد فاروقی، دنیا کے بڑے مذاہب، ص: ۱۲۸۔۱۲۷

تیرتھنکر اوران کی حقیقتیں

مذکورہ بالا محققین ومؤرخین کی تحقیق اور رائے دلائل کی روشنی میں تھیں جو انہوں نے ان کی قدیم کتابوں، آثارِ قدیمہ اور تاریخی حوالوں کے ذریعہ پیش کی ہیں۔ لیکن جینیوں کا اس سے اتفاق نہیں ہے۔ یہ بغیر دلائل وبراہین کے اپنے مذہب کو ازلی اور ابدی قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح دنیا بھی ان کے نزدیک ازلی اور ابدی ہے، نہ اس کا آغاز ہوا ہے اور نہ ہی خاتمہ ہوگا۔ البتہ وقت کے لحاظ سے ان میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ لہذا دنیا کے لا انتہا اور مسلسل دوروں میں لاتعداد تیرتھنکروں کا ورود اور انہیں متواتر الہام ہوتا رہتا ہے۔ ہر دور میں تیرتھنکروں کی متعینہ تعداد چوبیس[۱] ہوا کرتی ہے۔ اسی لئے موجودہ دورِ عالم میں بھی چوبیس تیرتھنکر وجود میں آئے ان میں سب سے پہلے تیرتھنکر رشبھ دیو جی تھے اور آخری مہاویر ہوئے ہیں، موجودہ دور (اوسر وپنی کال) سے پہلے اور بھی بہت سارے دور یعنی (اتسر وپنی کال) گذر چکے ہیں، جن میں ہر دور میں چوبیس تیرتھنکروں کے حساب سے لامتناہی تیرتھنکر وجود میں آچکے ہیں اور اسی طرح بعد میں بھی غیر متناہی شکل میں ہر دور (اوسروپنی کال اور اتسروپنی کال) میں بالترتیب چوبیس چوبیس وجود میں آتے رہیں گے۔ اب تک وجود میں آنے والے تیرتھنکروں میں سے صرف بہتر (۷۲) کا ذکر ملتا ہے، موجودہ دور اوسروپنی کال کے چوبیس اور اس سے پہلے اتسروپنی کال کے بھی چوبیس اور اس کے بعد یعنی موجودہ دور کے بعد کے چوبیس۔[۲] ان کے علاوہ بقیہ کے سلسلے میں کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی ہے۔ ان تمام میں بھی صرف موجودہ دور (اوسروپنی کال) کے تیرتھنکروں کے نام ان کی کتابوں میں ذکر کئے گئے ہیں۔ ساتھ ہی ان تمام کی عمریں اور ہر ایک دوسرے کے ورود میں درمیانی فاصلہ حیرت انگیز ہے۔ ان میں سب سے پہلے اور بڑے تیرتھنکر رشبھ دیو جی ہیں اور آخری مہاویر سوامی جی۔

۱۔ جین مت کی رو سے ادوار دنیا گاڑی کے پہیے کی مانند (گول) ہے جو دو حصوں پر منقسم ہے۔ (۱) اوسروپنی کال (۲) اتسروپنی کال۔ یہ دونوں غیر متناہی زمانہ ہیں جس میں دور لازم آتا رہتا ہے، پہلا دور اوپر کی جانب چڑھتا ہے جبکہ دوسرا نیچے کو اترتا ہے، موجودہ دور اوسروپنی کال اپنے اختتام پر ہے۔

۲۔ جین دھرم ازلی ہے، ص: ۳۶

۱۔ رشبھ دیو جی، ان کے پچاس کڑور ساگراوپم سال کے بعد دوسرے تیرتھنکر تشریف لائے۔ ساگراوپم سال کا حساب ایک ایسا حساب ہے کہ جس میں دور لازم آتا ہے۔لہذا اسے یوں سمجھا جاسکتا کہ یہ ایک لا انتہا سال ہے جس کی کوئی حد متعین نہیں ہے۔

۲۔ اجت ناتھ جی — تیس لاکھ کڑور ساگراوپم سال کے بعد تیسرے تیرتھنکر

۳۔ سمبو ناتھ جی — دس لاکھ کڑوڑ ساگراوپم سال کے بعد چوتھے تیرتھنکر

۴۔ ابھے نندن جی — نو لاکھ کڑوڑ ساگراوپم سال کے بعد پانچویں تیرتھنکر

۵۔ سمتی ناتھ — نوے ہزار کڑوڑ ساگراوپم سال کے بعد چھٹے تیرتھنکر

۶۔ پدم پربھو جی — نو ہزار کڑوڑ ساگر اوپم سال کے بعد ساتویں تیرتھنکر

۷۔ سپاش ناتھ جی — نوسو کڑوڑ ساگر اوپم سال کے بعد آٹھویں تیرتھنکر

۸۔ چندر پربھو جی — نوے کڑوڑ ساگراوپم سال کے بعد نویں تیرتھنکر

۹۔ سبرھی ناتھ جی — نو کڑوڑ ساگراوپم سال کے بعد دسویں تیرتھنکر

۱۰۔ شتیل ناتھ — ایک کڑوڑ ساگ اوپم سال کے بعد گیارھویں تیرتھنکر

۱۱۔ شریانس ناتھ جی — چون ساگراوپم سال کے بعد بارھویں تیرتھنکر

۱۲۔ شرسی باسو پوج — تیس ساگراوپم سال کے بعد تیرھویں تیرتھنکر

۱۳۔ شری بمل ناتھ جی — نو ساگراوپم سال کے بعد چودھویں تیرتھنکر

۱۴۔ شری اننت ناتھ جی — چار ساگراوپم سال کے بعد پندرھویں تیرتھنکر

۱۵۔ شری دھرم ناتھ جی — چار ساگراوپم سال کے بعد سولہویں تیرتھنکر

۱۶۔ شانتی ناتھ جی — نصف پل اوپم سال کے بعد سترہویں تیرتھنکر

۱۷۔ کنتھ ناتھ جی — چہارم پل اوپم سال کے بعد اٹھارہویں تیرتھنکر

۱۸۔ رہ ناتھ جی — ایک کڑوڑ ایک ہزار سال کے بعد انیسویں تیرتھنکر

۱۹۔ ملی ناتھ جی — چون لاکھ سال کے بعد بیسویں تیرتھنکر

۲۰۔ منی سبرت سوامی — چھ لاکھ سال کے بعد اکیسویں تیرتھنکر

۲۱۔ نمی ناتھ جی — پانچ لاکھ سال کے بعد بائیسویں تیرتھنکر

۲۲۔ نیم ناتھ جی — چوراسی ہزار سال کے بعد تیئیسویں تیرتھنکر

۲۳۔ پارشناتھ جی اڑھائی سو سال بعد آخری تیرتھنکر

۲۴۔ شری مہابیر سوامی جی تشریف لائے۔

ان تمان چوبیس تیرتھنکروں کی عمریں بھی بعید از قیاس بتائی گئی ہیں اور ان کی قد و قامت بھی مبالغہ آمیزی سے عاری نہیں ہے۔ ان کی عمریں بجائے ساگر اوپم کے پورب میں بیان کیا گیا ہے جو ساگر اوپم سال سے کچھ کم شمار ہوتا ہے لیکن یہ بھی متناہی نہیں ہے۔

نام	قد و قامت (کمانوں کی لمبائی میں)	عمر پورب سالوں میں
۱۔	۵۰۰	۸۴۰۰۰۰۰
۲۔	۴۵۰	۷۲۰۰۰۰۰
۳۔	۴۰۰	۶۰۰۰۰۰۰
۴۔	۳۵۰	۵۰۰۰۰۰۰
۵۔	۳۰۰	۴۰۰۰۰۰۰
۶۔	۲۴۰	۳۰۰۰۰۰۰
۷۔	۲۰۰	۲۰۰۰۰۰۰
۸۔	۱۵۰	۱۰۰۰۰۰۰
۹۔	۱۰۰	۲۰۰۰۰۰
۱۰۔	۹۰	۱۰۰۰۰۰
۱۱۔	۸۰	۸۴۰۰۰۰
۱۲۔	۷۰	۷۲۰۰۰۰
۱۳۔	۶۰	۶۰۰۰۰۰
۱۴۔	۵۰	۳۰۰۰۰۰
۱۵۔	۴۵	۱۰۰۰۰۰
۱۶۔	۴۰	۱۰۰۰۰۰
۱۷۔	۳۵	۹۵۰۰۰
۱۸۔	۳۰	۸۴۰۰۰

۱۹۔	۲۵	۵۵۰۰۰
۲۰۔	۲۰	۳۰۰۰۰
۲۱۔	۱۴	۱۰۰۰۰
۲۲۔	۱۰	۱۰۰۰
۲۳۔	۹/ ہاتھ	۱۰۰
۲۴۔	۷/ ہاتھ	۷۲

ان کے قد کی لمبائی کمانوں کے حساب سے بتائی گئی ہے اور ایک کمان کی لمبائی تقریباً ساڑھے تین ہاتھ ہوتی ہے[۱]

سوامی مہاویر جین:

آخری تیرتھنکر سوامی مہاویر جین کی پیدائش ۵۹۹ ق،م میں مشرقی ہندوستان ریاست بہار کے مشہور شہر ویشالی کی ایک نواحی بستی کنڈ گرام میں ہوئی تھی۔ ان کے والد کا نام سدھارتھ اور والدہ کا نام ترشالہ تھا، خود مہاویر جین کا اصل نام وردھمان تھا، ان کی والدہ ترشالہ ویشالی کے راجہ چیٹک کی بہن تھی۔ مہاویر جین تین بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹے یا منجھلے بیٹے تھے۔ ان کی شادی ایک باحیثیت گھرانے کی صاحبزادی یشودھا کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کی شادی جامالی نامی چھتری سے ہوئی[۲] بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذہبی غور وفکر کی طرف ان کا میلان ابتدائی عمر سے ہی تھا۔ بڑے ہو کر انہوں نے سنیاس لینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ لیکن والدین کی عدم رضامندی کی وجہ سے ارادہ ملتوی کر دیا۔ والدین کے انتقال کے بعد جبکہ ان کی عمر تیس سال ہو چکی تھی، بڑے بھائی نندی وردھن کی اجازت سے سنیاس لے لیا۔ ان کے خاندان کے لوگ پارشو روایات کے پیرو تھے۔ لہٰذا اپنے خاندانی مذہب جین مت کے مطابق وہ جین بھکشو بن گئے پھر سخت قسم کی ریاضتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ جس میں ترک دنیا کی انتہائی صورت اختیار کرنے کیلئے انہوں نے اپنے آپ کو ستر پوشی سے بھی بے نیاز کر لیا اور اس طرح بارہ سال کی سخت ترین ریاضتوں کے بعد جامبھک نامی گاؤں کے پاس رج پالیکا ندی کے ساحل پر جین مت کے مطابق معرفت کا اعلیٰ ترین مقام کیولیہ حاصل کر لیا۔ پھر وردھمان کی جگہ

۱۔ ان کی قد وقامت اور عموں سے متعلق تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: سوامی دیانند سرسوتی، ستیارتھ پرکاش، ج ۱۲، ص: ۶۱۰۔۶۱۱

۲۔ ڈاکٹر پریم ہنس چوبے، ہندوستانی مذاہب نمبر (دعوت) ص: ۱۶۷

مہاویر (عظیم بہادر) اور جین (عارف)، نفس پر فتح پا لینے کی وجہ سے جن (فاتح) ارہت (قابل پرستش) نرگنتھ (بندھن سے آزاد) جیسے محترم ناموں سے ان کی شہرت ہوئی۔ پھر آخری عمر تک یعنی تیس سال انہوں نے مگدھ، انگ، متھلا اور کوشل میں جین مت کی رہنمائی، اصلاح، اور اشاعت و تبلیغ میں مشغول رہے۔ اس تیس[۳۰] سال کے لمبے عرصے میں ان کے مخصوص شاگردوں کی تعداد گیارہ تھی جنہوں نے اپنے گرو مہاویر جین کے بعد جین مت کی اشاعت اور ترقی کا کام اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ان کی وفات ۵۲۷ ق،م پٹنہ کے قریب پاوا پوری نامی مقام پر ہوئی[۱] وفات کے سلسلے میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ بعض نے ۵۴۶ ق،م، اور بعض ۴۸۷ ق،م الخ بیان کئے ہیں[۲]

۱۔ قدیم ہندوستان کی تاریخ، ص: ۱۲۶
۲۔ تاریخ ہندی فلسفہ، ج ۱، ص: ۲۱۳

جین گرنتھ

جین مت کی مقدس کتابوں میں کوئی بھی ایسی کتاب نہیں جو سند یافتہ، شکوک وشبہات اور دیو مالائی قصوں سے منزہ اور صاف ستھری ہو۔ بعض تو آپسی اختلافات کی بنیاد پر مشکوک ومشتبہ قرار دی جاتی ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ آخری تیرتھنکر مہاویر جین کے ایک طویل عرصے بعد تصنیفات وتالیفات کا سلسلہ شروع ہوا۔ کوئی بھی ایسی تحریر دستیاب نہیں جو مہاویر کے زمانے یا اس کے قریبی عہد سے تعلق رکھتی ہو۔ ایس، این داس، گپتا، ان کی مقدس کتابوں کے بارے میں رقمطراز ہیں:

جینیوں کے نزدیک ان کی مذہبی کتابیں دو قسم کی ہیں جن کے چودہ پُرو اور گیارہ انگ ہیں۔ کچھ زمانے تک پُرو منتقل ہوتے ہوئے بتدریج گم ہوگئے۔ اور وہ تصانیف (گیارہ انگ) جو جینی مذہب کے سب سے قدیم اجزاء ہیں۔ حسب ذیل ہیں، (۱) آچار (۲) سوتر کرت (۳) ستھان، (۴) سموائے (۵) بھگوتی (۶) جناتھ دھرمکھتاس اوپاسکدشاس، (۷) انت کرت وشاس، (۸) انتروپ پاتکدشاس پرشن، (۹) دیا کرن (۱۰) دیپاک (۱۱) مزید بارہ اپ انگ............

بہرحال دگمبری دعوی کرتے ہیں کہ یہ قدیم کتابیں گم ہوگئیں ہیں اور وہ کتابیں جو موجود ہیں اور قدیم ناموں سے موسوم ہیں سب جعلی ہیں۔ ان کے نزدیک ان تصانیف کی زبان اردھا مگدھی تھی۔ جدید زبان کو ترقی دینے کی کوشش سے اس کو نقصان پہونچا۔ مقدس کتابوں کی زبان جین پراکرت ہے اور بعد کی کتب جینی مہاراشٹری میں تحریر ہوئیں[۱]

سوامی اچاریہ کا تصنیف کیا ہوا تتھوارتھ سوتر کو ایک مقدس کتاب بلکہ اسے جین مت کا وید تصور کیا جاتا ہے کیونکہ اس کی تصنیف اس وقت عمل میں آئی جبکہ جین مت کے دو فرقے ڈگامبر اور سویتامبر وجود میں نہیں آتے تھے۔ لہٰذا یہ سوتر دونوں فرقوں کے نزدیک قابل احترام تصور کی جاتی ہے۔ پھر دونوں فرقوں کے ظہور پذیر ہوتے ہی اپنے اپنے نظریات کے مطابق انہوں نے شاستروں کے انبار لگادئے جو صرف اسی فرقے میں ہی مقبول اور متلو رہیں جس کی وہ تصانیف تھیں۔ ہر ایک نے فریق مخالف کی تصانیف کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ جین شاستروں کو چار

۱۔ تاریخ ہندی فلسفہ، ج:۱، ص: ۲۱۰۔۲۰۹

حصوں میں تقسیم کیا گیا۔

۱۔ پرتھمانو یوگ یا دھرم کتھا انو یوگ، (۲) کرتا نو یوگ یا گنتانو یوگ (۳) شرنا نو یوگ (۴) دربیانو یوگ [۱]

۱۔ پرتھمانو یوگ یا دھرم کتھا انو یوگ:

یہ پہلی قسم ہے اس میں دھرماتماؤں کے چرتر، راجہ مہاراجوں کی تاریخ اور سوانح عمریاں ہیں۔ جیسے ڈگامبری فرقے کے رام چرتر، پدم پران، پانڈو پران، ہری ہنس پران، پارش پران، مہابیر پران، یشودھر مارتیر وغیرہ اور سویتیا مبر فرقے کے اترادھین، گیا تا دھرم وغیرہ اس میں وہ تمام کتابیں شامل ہیں کہ جن سے جین مت کی قدامت اور تیرتھنکروں کے سوانح حیات وغیرہ کا علم حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اس میں زبردست اختلاف، بعید از عقل اور انتہائی مبالغہ آمیز دیو مالائی قصے کہانیاں مذکور ہیں۔ مثلاً تیرتھنکروں کی پیدائش، سنیاس، گیان اور نروان کے موقعوں پر اندر اور بے شمار آسمانی دیوتاؤں کا زمین پر اتر آنا، جشن منانا، ناٹک کرنا اور عجیب وغریب بعید از عقل کرتب وتماشے میں مشغول ہوجانا وغیرہ [۲] بعض مرتبہ یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ یہ جینی اپنے مدِ مقابل ویدک دھرم کے ساتھ ان کے بعید از عقل قصے کہانیوں میں سبقت وتفاخر کا مقابلہ کرنے پر امادہ ہیں۔ لہٰذا انہی سب وجوہات کے پیشِ نظر اس کی سند کی کمزوریوں پر روشنی ڈالتے ہوئے 'جین مت سار' کے مصنف اعتراف کرتے ہیں کہ یہ کتابیں حقیقت میں مبتدیوں کے پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ چونکہ ان کے متضاد قولوں اور جھوٹے سچے قصے کہانیوں سے صداقت کی بوتک مفقود ہو چکی ہے۔ اسی طریقے سے ان میں جابجا واقعات میں بکثرت اختلافات پائے جاتے ہیں۔ مثلاً کسی شاستر میں یہ لکھا ہے کہ نیم ناتھ جی کا جنم شوری پور میں ہوا۔ کسی نے لکھا ہے کہ دوارکا میں ہوا۔ ڈگامبر شاستر کہتے ہیں کہ مہابیر سوامی جی کا بیاہ ہوا ہی نہیں۔ سویتامبر کہتے ہیں کہ بیاہ ہوا اور اولاد بھی ہوئیں۔ پھر آگے چل کر مصنف ان کے دھرم پستک ہونے سے ہی انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اور مبالغہ آمیز قصے کہانیوں میں حیرت کا اظہار کرتے ہوئے غلطیوں کا اعتراف کرنے لگتے ہیں۔ آخر میں ان پستکوں کو وید، بودھ شاستر، بائبل اور قرآن حکیم کے مدِ مقابل ایک ہی صف میں شامل کر کے سبھی مقدس کتابوں کو مشتبہ قرار دیتے ہیں۔ ان کی تحریر ملاحظہ کریں:

۱۔ لالہ سمبر چند جینی، جین مت سار، ص: ۴۷

۲۔ ایضاً، ص: ۳۵۱

"جن پستکوں میں بزرگانِ دین کی سوانح عمریاں، اپنے ملک کی تواریخ یا عام لوگوں کے افہام وتفہیم کے واسطے قصے کہانیاں اور داستانیں مذکور ہیں انہیں دگمبر جینی فرقہ پر ماتھما نو یوگ کے شاستر، سویتا مبر جینی فرقہ دھرم کتھا انو یوگ، بودھ دھرم والے جاتک گرنتھ اور عام ہندو پران کہتے ہیں۔ حقیقت میں یہ تمام دھرم پستکیں نہیں ہیں بلکہ دھرماتما پرشوں کی بنائی ہوئی مفید کتابیں ہیں۔ ان میں سوانح عمریوں قصوں اور کہانیوں کے ذریعہ دھرم اپدیش دیا گیا ہے ....ان داستانوں سے ہمیں اخلاقی سبق حاصل کرنے چاہئیں ان کے امر واقعہ ہونے یا نہ ہونے پر کچھ دھیان نہ دینا چاہئے، بلکہ ہمیں تو ان پر انوں کے مصنفوں کا اُپکار (احسان) ماننا چاہئے جنہوں نے اس زمانے میں جس وقت کہ کاغذ تک نہ تھا، سوانح عمریاں اور نصیحت آمیز داستانیں تاڑ کے پتوں پر لکھ کر ہم تک پہنچائے ہیں۔ ان کے لکھنے والے ترو گیہ (ہر چیز کا علم رکھنے والا) تو تھے نہیں۔ لہٰذا انہوں نے سنی سنائی روایتوں کو درج کر دیا تو کیا تعجب ہے ....مثلاً جب ہری بنس پران میں ہمیں لکھا ملتا ہے کہ چھپن کڑوڑ جادو بنسی دوارکا میں بستے تھے یا جب ہم اس مقام کو پہنچتے ہیں جہاں بھرت راجہ کے چھیانوے ہزار رانیوں کا تذکرہ ہے تو حجت کرنے بیٹھ جاتے ہیں کہ پورے ہندوستان کی آبادی چھپن کڑوڑ نہیں ہے تو پھر ایک دوارکا شہر میں اتنی آبادی کہاں سے آگئی۔ اسی طرح چھیانوے ہزار رانیاں ایک راجہ کی کیسے ہوسکتی ہیں۔ (مصنف نے تاویلات کے ذریعہ سے حقیقت میں بدلنے کی کوشش کی ہے اور ان پستکوں کے گرتی ہوئے معیار پر پردہ پوشی کیلئے یہ فرماتے ہیں کہ یہ تغیر وتبدل صرف اسی میں نہیں بلکہ اور بھی بڑی بڑی دھرم پستکیں اس سے بَری نہیں ہیں)................. ان ہی میں نہیں بلکہ بڑی بڑی دھرم پستکوں میں تغیر وتبدل خوب ہوا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ تمام کتابیں پہلے سینہ بسینہ زبانی یاد کی جاتی تھیں۔ کتابی شکل میں یہ ایک لمبے عرصے بعد لکھی گئی ہیں۔ وید جو بہت عرصہ پہلے کے تصنیف شدہ ہیں مہابھارت کے بعد ویاس نے مرتب کیا۔ جینیوں کے شاستر چندر گپت کے بعد لکھے گئے۔ بودھ مت کی کتابیں اشوک کے زمانے میں تحریر ہوئیں۔ قرآن شریف ابوبکرؓ کے زمانے میں تحریر ہوا۔ بائبل بہت سی زبانوں میں ترجمہ ہوتے ہوئے موجودہ شکل میں ہم تک پہونچی، یہی وجہ ہے کہ یہ سب دھرم شاستر مشتبہ ہیں [۱]

۱۔ جین مت سار، ص: ۳۵۳

مصنف کا قرآن پاک کو مشتبہ کتابوں میں شامل کرنا اسلام دشمنی یا پھر قرآن حکیم اور اس کی تاریخ تدوین سے مکمل طور پر عدم واقفیت کی دلیل ہے، اگر انہوں نے اس کے سیاق وسباق، ہیئت نزول اور تاریخ تدوین وغیرہ کا مطالعہ کیا ہوتا اور قرآن کے چند اجزاء پر ہی عصبیت سے پرے ہو کر نظر ڈالی ہوتی تو انہیں صاحب کتاب کا یہ دعویٰ "ذالک الکتاب لاریب فیہ" حرف بہ حرف صادق اور ہر قسم کے شبہ سے بالاتر اور منزہ نظر آتا اور تدوین قرآن کے سلسلے میں ان کا یہ اعتراض بے حقیقت اور بے وزن ہو جاتا۔ دنیا اس سے بخوبی واقف ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت اور تدوین قرآن کا زمانہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ہزاروں سال بعد کا نہیں ہے بلکہ زمانۂ خلافت اور تدوین قرآن سال بھر کے فاصلے کے ساتھ ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ قرآن حکیم کو خود رسول اللہؐ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہی مکمل لکھوالیا تھا۔ اس کی کتابت کے لئے حضرت زید بن ثابتؓ، امیر معاویہؓ اور دیگر صحابہؓ کرام کو مقرر کر رکھا تھا جو نزولِ وحی کے ساتھ ہی ان اجزاء کو قلمبند کرلیا کرتے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے صرف اتنا کیا کہ اپنے دورِ خلافت میں جو تقریباً دو سال پر منتج تھا، حضورؐ کے انتقال کے ایک سال بعد ہی ان لکھے ہوئے جمع شدہ اجزاء کو یکجا کر کے کتابی شکل دے دی۔

۲۔ کرتا نو یوگ یا گنتا نو یوگ

ان شاستروں میں جغرافیہ، علم ہیئت، جوتش وغیرہ ہے۔ ترلوک سار، جوتش سار، بجے گنت، چندر گنتی، سورج پرگنتی وغیرہ گرنتھ اس قسم میں شامل ہیں[1] یہ کتابیں بھی عجیب وغریب اور عقل ومنطق کے دلائل سے عاری نظر آتی ہیں۔

۳۔ چرتا نو یوگ

اس حصہ میں اچارسار، مولاسار، شراوکاچار وغیرہ دگامبری فرقہ سے متعلق ہیں اور سویتامبری فرقہ کی آچارانگ، آپاسکا دھین، نسیت، چھید سوتر وغیرہ، شامل ہیں[2] اس تیسری قسم میں سویتامبر دگامبر اور استھانک واسی فرقوں میں فرائض واعمال کے سلسلے میں شدت کے ساتھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہر ایک فرقہ اپنی اپنی کتابوں میں دوسروں کے بالکل برعکس فرائض واعمال بیان کرتا ہے اور اسی کو درست اور حق تسلیم کر کے دوسروں کی تردید کرتا ہے۔

۱۔ جین مت سار، ص: ۷۴
۲۔ ایضاً، ص: ۷۴

۴۔ دربیانو یوگ

اس حصہ میں گومٹ سار، ہر بچن سار، راج وارتک، اشلوہری، پر مے کمل، پرماتنڈ، دگمبری فرقہ کی ہیں اور اسی طرح سویتا مبر فرقہ کی گرنتھ وغیرہ اس میں شامل ہیں[1] اس چوتھی قسم میں روح اور مادہ وغیرہ کا تذکرہ ہے۔ اس میں دگامبر، سویتامبر اور استھانک واسی وغیرہ فرقے کا کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے۔ دراصل اسی کو جین مت کا اصل الاصول تصور کیا جاتا ہے چونکہ اس میں جین فلسفہ کا تذکرہ کافی تفصیلی طور پر ملتا ہے لیکن ساتھ ہی اسے انتہائی طویل اور پیچیدہ بنادیا گیا ہے۔

جین گرنتھ کے حقائق

جین گرنتھ آخری تیرتھنکر مہاویرسوامی کے کتنے عرصے بعد تحریری شکل میں آئے اس سلسلہ میں حقیقت کا اندازہ لگانا بڑا مشکل ہے۔ چونکہ اس کی متعینہ تاریخ نہیں ہے، ساتھ ہی زمانے کی تحدید وتعیین میں بکثرت اختلافات بھی موجود ہیں نیز تحریری شکل دیتے وقت ان میں کافی حد تک سہو ونسیان اور ضرورت سے زیادہ تغیر وتبدل اور فساد وانحراف کا سلسلہ جاری رہا جو کسی بھی مذہبی، مقدس، اور مسلم ومستند دستور حیات کے شایان شان نہیں ہوسکتا۔ جین مت سار کے مصنف نے اس سلسلے میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اختصار کے ساتھ صرف ضروری اجزاء پیش کئے جارہے ہیں:

مہاویرسوامی سن عیسوی پانچ سوستائیس سال پیشتر وفات پاگئے............دگامبر فرقے کے شاستروں کے بموجب، مہاویرسوامی کے موکش ہوجانے (وفات) کے بعد تین شخص گوتم سوامی، سدھرم اچاریہ اور جمبھو سوامی (تین کیولی، یعنی گیانی) ۶۲ سال کے عرصے میں پیدا ہوئے اور ان کے بعد متصلاً وشنونندی، متراء، اپراجت، گوبردھن اور بھدرباہو پانچ شرت کیولی (مکمل جینی شاستروں کے عالم) تقریباً سوسال کے عرصے میں ہوئے، یہ سب دواوشانگ بانی (مہاویر سوامی کے الہامی تعلیمات) کو اپنی یاد داشت میں محفوظ رکھتے ہوئے دوسروں کو زبانی اپدیش دیتے رہے .... اس طرح مہابیرسوامی سے ۶۸۳ برس بعد تک.................جین مت کا اپدیش سینہ بسینہ چلا آتا رہا اور کوئی شاستر وغیرہ نہیں لکھا گیا[2]

۱۔ جین مت سار، ص: ۸۴
۲۔ جین مت سار، ص: ۵۳-۵۴

یعنی مہاویر سوامی کے تقریباً سات سو سال کا طویل عرصہ گذر جانے کے بعد تک جین شاستر تحریری شکل میں وجود میں نہیں آئے تھے۔ اب تک یہ صرف زبانی یادداشت کے ذریعہ ہی ایک دوسرے تک منتقل ہو رہے تھے اور ساتھ ہی ایک بڑا المیہ یہ رہا کہ زبانی یاد کرنے والوں کی تعداد بھی مسلسل گھٹتی رہی حتیٰ کہ مہاویر سوامی کے دو سو سال کے قلیل عرصے میں ہی جینیوں میں کوئی ایک بھی ایسا عالم موجود نہ تھا جسے پورے شاستر کی ایک انگ بھی یاد ہو، جین مت سار کا مصنف اس کا اعتراف ان الفاظ میں کرتا ہے:

''لوہا اچاریہ کے بعد کوئی ایسا منی نہیں جس کو دو اوشانگ بانی کا ایک انگ بھی پورا یاد ہو۔ لہٰذا زمانے کے منیوں نے ذہانت اور حافظہ میں روز بروز کمی ہوتے دیکھ کر یہ مناسب سمجھا کہ جو کچھ اب یاد ہے اس کو قلم بند کر دیا جائے۔ چنانچہ شری کند کند سوامی نے پرَبجن سار، سمے سار، کریا سار، جونی سار، تتو سار، بھاؤ سار، نیم سار، اشٹ، پاہڑ، آہار نا پاہڑ،..........وغیرہ چوراسی پاہڑ، پنج استی کائے اور اوشانو بریکشا تصنیف کئے..................اوما سوامی نے تتوارتھ شوتر تصنیف کئے جو جین مت کے ہر دو فرقوں دگامبر اور سوئیتامبر میں معتبر مانا جاتا ہے اور ساتھ ہی جین مت کا یہ وید اور قرآن بھی سمجھا جاتا ہے۔ اوما سوامی کند کند سوامی کے شاگرد تھے''[1]

تتوارتھ سوتر جو جین مت کا متفقہ وید اور قرآن سمجھا جاتا ہے، یہ بھی سوامی مہاویر کے سات سو سال کے بعد ہی کسی عرصہ میں جبکہ قوت حافظہ بتدریج روبہ زوال ہو رہی تھی اس وقت تحریری شکل میں وجود میں آیا۔ جین گرنتھوں کی یہ تاریخ دگامبر فرقے کے نظریئے کے مطابق ہے۔ سوئیتامبر فرقہ اس تاریخ سے اتفاق نہیں کرتا۔ اس کا کہنا ہے کہ جین گرنتھ مہاویر سوامی کے نو سو اسی (۹۸۰) برس بعد لکھے گئے اس سے قبل کوئی بھی شاستر نہیں لکھا گیا ہے۔ دیو آردھی گن چھما ستروں نے بلبھی نگر میں پانچ سو جین اچاریوں کو اکٹھا کر کے جین سوتروں کو پستک کی شکل دی۔ اب تک اسے صرف زبانی یاد رکھنے کی رسم چلی آ رہی تھی جبکہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ رشی منیوں کی قوتِ حافظہ کمزور ہونے کے باعث اکثر سوتر بھولے جا چکے تھے[2]

سوئیتامبری فرقے کا کہنا ہے کہ مہاویر سوامی کے ۹۸۰ برس بعد تقریباً بارہ سالہ قحط پڑا اس وقت اکتالیس پاٹ پر دیو آردھی گن چھماشروں براجمان تھے۔ انہوں نے شترنجے پہاڑ سے آ کر

۱۔ جین مت سار، ۵۶۔۵۷
۲۔ ایضاً، ص: ۶۷

بلبھی نگر میں چوماسہ کیا۔ اسی درمیان انہوں نے ایک روز سونٹھ کی ایک چھوٹی سی گرہ کسی ضرورت کی خاطر منگائی تھی اور اسے اپنے کان پر رکھ لی تھی۔ پھر وہ اسے تھوڑی ہی دیر میں بھول بیٹھے۔ لہٰذا اس واقعہ سے انہیں یہ خیال ہوا کہ لوگوں کا حافظہ دن بدن کم ہوتا چلا جا رہا ہے اور اسی وجہ کر سوتر بھی بھولے چلے جا رہے ہیں۔ اس خدشہ کے پیشِ نظر انہوں نے مناسب سمجھا کہ اب تک جو سوتر یاد ہیں انہیں تحریری شکل دیدی جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ارادہ کی تکمیل کے لئے گجرات اور سورت کے تمام سادھوؤں کو بلا کر سوتر لکھوائے۔ کچھ سادھوؤں کا کام بولنا تھا اور کچھ کا لکھنا۔ اس طریقہ پر صرف پینتالیس سوتر تحریر میں آئے۔ چونکہ اتنے ہی سوتر لوگوں کو یاد رہ گئے تھے بقیہ سب بھول چکے تھے۔ سویتامبری کا ایک فرقہ مورتی پوجک ان تمام پینتالیس سوتروں کو مانتا ہے۔ لیکن سویتامبری فرقہ کی ایک اور شاخ استھانگ داسی ہے۔ یہ ان میں سے صرف بتیس کو درست مانتا ہے باقی کو رد کر دیتا ہے۔ اور دگامبری فرقہ ان میں سے کسی ایک کو بھی مستند تسلیم نہیں کرتا ہے[۱]

جینی فرقے

جین مت چوراسی فرقوں میں منقسم ہے جو آپس میں ایک دوسرے سے معمولی اور باریک باتوں میں بھی بکثرت اختلافات رکھتے ہیں۔ لیکن بنیادی حیثیت سے دو فرقے بڑے مشہور ہیں اور فرقہ بندی کا آغاز بھی انہیں دونوں فرقوں سے ہوا۔ دگامبر، سویتامبر، پھر ان میں بھی دو فرقے ہو گئے، ایک مورتی پوجنے والا اور دوسرا مورتی نہ پوجنے والا۔ دگامبر کا مورتی نہ پوجنے والا فرقہ تارن پنتھی کے نام سے مشہور رہا اور سویتامبر کا مورتی نہ پوجنے والا فرقہ ڈھونڈھ یا استھانک داس کے نام سے مشہور ہوا[۲]

دگامبر اور سویتامبر دونوں فرقوں میں چوراسی باتوں میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ لیکن بنیادی اختلافات صرف تین باتوں میں ہیں:

۱۔ پہلا یہ ہے کہ کامل عرفان اور مکتی حاصل کرنے کیلئے دگامبر فرقہ کپڑوں اور علائق ظاہری کو بالکل تج دینا اشد ضروری سمجھتا ہے۔ اسی لئے ان کے سادھو مادر زاد ننگے رہتے ہیں۔ سویتامبر فرقہ اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا بلکہ اس کے برخلاف یہ پہننے، اوڑھنے، بچھانے

۱۔ جین مت سار، ص: ۶۹
۲۔ تاریخ ہندی فلسفہ، ص: ۲۰۸

اور دیگر ضروریات کیلئے چودہ چیزوں کو ساتھ میں رکھنا لازمی قرار دیتا ہے، جن میں چادر، بستر اور لاٹھی وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ دگامبری سادھو صرف تین چیز ہی اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں، (۱) شاستر (۲) مور کے پنکھ کی پنچھی زمین کو صاف کر کے بیٹھنے کیلئے، (۳) کمنڈل، آب دست لینے کے لئے۔ اسی طرح سویتامبر فرقے کی مورتیاں ننگی نہیں رہتی ہیں، جبکہ دگامبر فرقے کی مورتیاں بالکل ننگی ہوتی ہیں۔ سویتامبر فرقے کے سادھو منھ پر پٹی ڈال کر بات چیت کرتے ہیں اور دگامبر فرقے کے سادھو کپڑے سے بالکل ہی عاری رہتے ہیں۔ دگامبری سادھو دن میں ایک ہی مرتبہ کھانا کھاتے ہیں۔ اور وہ بھی ہاتھ میں لیکر۔ کسی برتن وغیرہ میں کھانا درست نہیں سمجھتے۔ سویتامبری سادھو دن میں دو بار کھانا کھاتے ہیں اور ہاتھ میں نہیں بلکہ برتن وغیرہ پر عام لوگوں کی طرح کھاتے ہیں۔ اسی طرح یہ شودر کے گھر کا کھانا لینے اور کھانے میں کوئی پرہیز نہیں کرتے، جبکہ دگامبری سادھو اسے ناجائز خیال کرتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی کھانے کیلئے مدعو کرلے تو اس کے یہاں چلے جاتے ہیں۔ سواء شودر کے، لیکن سویتامبری کو اگر کوئی دعوت دے تو اس کے یہاں نہیں جاتے بلکہ ناجائز خیال کرتے ہیں۔

۲۔ دوسرا یہ ہے کہ سویتامبری فرقے کے نزدیک مرد کی طرح عورت بھی اپنے موجودہ جسم میں مکتی (نجات) حاصل کرسکتی ہے۔ جبکہ دگامبری کا عقیدہ یہ ہے کہ عورت کو کسی بھی صورت میں مکتی (نجات) حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ مرد کے قالب میں جنم نہ لے لے۔ ان کے نزدیک جتنے بھی تیرتھنکر آئے وہ سب کے سب مرد ہی تھے، اسی لئے انہوں نے مکتی کو نوع واحد مرد کے ساتھ خاص کردیا ہے۔ جبکہ سویتامبری ایک تیرتھنکر کا عورت ہونا تسلیم کرتے ہیں اور اسی بنیاد پر ان کے یہاں عورت کے لئے نجات ممکن ہے۔ دگامبری کے نزدیک عورتوں کی طرح شودر اور چنڈال وغیرہ کے لئے بھی نجات ممکن نہیں ہے۔ سویتامبری ان سب کے نجات کے قائل ہیں۔

۳۔ تیسرا یہ ہے کہ، سویتامبری فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ عارف کامل یا تیرتھنکر انسانی جسم کی صورت لئے ہوئے عام انسانوں کی طرح تمام قسم کی ضروریات انسانی کا محتاج رہتا ہے۔ جبکہ دگامبری پرزور طریقہ پر اس کا رد کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ خواہ وہ انسانی

جسم سے متصف ہوں یا اس سے عاری ہوں ہر دو صورت میں ضروریات انسانی کے حاجت مند نہیں رہتے۔[1]

ا۔ تاریخی شہادت سے دگامبری فرقے کے اس عقیدے (عریانیت) پر شدید ضرب پڑتی ہے۔ چونکہ عریانیت کا رواج حضرت عیسیٰ کی بعثت کے کافی عرصہ بعد کسی ذاتی مسئلہ سے متعلق اظہار ناراضگی کا ایک سبب ہے نہ کہ جین مت کے عقائد کا کوئی اہم حصہ۔ تاریخی حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ پہلی صدی عیسوی کے آخری مرحلے ۸۰ء میں دگامبر فرقے کے بانی سادھو شوبھوتی نے کسی معمولی سی بات پر جوان کی ذات سے متعلق تھی، سخت ناراض ہو گئے اور اس ناراضگی کے سبب مکمل طریقے پر برہنہ رہنے کی بدعت کا آغاز کیا۔ جس کے نتیجہ میں ان کے متبعین دگامبری سادھوؤں کی ایک جماعت ننگے رہنے والی قائم ہو گئی۔ اور لوگوں کے اعتراض کا جواب یہ دینے لگے کہ ہم فضا کے لباس میں ہیں ملبوس برہنہ نہیں ہیں اور پیدائشی فطرت پر جو اصل ہے اس پر قائم ہیں اور سبھوں کو اس پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔ سوئتامبری فرقے کے نزدیک یہ مستقل عقیدے کا کوئی جز نہیں ہے جبکہ دگامبری فرقے کا اعتقاد یہ ہے کہ جین مت میں ابتدا سے ہی برہنہ رہنے کا اصول تھا اور خود مہابیر سوامی بھی برہنہ رہتے تھے۔[2]

یہ تھے موجودہ جین گرنتھ اور اس کی سند جو شکوک وشبہات، کثرتِ اختلافات اور خطا ونسیان کے دائرہ میں مختلف مراحل سے گذر کر سیکڑوں سال بعد تحریری شکل میں منظر عام پر آئے لہٰذا ایسی صورت میں اسے مہابیر سوامی یا دوسرے تیرتھنکروں کی جانب منسوب کرنا کس حد تک جائز اور درست ہو سکتا ہے ہر قاری اس کا فیصلہ بڑی آسانی کے ساتھ کر سکتا ہے۔

ا۔ جین مت سار، ص: ۸۳

۲۔ تاریخ ہندی فلسفہ، ص: ۲۱۱

جین مت کے بنیادی عقائد اور جواہر ثلاثہ (تری رتن)

جین مت کے بنیادی عقائد سات ہیں (سات تتو) انہیں حقائق بھی کہا جاتا ہے، اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) جیو (۲) اجیو (۳) اسرو (۴) بندھ (۵) سمورا (۶) نرجرا (۷) موکش

۱۔ جیو (روح) .... یہ ایک حقیقت ہے۔

۲۔ اجیو (مادہ) .... یہ بھی ایک حقیقت ہے۔

۳۔ اسرو .... روح میں مادہ کی ملاوٹ ہو جاتی ہے۔

۴۔ بندھ .... روح میں مادہ کی ملاوٹ کی وجہ سے روح مادہ کی قیدی بن جاتی ہے

۵۔ سمورا .... روح میں مادہ کی ملاوٹ کو روکا جا سکتا ہے

۶۔ نرجرا .... روح میں پہلے سے موجود مادہ کو زائل کیا جا سکتا ہے۔

۷۔ موکش (نجات) .... روح کی مادہ سے مکمل علیحدگی کے بعد موکش حاصل ہو سکتا ہے۔

ان سات بنیادی حقائق کو دو عمومی قسموں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ (۱) روح (جیو) (۲) غیر ذی روح (اجیو) مقصود روح کو غیر ذی روح سے نجات دلانا ہے۔ چونکہ جینیوں میں نجات کا دارومدار کسی غیبی طاقت یا دیوی دیوتاؤں کے رحم وکرم پر نہیں بلکہ خود اپنی ذاتی سعی وکوشش کی بنیاد پر ہے۔ لہٰذا روح کو مادہ کے چنگل سے آزادی دلوانے کیلئے ایک لائحہ عمل تیار کیا گیا ہے اور اسے تین بڑے حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے جسے تری رتن (جواہر ثلاثہ) کہتے اس پر عمل کئے بغیر کسی بھی انسان کے لئے نجات ممکن نہیں۔

تری رتن

۱۔ سمیک درشن (صحیح عقیدہ)

۲۔ سمیک گیان (صحیح علم)

۳۔ سمیک چرتر (صحیح عمل)

صحیح عقیدہ

ان تینوں جواہر ثلاثہ میں صحیح عقیدہ (سمیک درشن) کو بنیادی مقام حاصل ہے اس کے مفقود ہونے کی صورت میں صحیح علم اور صحیح عمل کا تصور ناممکن ہوجاتا ہے۔

صحیح علم

صحیح علم اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ ہر باطل علم زائل نہ ہوجائے۔ مقدس کتابوں پر مبنی علم، حواس اور عقل پر مبنی علم، غیب دانی سے حاصل کردہ علم، دوسروں کے احساس وشعور پر مبنی علم اور زمان ومکان کی قید سے آزاد علم، جین مت میں صحیح علم کے مشتملات ہیں۔

صحیح عمل

صحیح عمل جین مت کی تعلیمات کا وہ حصہ ہے جو براہِ راست روح کو مادہ کی قید سے مکمل طریقے پر آزاد کرانے اور موکش (نجات) کے حصول کا پورا پورا ذمہ دار ہے۔

پانچ ورت (عہد)

جین مت کے اخلاقی تعلیمات میں ان پانچ ورتوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، ان پر ہر ایک جینی کو تاحیات عمل کرنے کا عہد کرنا پڑتا ہے، پانچوں ورت مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اہنسا .... (عدم تشدد)

۲۔ ستیہ .... (راست گفتاری)

۳۔ استیہ .... (چوری نہ کرنا)

۴۔ برہم چریہ .... (پاک بازی)[۱]

۵۔ اپری گرہ .... (دنیا سے بے رغبتی)

اپری گرہ کی اصطلاح مہاویر کی وضع کردہ ہے مہاویر سے پہلے برہم چریہ کے تحت ہی دنیا سے بے رغبتی کا اصول شامل تھا۔

۱۔ برہمچریہ کی اصطلاح مہاویر کی وضع کردہ ہے۔ مہاویر سے پہلے اپری گرہ یعنی دنیا سے بے رغبتی کے تحت ہی یہ آتا تھا۔

جین مت میں خدا کا تصور

خدا کے وجود یا عدمِ وجود کے سلسلے میں مہاویر جین یا اس کے ماقبل کے تیس۲۳ تیرتھنکروں کے کلمات کوئی رہنمائی نہیں کرتے، حتی کہ جین گرنتھ میں بھی اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی ہے۔ ان کی تعلیمات میں پوری قوت صرف اور نروان اور موکش کے حصول کے لئے صرف کی گئی ہے۔ ان کے کچھ ایسے عقائد ضرور ہیں جن سے بادی النظر میں غلط فہمی کا پیدا ہو جانا امرِ یقینی ہے۔ مثلاً دنیا کے سلسلے میں یہ تصور کہ ازلی اور ابدی ہے۔ نہ ہی کوئی اس کا خالق ہے اور نہ ہی اس کا فنا کرنے والا۔ اس کی تخلیق دو چیزوں سے مل کر ہوئی ہے۔ جیو اور اجیو یعنی روح اور مادہ اس کے علاوہ کسی تیسری چیز کی شمولیت نہیں ہے بلکہ یہی دونوں روح اور مادہ اپنی مختلف شکلیں بدلتی رہتی ہیں۔ کوئی نئی چیز نہ ہی پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی فنا ہوتی ہے صرف نئی نئی شکلیں وجود میں آتی رہتی ہیں۔ اس کا کوئی خالق ہے اور نہ کوئی منتظم۔ اس کے مدّ مقابل اور سخت مخالف ویدک دھرم جس کے اصولوں سے اسے زبردست مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اس کے عروج میں آتے ہی ویدک دھرم کا شیرازہ بکھر گیا۔ انتقامی جذبہ کے تحت ویدک دھرم کے علمبردار جین مت کی طرف بڑی شد و مد سے الحاد و دہریت کو منسوب کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ شاید ہی کوئی بلند بانگ دعوے کے ساتھ ان کے ناستک ہونے کا قائل ہو۔ سوامی دیانند سرسوتی نے اس مذہب کی مخالفت میں سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ستیارتھ پرکاش کے بارہویں حصے میں سوامی دیانند سرسوتی نے طویل بحث کی ہے۔

جینی رہنماؤں اور ان کے مصنفوں نے اس الزام کی پرروز طریقے پر تردید کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ ہم ایشور کے منکر نہیں ہیں۔ ہاں ایشور کا جو اوروں کے یہاں تصور ہے وہ ہمارا نہیں ہے۔ ہم ایشور کو خالق، منتظم اور مجازی ہونے سے پاک مانتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ایشور تخلیق کاری اور ربوبیت کی قید سے آزاد ہے ایشور کو ان صفات سے مقید کرنا اس کی شان کے خلاف ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ زیادتی اور ظلم ہے۔ جین مت کے ایک عظیم مصنف رکھب داس اپنی 'جین مت اور پرماتما' میں جین مت پر لگے ناستکتا کے الزام کی تردید ان الفاظ سے

کرتے ہیں:

ناظرین بخوبی اس مسئلہ سے واقف ہیں کہ اکثر لوگ جینیوں کو ناستک (ملحد) کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ جین دھرم پر ناستکتا (الحاد) کا الزام عائد کرتے ہیں ....ان لوگوں کا اس طرح کے تصور کے اظہار سے واضح ہوجاتا ہے کہ انہیں جین دھرم کے متعلق قطعاً واقفیت نہیں ہے۔ کیونکہ جین دھرم والے پرتما کے وجود سے کبھی انکار نہیں کرتے ہیں، جین گرنتھوں میں آتما اور پرماتما کا سروپ (خاکہ) ایسا مشرح اور توضیح کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ دوسری جگہوں پر اتنا واضح نہیں پایا جاتا ہے، صرف فرق اتنا ہے کہ جین دھرم والے پرماتما میں کرتا ہرتا (پیدا کرنے والا اور دور کرنے والا) کے اوصاف کے قائل نہیں ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ جب خدا خالقِ کائنات نہیں، قادر مطلق نہیں اور نفع وضرر کی صفت سے عاری ہے تو اس کی عبادت وریاضت سے کیا حاصل ہے؟ اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے موصوف مصنف فرماتے ہیں:

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب آپ پرماتما کو کرتا ہرتا تسلیم نہیں کرتے۔ جب پرماتما سنساری جیو کو کچھ دکھ سکھ نہیں پہنچا سکتا، جب پرماتما انسانوں کو کسی قسم کی کوئی مدد یا نفع ونقصان پہونچانے سے قاصر ہے تو ایسے پرماتما کی پرستش سے کیا فائدہ؟..........جین دھرم والے اپنے پرماتما کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ پرماتما کا دھیان کرنے سے دل دنیاوی عیش وعشرت سے ہٹ جاوے اور پرماتما کے اوصاف آتما (روح) میں ظاہر ہوکر آواگون سے چھوٹ کر پرماتم پدم (الوہیت کے مقام) پرپہنچ جائے[۱]

جین مت میں خدا کا تصور شخصی نہیں ہے بلکہ صرف خدائی مقام تسلیم کرلیا گیا ہے۔ جو بھی اس مقام پر پہنچ جائے وہ خدائی صفت سے متصف ہوجاتا ہے جیسا کہ ان کے تیرتھنکروں نے نروان حاصل کرکے خدا کا مقام پالیا۔ خواہ اوتسروپنی دور کے تیرتھنکر ہوں یا موجودہ اوسرپنی کے۔ بحالت جسمانی وفات سے پہلے ہی انہوں نے اس مقام کو حاصل کرلیا۔ ان کے علاوہ تمام جیو (روحیں) خدائی صفت کا مقام رکھتی ہیں لیکن جب تک یہ پدگل (مادہ) کے ساتھ مقید ہیں اس مقام کو نہیں پہنچ سکتیں۔ خدا کے مقام تک پہنچنے کے لئے انہیں اجیو (مادہ) سے نجات حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا اسی وجہ کر جین مت کی مکمل تعلیمات کا ماحصل یہ ہے کہ کسی بھی طرح جیو کو

۱۔ رکھب داس، جین مت اور پرماتما، ص: ۴۰

اجیو سے نجات دلا کر اس کا اپنا مقام خدائی صفت سے ملحق کر دینا ہے۔ پی، آر، جین اپنی کتاب ''جین مت کے بنیادی اصول'' میں لکھتے ہیں:

''جین دھرم ایسا خدا جو شخصی اور ازلی ہو، شروع سے ہو اور ہر جگہ موجود ہو، ساری چیزوں کا علم رکھتا ہو اور قادر مطلق ہو، اسی طرح ساری کائنات کا خالق بھی ہو، یقین نہیں رکھتا۔ جین مت میں خدائی مقام پر پہنچی ہوئی اور مکتی حاصل کی ہوئی روحیں جو تعداد میں بے شمار ہیں۔ یہ تمام خدا کی جگہ لے لیتی ہیں۔ اسی طرح ایک فرد کی روح مسلسل مساعی کے بعد الوہیت کا مقام حاصل کر لیتی ہے۔ حقیقت میں وہ انسانی روح ہی ہے جو خارجی مادی کرموں سے پوری طرح پاک وصاف ہو جانے پر خدائی کمال کے بلند ترین مقام پر پہنچ جاتی ہے پھر اس طرح اس نظام میں خود انسان آپ اپنی مدد پر پورا بھروسہ اور اعتماد کرتے ہوئے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچ کر خدا بن جاتا ہے''[۱]

Jainism Not Atheism میں خدا کا مقام حاصل کر لینے کے سلسلے میں مذکور ہے:

''مادہ سے پیدا شدہ تمام خارجی طاقتیں جب روح سے ہٹا دی جاتی ہیں تو روح بالکل پاک ہو جاتی ہے اور پھر کبھی وہ ناپاک نہیں ہوتی ہے۔ حتی کہ اپنے اصل خدائی مقام پر پہنچ جاتی ہے''[۲]

جین مت کا یہ عقیدہ ہے کہ جب جیو (روح) کرموں سے رہائی اور پدگل (مادہ) سے علیحدہ ہو کر نجات حاصل کر لیتا ہے تو اس کا نام جیو آتما سے پرماتما بن جاتا ہے۔ آتما والے جیو کو انتر آتما یا عارف بھی بولا جاتا ہے۔ کیونکہ انتر آتما کی حالت میں جیو اکٹھا کئے ہوئے (پچھلے جنموں کے) کرموں کا نرجرا (خاتمہ) کر کے آئندہ کرم کے اعادہ سے روکتا ہے۔ (عمل کے بجائے دھیان گیان میں مشغول رہتا ہے۔) جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ماضی کے کئے ہوئے کرم رفتہ رفتہ زائل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح جب مستقبل میں کرم کا کوئی عمل نہ ہوا اور ماضی کے کرم بھی دھیرے دھیرے مسخ ہو گئے ہوں تو اب جیوتنِ تنہا رہ جاتا ہے۔ چونکہ یہ پدگل (مادہ) سے جدا ہو گیا اور مادہ سے علیحدگی کی صورت میں چوراسی لاکھ جیونیوں سے رہائی پا کر جنم مرن کے جھگڑے سے مکمل طور پر آزاد ہو گیا۔ اور اسی آزادی کا نام نجات یا مکتی ہے۔ لہذا اس مقام پر رسائی کے بعد اس جیو کو پرماتما یا عالم کل سے جانا جاتا ہے۔

۱۔ پی، آر، جین، جین مت کے بنیادی اصول، ص:۳۱

۲۔ P.R. Jainism Not Atheism P.7

پرماتما کی دو قسمیں ہیں ایک سکل پرماتما (جسمانی خدا) یا جیون مکت، دوسرا نکل پرماتما (بےجسم کا خدا) یا بدیہ کلت، جسمانی خدا کے مقام کو جیو اس وقت پالیتا ہے جب اسے کیولیہ گیان ہو جاتا ہے یعنی جب اسے کائنات کی اشیا کی حالتوں کا احساس پورے طور پر ہونے لگتا ہے اور خود بھی وہ تمام عیبوں سے بری ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ اپنے آخری جسم میں ہوتا ہے اور سنساری جیوؤں کو دھرم اپدیش دیتا ہے اور جس راستہ پر چل کر وہ اس درجہ پر فائق ہوا ہے اس کی تعلیم وتلقین غیروں کو بھی کرتا رہتا ہے۔ اور جب وہ سکل پرماتما (جسمانی خدا) اگھاتیا کرموں کا بھی ناش کردیتا ہے تو پھر نکل پرماتما (بےجسم کا خدا) بدیہ مکت کہلانے لگتا ہے، اس وقت جیو کا تعلق جسم اور کرم سب سے جدا ہو کر ایک پاک جیو بن جاتا ہے پھر اس کا رشتہ اور تعلق اپنے آخری جسم کے ساتھ صرف ایک عکس کی مانند رہتا ہے۔ دوبارہ دنیا میں آنے جانے کی پریشانیوں سے نجات مل جاتی ہے۔ وہ اپنے سرورِ روحانی میں ہمہ وقت مست رہتا ہے۔ وہاں اسے کوئی غم اور فکر لاحق نہیں ہوتی اور نہ کسی سے کوئی مطلب اور خواہش ہوتی ہے[1]

حاصل کلام یہ ہے کہ جین مت ملحد نہیں ہے۔ ان پر یہ الزام بےجا ہے۔ ان کے یہاں خدا کا تصور موجود ہے البتہ کسی شخصی اور معین خدا کا تصور نہیں پایا جاتا، بلکہ ان گنت اور غیر شخصی خدا کے تصور میں ہر نجات یافتہ روح پرماتما ہے۔ جس کا مقام خالق حقیقی سے کم نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے مخالف ویدک دھرم کو بھی تعدد الٰہ کے معاملے میں بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ ویدک دھرم میں تعدد الٰہ متعینہ شکل میں موجود ہے۔ لیکن جینیوں کے یہاں اس منزل کے حصول میں کوئی حد نہیں ہے بلکہ روز بروز اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے۔ ان کی پوری زندگی کا اعلیٰ ترین مقصد خدائی مقام کا حصول ہی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ خدائے حقیقی کی صفات سے عاری لاتعداد خداؤں کی موجودگی کے باوجود ان کے یہاں خدا کا تصور ملتا ہے۔

۱۔ جین مت سار، ص: ۲۸۴

دیوتاؤں کا تصور

تیرتھنکروں اور نجات یافتہ روحوں (پرماتماؤں) کے علاوہ ان کے یہاں دیوتاؤں کا تصور بھی کثرت سے پایا جاتا ہے، جو مختلف اوقات میں آسمان سے زمین پر آکر نوع بنوع کی خدمات انجام دیتے رہتے ہیں۔ یہ خصوصاً تیرتھنکروں کی پیدائش، سنیاس، گیان اور نروان کے وقت تشریف لاتے ہیں اور جشن مناتے ہیں۔ پھر ان دیوتاؤں کی تعداد کے سلسلے میں دونوں بڑے فرقوں یعنی دگامبر اور سویتامبر میں کافی حد تک اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ دگامبروں کے نزدیک سو اندر دیوتا تصور کئے جاتے ہیں، اور سویتامبری کے یہاں صرف چونسٹھ قابل تسلیم ہیں[۱] پھر دیوتاؤں کے خدمات انجام دینے کے سلسلے میں بھی ان دونوں فرقوں میں باریک باریک مسائل تک میں کثرت سے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ بعض مقامات پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک کا دوسرے کی مخالفت کرنا ان کا شیوہ ہے، خواہ حقیقت اس کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اپنے دلائل کے ثبوت فراہم ہوں یا نہ ہوں ناک اونچی رہنی چاہئے۔ مثال کے طور پر سویتامبری فرقے کا یہ عقیدہ ہے کہ تیرتھنکروں کے موکش (نجات) کے بعد دیوتا اس کی داڑھ کو سورگ (جنت) میں لے جاتے ہیں او راسے پوجتے ہیں۔ لیکن دگامبری فرقہ اسے تسلیم کرنے سے اعراض کرتا ہے اور سختی سے اس کا رد کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اصل اور حقیقت یہ ہے کہ دیوتا تیرتھنکروں کے ناخون اور بال سورگ (جنت) میں لے جا کر پوجتے ہیں۔ جب کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے بھی پاس اس مختلف فیہ دعوی اور متنازع موقف کے ثبوت میں دلائل وبراہین نہیں ہیں۔ اسی طرح سویتامبری کا دعوی ہے کہ تیرتھنکروں کی پیدائش کے وقت اندر دیوتا پالکی کے ساتھ حاضر ہوتا ہے۔ لیکن دگامبری اپنی گاتے ہوئے کہتے ہیں کہ نہیں اندر نہیں بلکہ اہرادت آتا ہے اور ہاتھی لیکر آتا ہے۔[۲] اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے چھوٹے بڑے اختلافات پائے جاتے ہیں جن کی تفصیلات جینی مستند کتابوں میں مذکور ہیں۔

۱۔ جین مت سار، ص: ۸۳
۲۔ ایضاً، ص: ۷۷۔۷۸

مورتی پوجا

جین مت کے ابتدائی دور میں مورتی پوجا کا رواج بالکل نہ تھا، ان کے قدیم لوگوں نے کچھ مصلحتوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے مورتی پوجا کی بدعت شروع کی پھر مرور زمانہ کے ساتھ اسے برحق اور نروان کے متلاشی مبتدی کے لئے مورتی پوجا کو لازمی قرار دیا۔ ان کا خیال ہے کہ بغیر مورتی پوجا کے ایک مبتدی شخص کا نجات حاصل کرنا ناممکن ہے۔ کیونکہ جو نجات کے متلاشی مبتدی ہیں اور پرمیشور کی صفات کو اپنے دل میں جگہ نہیں دے سکتے ان کے واسطے قدیم بزرگوں نے اس کی صفات کو مجسم کر کے اس کی مورتی تیار کی ہے۔ تا کہ اسے اپنے سامنے رکھ کر مبتدی جینی اس کی صفات کا دھیان اپنے دل میں کر سکیں۔ ان کی مورتیاں حقیقت میں سگل پرماتماؤں (تیرتھنکروں) کی ہی تصویر ہوتی ہیں۔ جیسا کہ جین دگامبر مورتی ایک حقیقت ہے۔ جینیوں کو فخر ہے کہ ہماری مورتیاں ہنود کی مورتیوں سے منفرد مقام رکھتی ہیں۔ کیونکہ انہیں نہ ہی کسی استری اور ہتھیار کی حاجت ہے اور نہ ہی کسی سامان عیش، حتیٰ کہ پوشاک وغیرہ سے بھی مبرا (بالکل عریاں) ہیں۔

پرماتما سے رابطہ قائم کرنے کیلئے مورتیوں کی عظمت واہمیت کا اظہار کرتے ہوئے جینی کہتے ہیں کہ ایک مبتدی شخص کیلئے مورتی کے دھیان کے بغیر دل کی یکسوئی کے ساتھ پرماتما کی قربت کا حصول اس سے زیادہ نہیں کہ خلا میں تیر پھینک کر تیر اندازی کی مشق کی جائے[۱]

آج مورتیوں کو پوجنے کے جو طریقے رائج ہیں وہ ابتدائی دور سے کافی حد تک مختلف ہو چکے ہیں۔ آغاز میں مورتیوں کے سامنے صرف ہاتھ جوڑ کر یا پھر ان کو اشٹ انگ نمشکار کے ذریعہ ان کی پوجا کی جاتی تھی۔ کچھ عرصہ گذرنے کے بعد پھل، پھول، اشٹ دریہ یعنی جل، (ہر قسم کی سیال اور مائع چیزیں) چندن، (تمام خوشبو دار چیزیں) اشٹ (ہر قسم کے اجناس) پشپ (ہر قسم کے پھول) نئی دید (ہر قسم کی شیرینی) دیپ (ہر قسم کی روشنی) دھوپ (بخارات) پھل سے انہیں پوجنے کا طریقہ عام ہوگیا۔ تقریباً نویں صدی عیسوی کے بعد اس رواج کی بنیاد پڑی ہے۔ چونکہ

۱۔ ایضاً، ص: ۲۸۹

ان کے پرانے رشی کُند کُند سوامی، شری سمنت بھدر سوامی، شری پوج پاد سوامی، شری امرت چندر سوامی کے دور تک اشٹ دریہ سے پوجا کرنے کا واضح ثبوت نہیں ملتا اور یہ سب سوامی دسویں صدی عیسوی سے قبل کے ہیں۔ اشٹ دریہ سے پوجا کئے جانے کا طریقہ یہ ہے کہ ان تمام آٹھوں چیزوں کو بھگوان کی مورتی کے کے سامنے پیش کر کے یہ التجا کرتے ہیں کہ اے میرے پرماتما مجھ کو دنیا کی ان تمام چیزوں نے مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے اور الجھا دیا ہے۔ آپ نے ان تمام اشیاء کا تیاگ کیا ہے۔ لہذا میرے دل سے بھی ان کی اہمیت اور محبت کو زائل کر دیں[۱]

جینیوں کا خیال ہے کہ مورتیوں کے پوجنے کے مروجہ طریقے کا آغاز ۱۰۱۰ بکرمی یعنی ۹۰۰ء میں ہوا، شری رام چندر رجی، لکشمن جی اور سیتا جی کی مورتیاں اس میں رکھ کر دیپ، دھوپ اور نئی دید سے ان سب کی پوجا شروع کی۔ پھر عوام کی توجہ اس جانب مائل کرنے کی خاطر مٹھائیاں (لڈو، پیڑے) وغیرہ بطور پرشاد کے عوام میں تقسیم کرائے۔ جس سے لوگوں کی رغبت میں اضافہ ہونے لگا۔ اس طریقے سے جینی متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ آخر کار انہوں نے بھی لاتعداد مندر شہر میں بنا ڈالے پھر اپنی مورتیوں کی اشٹ دریہ پوجنے کی بنا ڈال دی۔ اس کے بعد یہ مرض بڑھتا ہی چلا گیا حتی کہ ۱۱۹۹ء ویدک دھرم کے مادھو اچاریہ نے وشنو کے نام سے ایک مندر تعمیر کرا کر اس میں شری کرشن جی اور رادھا جی کی مورتیاں ان میں رکھ کر نرت یا ناچ وغیرہ کا سلسلہ شروع کیا۔ نیز مندروں کو مختلف طریقوں سے آرستہ کیا اور ساتھ ہی ان میں رکھی جانے والی مورتیوں کو بھی رنگ برنگ کے لباسوں اور غیر ضروری اشیا کے ذریعہ سنوارنے اور سنگار کرنے میں پوری قوت صرف کرنے لگے۔ جینیوں کے سوتیامبری فرقہ کو یہ رنگ رلیاں بھا گئیں۔ لہذا انہوں نے بھی عالی شان مندر شہروں میں تعمیر کرا کر بھگوان کی مورتیوں پر چڑھانے کیلئے کثیر صرفہ سے مکٹ تیار کرائے۔ پھر بڑی دھوم دھام سے اشٹ دریہ کے ساتھ ان کی پوجا میں فرقہ سوئیتا مبری کا ہر ایک شخص حصہ لینے لگا۔ لیکن جب لوگ صداقت اور حقیقت سے دور ہو گئے گمراہی بڑھنے لگی مہا پرشوں کی مورتیوں کو مورتیاں تصور کرنے کے بجائے انہیں ہی پرمیشور (خدا) سمجھنے لگے تو چودھویں صدی عیسوی میں سوئیتا مبر فرقے سے ڈھونڈ یا مت (ستھا نک واسی) دگامبر سے نارن پتھ اور ویدک دھرم سے کبیر پنتھ، نانک پنتھ وجود میں آیا جنہوں نے شدت کے ساتھ مورتی

۱۔ ایضاً، ص: ۲۹۷۔۲۹۸

پوجن کی مخالفت کی۔[۱] لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس وقت ہندوستان میں اسلام کا پودا کافی تناور ہو چکا تھا جس کا اصل مشن ہی حق و باطل کے درمیان امتیاز اور گمراہیوں سے آگاہ کر کے ہدایت اور روشنی کی راہ پر گامزن کرنا تھا۔ لہذا یہ بہت ممکن ہے کہ مورتی پوجن کے مخالف ان مختلف فرقوں نے اسلامی تعلیمات سے متأثر ہو کر یہ قدم اٹھایا ہو۔

عام مؤرخین کا خیال ہے کہ مورتی پوجا کا آغاز جینیوں نے کیا۔ لیکن اس کے رسم ورواج اور طور طریقے انہوں نے ہندوؤں سے سیکھے۔[۲] ان دونوں نے مورتی پوجا کی ایجادات میں اپنی مقدس کتابوں سے کوئی رہنمائی حاصل نہیں کی، بلکہ اس میں مزید خرافات کا روز بروز اضافہ ہی کرتے رہے۔ آپس میں صف آرائی ہوئی اور کوئی بھی ایک دوسرے سے پیچھے نہ رہا حتیٰ کہ شرافت کے حدود سے تجاوز کرتے ہوئے ناچ گانے اور رنگ رلیاں تک کی نوبت آ پہنچی۔

☆☆☆

۱۔ ایضاً، ص: ۲۹۳

۲۔ سید حامد علی، جین مت اور خدا پرستی، ص: ۳۸

سکھ ازم

صفحہ

سکھ ازم، ایک اجمالی جائزہ

ہندوستان کے چند بڑے مذہبوں میں ایک جدید ترین مذہب سکھ مت ہے، سکھ کا لفظ غالبًا فارسی کے سیخ یا سنسکرت کے ششیہ سے ماخوذ ہے، جو پنجابی زبان میں لسانی خطا کی بنیاد پر سیکھ بن گیا یعنی سیکھنے والا، چیلا، شاگرد اور مرید۔ پھر یہ لفظ ایک مخصوص مذہب کی اصطلاح اختیار کر گیا۔ حتی کہ ہر متبع اور پیروکار جو گرونانک دیو جی کی تعلیم سے فیضیات ہوا وہ سیکھ یا سکھ بن گیا۔

سکھ ازم کا آغاز پندرہویں صدی عیسویں کے آخر میں بابا گرونانک کا اس انقلابی کلمہ (نہ کوئی ہندو اور نہ کوئی مسلمان) سے شروع ہوا۔ یہ سکھ ازم کے سب سے پہلے گرو ہیں۔ ان کی پیدائش لاہور سے پچاس میل دور جنوب مغرب ضلع شیخ پور میں واقع ایک گاؤں تلونڈی جواب نانکانہ صاحب کے نام مشہور ہے۔ اپریل یا مئی ۱۴۶۹ء میں ہوئی۔ وفات کے سلسلے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ۱۵۳۸ء ہے اور بعض کے نزدیک ۱۵۳۹ء ہے جبکہ بقیہ دیگر گوروؤں کی تاریخ پیدائش اور وفات کے محفوظ رکھنے میں غیر معمولی اہتمام کیا گیا ہے۔ خاندان کے اعتبار سے وہ ہندو، بیدی کھتری تھے۔ انکے والد کلیان عرف کالو اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ تھے۔ ماں کا نام ترپتا تھا۔ ان کی ابتدائی پرورش مسلمان دائی دولتا کے گود میں ہوئی۔ بچپن بادشاہ بہلول لودھی کے عہد میں گذرا۔ بابر کے عہد میں عروج حاصل ہوا۔ اوائلِ عمری میں انہوں نے نہ صرف سنسکرت اور ہندو مذہب کی مقدس کتابوں کا علم حاصل کیا بلکہ اس وقت کے عام دستور کے مطابق گاؤں کی مسجد و مکتب میں عربی و فارسی کی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ مذہبی رجحان فروغ پاتا چلا گیا۔ سنِ بلوغت کے بعد جب یہ اپنے والد کی دکانداری و تجارت میں معاون نہ بن سکے تو انہیں ان کی بہن نانکی بی بی کے گھر سلطان پور بھیج دیا گیا۔ یہاں انہیں صوبے دار دولت خاں لودھی کے بھنڈار کی نگراں کی حیثیت سے ملازمت مل گئی۔ سترہ برس کی عمر میں ان کی شادی کھتری خاندان میں مول چند کی بیٹی سولکشمی سے ہوئی۔ ان سے دو صاحبزادے سری چند اور لکشمی داش پیدا ہوئے۔ دنیا میں دل نہ لگنے کی وجہ سے روحانی تسکین کی خاطر زیادہ تر وقت بھگتوں، سنتوں،

صوفیوں، اور فقیروں کی صحبت میں گذار نے لگے اور اس دور کے ماحول کے مطابق بھگتی کے رجحانات کے زیر اثر خدائے واحد کی پرستش کو ترجیح دی۔ وہ ایک حساس ذہن کے ساتھ شعر وشاعری پر بھی کافی کچھ قدرت رکھتے تھے۔ اس لئے وہ اپنی روحانی کیفیت کے غلبہ کے دوران خدائے واحد کی حمد وثنا اور عشق حقیقی میں ڈوبے ہوئے اشعار مرتب کرتے تھے۔ معمول کے مطابق بلا ناغہ ہر روز صبح سویرے اپنے بچپن کے ساتھی مردانہ کے ساتھ (جو ذات کا مراثی تھا اور رباب بجانے میں بڑی مہارت رکھتا تھا) شہر کے قریب ہی بین ندی کے ٹھنڈے پانی میں غسل وغیرہ سے فراغت کے بعد وہیں ندی کے کنارے بیٹھ کر دیر تک ذاتِ باری کی حمد وثنا میں مثل کیرتن کے مشغول رہتے اور ان کا دوست مردانہ ربابِ موسیقی سے ان کا ساتھ دیتا رہتا تھا۔ اسی طرح رات میں بھی معمولات سے فراغت کے بعد دیر رات تک عقیدت مندوں کے ساتھ یاد الٰہی کی محفل گرم رہتی، ایک عرصہ بعد ان کی زندگی کا وہ بڑا قیمتی لمحہ پیش آیا جس نے ان کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔

روزمرہ کے معمول کے مطابق گرونانک ایک دن صبح کے وقت ندی میں غسل کرنے کیلئے اترے تو غوطہ لگانے کے بعد باہر واپس نہیں آئے۔ ان کے کپڑے ندی کے باہر پائے گئے۔ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ نانک صاحب ندی میں ڈوب گئے۔ ان کے متعلقین، غوطہ خوروں، جال ڈالنے والوں اور نواب دولت خاں نے انتہائی کوشش کی کہ کم از کم ان کی نعش ہی دستیاب ہو جائے مگر کہیں کچھ پتہ نہ چلا۔ تین دنوں بعد اچانک گرونانک کا ظہور ہوا۔ لوگوں کی انتہائی حیرت اور استفسار کا جواب انہوں نے مکمل خاموشی سے دیا۔ ایک روز مکمل خاموش رہے۔ اگلے روز جب انہوں نے زبان کھولی تو سب سے پہلا کلمہ جو انکی زبان سے نکلا 'نہ کوئی ہندو نہ کوئی مسلمان' سکھ مت کے عقیدے کے مطابق خفاء و پوشیدگی کے یہ تین دن گرونانک صاحب خدا کے حضور میں تھے جہاں انہیں براہ راست ذاتِ الٰہی کے طرف سے عشقِ الٰہی کا جام عطا ہوا اور ذکر الٰہی کی یہ ذمہ داری ان پر عائد کی گئی[1]

سکھ ازم دس گروؤں کی کہکشاں پر مشتمل ہے۔ اور ہر ایک گرو کا مقام ان کے یہاں نبی اور اوتار سے بھی زیادہ ہے۔ بعض موقعوں پر تو خدا کے منصب پر فائز ہو جاتے ہیں۔ ان تمام میں سب سے پہلا مقام اس کے بانی گرونانک کا ہے۔ پھر پانچویں، نویں اور آخری

۱۔ دنیا کے بڑے مذاہب، ص: ۲۰۳

گروکو کافی اہمیت دی گئی ہے، ان کے دسوں گروں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ گرونانک .... ان کا زمانہ ۱۵۳۹ء تک رہا
۲۔ گروانگند .... ان کا زمانہ ۱۵۳۹ء سے ۱۵۵۲ء تک رہا
۳۔ گروامرداس...... ان کا زمانہ ۱۵۵۲ء سے ۱۵۷۴ء تک رہا
۴۔ گرورام داس .... ان کا زمانہ ۱۵۷۴ء سے ۱۵۸۱ء تک رہا
۵۔ گروارجن دیو ...... ان کا زمانہ ۱۵۸۱ء سے ۱۶۰۶ء تک رہا
۶۔ گروہرگوبند.........ان کا زمانہ ۱۶۰۶ء سے ۱۶۴۴ء تک رہا
۷۔ گروہری رائے .... ان کا زمانہ ۱۶۴۴ء سے ۱۶۶۱ء تک رہا
۸۔ گروہرکشن.......... ان کا زمانہ ۱۶۶۱ء سے ۱۶۶۴ء تک رہا
۹۔ گرتیغ بہادر ....ان کا زمانہ ۱۶۶۴ء سے ۱۶۷۵ء تک رہا
۱۰۔ گروگوبند سنگھ ....ان کا زمانہ ۱۶۷۵ء سے ۱۷۰۸ء تک رہا

گرونانک اور ان کے نائبین کی خدمات

۱۔ گرونانک

معرفت الٰہی کے بعد گرونانک صاحب کی زندگی میں ایک زبردست انقلاب آ گیا۔ اپنے قرابت داروں اور متعلقین سے قطع تعلق کر کے اور ذمہ داریوں کو خیر باد کہہ کر رہبانیت کا لبادہ اختیار کر کے جنگل میں گوشہ نشیں اور یاد الٰہی میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔ پھر اکناف عالم میں ذکر الٰہی عام کرنے کی خاطر تھوڑے عرصہ بعد ہی شہر کا رخ کیا۔ اپنے بعض متعلقین جوان کے اس جدید طرز عمل اور ترکِ دنیا سے نالاں تھے انہیں اپنی موجودہ حالت کو ماقبل کی زندگی پر ترجیح دیتے ہوئے خدا کی اس نعمت عظمیٰ کا شکریہ ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں:

ہوں ڈھاڈھی وے کار کارے لایا ☆ رات دھے کے وارڈھر ہو فرمایا

میں ایک بیکار گویا تھا مجھے (مالک نے) کام سے لگا لیا ہے
شروع ہی سے اس نے مجھے دن ورات اپنی حمد وثنا کا حکم دیا ہے

ڈھاڈھی سچے محل کھم سی بلایا ☆ سچی صفت صلاح کپڑا پایا

مالک نے گویئے کو اپنے سچے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا
جہاں اس نے تعریف اور سچی عزت کا خلعت پایا

سچا امرت نام بھو جنوں آیا ☆ گُرمت کھادا رَج تن سکھ پایا

اس وقت سے اسم حق (کا ورد) اس کی خوراک بن گیا
جو بھی اس خوراک کو کھائے گا وہ مکمل مسرت سے بہرہ یاب ہو جائے گا

ڈھاڈھی کرے پساوَ شبدوَ جایا ☆ نانک سچی صلاح پورا پایا

خدا کی حمد وثنا کر کے میں اس کی تعریفوں کو عام کر رہا ہوں
نانک خدا کی سچی تعریفیں بیان کر کے میں نے اس کو مکمل طور پر پا لیا ہے[1]

۱۔ گروگرنتھ صاحب، ص: ۱۵۰

اس کے بعد تین معمولی وقفوں کے ساتھ پچیس سالوں پر محیط ہندوستان کے مختلف علاقوں کا سفر شروع کیا۔ پھر بیرونِ ممالک سعودی عرب اور عراق وغیرہ کی سیاحت کی اور اپنے نظریہ کی مخصوص انداز تبلیغ واشاعت کے بعد واپس پنجاب پہونچے۔ انکے بیرون ممالک خصوصاً سعودی عرب کے اسفار کے سلسلے میں کوئی مستند تاریخ نہیں ملتی۔ عام مؤرخین نے اس سے انکار کیا ہے۔ بعض نے تو گرونا نک کے حجاز کے سفر کے بارے میں بڑی سختی سے تردید کی ہے[۱]

آخری ایام تقریباً اٹھارہ برس کرتار پور میں گزارے۔ پھر ایام وفات سے قبل دوران حیات میں ہی اپنی روحانی تعلیمات کے تسلسل کے قیام کے لئے متعدد آزمائشوں کے بعد اپنے ایک مرید لہنا کو فنا فی الشیخ کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز پاکر انگد (اپنی ذات کا جز) کا خطاب دیا اور گرو کے منصب سے نواز کر اپنا جانشیں مقرر کر کے بیس دن بعد اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ گرونا نک صاحب کی مذکورہ سوانح حیات کوئی مستند نہیں۔ چونکہ ان کی سوانح جو بیان کی گئی ہیں وہ معتبر او رقابل استناد کتابوں سے ماخوذ نہیں ہیں بلکہ ایسے جنم ساکھیوں سے ماخوذ ہیں کہ وہ جنم ساکھیاں خود مستند نہیں ہیں۔ سکھ گروؤں کے سب سے بڑے محقق ایم، اے، میکلف تسلیم کئے جاتے ہیں۔ ان کا اعتراف ہے کہ جس قدر بھی معروف ومشہور جنم ساکھیاں ہیں، تقریباً وہ تمام کی تمام بے بنیاد ہیں[۱] بقیہ نوگرو جوان کے بعد تشریف لائے ان تمام کی سوانح حیات بھی گرونا نک سے زیادہ مستند نہیں ہیں۔ حتی کہ پانچویں، نویں اور آخری گرو یعنی ارجن دیو، تیغ بہادر اور گوبند سنگھ جو سکھ مت کو عروج بخشنے میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں، ان کے حالات اور اہم ترین واقعات کے سلسلے میں سکھ مصنفین اور مؤرخین میں اس کثرت سے اختلافات موجود ہیں کہ حقیقت حال نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سکھوں نے اپنے گروؤں کی سوانح حیات مرتب کرنے میں حزم واحتیاط سے کالیا جس کا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریزوں نے مسلمانوں کے خلاف انہیں برسرِ پیکار کرنے کے لئے بڑی آزادی کے ساتھ ان کی تاریخوں میں گڑبڑی پیدا کی۔

۱۔ سید حامد علی، سکھ مت اور توحید، ص: ۲۵

گرونانک کے حالات زندگی سے یہ بات قطعاً مترشح نہیں ہوتی کہ انہوں نے اپنی حیات میں دانستہ طور پر کسی مذہبی جماعت کی تشکیل کی کوشش کی ہو۔ کیونکہ وہ صرف عشقِ الٰہی کے نشہ میں سرشار ایک روحانی شخصیت کے علاوہ اور کچھ نہ تھے۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے روحانی سلسلے کے قیام کیلئے انگد کے جانشینی کے انتخاب نے ایک نظریہ کو مذہب میں تبدیل کردیا۔

۲۔ گروانگد

گرونانک نے اپنی زندگی میں ہی اپنے معتقدین کی آئندہ رہنمائی کے لئے اپنے جانشین کے طور پر گروانگد کا انتخاب کیا۔ انہوں نے اپنے استاد (گرو) کی روایات مثلاً کیرتن اور لنگر وغیرہ کو عروج پر پہنچانے کی کوشش کی اور حلقۂ معتقدین کو تقویت دینے کے لئے گرونانک اور دوسرے صوفی سنتوں کے کلام جس سے انہوں نے استفادہ کیا تھا اور جمع کر کر رکھا تھا اسے لکھنے کے لئے سکھوں کا اپنا رسم الخط گرمکھی ایجاد کیا۔ پھر اپنے ایک دوست بالا کے ذریعہ گرونانک صاحب کی سوانح مرتب کرائی اس میں اپنی تعلیمات بھی تلخیص کے ساتھ شامل کردی۔ انہیں چیزوں نے سکھ عقیدت مندوں میں اتحاد اور احساسات پیدا کرنے میں ایک زبردست رول ادا کیں [۱]

۳۔ گروامرداس

انہوں نے پنجاب میں منتشر سکھوں کو منظم کر کے بائیس حلقوں میں تقسیم کردیا اور ہر حلقہ کے لئے اپنا ایک نائب جو آزمودہ کار اور روحانی اوصاف کا حامل تھا ان کی خیر وصلاح کے لئے مقرر کیا۔ انہوں نے مذہب وملت کی تفریق کو نظر انداز کرتے ہوئے عوامی خدمات کی طرف بھی توجہ دی۔ شہنشاہِ اکبر نے سکھ مت کے فروغ واشاعت سے متعلق گرو صاحب کی بعض گذارشات کو شرفِ قبولیت سے ہمکنار کیا جس کی بنا پر سکھوں میں ان کی عزت کو مزید بڑھاوا ملا۔

۴۔ گرورام داس

انہوں نے شادی بیاہ اور مرنے کے بعد کی رسومات اپنی الگ نوعیت پر ایجاد کر کے

۱۔ دنیا کے بڑے مذاہب، ص: ۲۱۵

اسے نافذ کر دیا۔ چونکہ ان سے پہلے سکھوں کے یہاں ان کی زندگی سے متعلق اہم اور بنیادی مسائل وقوانین کے طرف کوئی توجہ نہ دی گئی تھی، عام طور پر ہندو رسم ورواج رائج تھے او رانہیں پر عمل ہوا کرتا تھا، ستی کی رسم بھی اب تک برقرار تھی، بیواؤں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا جاتا تھا، لہذا انہوں نے ستی کے رسم کے خلاف بھی اقدام کئے اور بیواؤں کی شادیوں کی طرف زور دیا، سکھ تہذیب کے لئے ایک اور بڑا کام یہ کیا کہ اکبر بادشاہ سے گذارش کر کے گرونانک صاحب کی زندگی سے وابستہ ایک مقام کو جہاں قدرتی طور پر پانی کا ایک صاف شفاف چشمہ جاری تھا ایک شہر کی بنیاد ڈالی اور اس قدرتی چشمہ کو تالاب کی شکل دیدیا، بعد میں یہ تالاب امرتسر (چشمہ آب حیات) کے نام سے مشہور ہوا اور اسی بنیاد پر شہر کا نام بھی امرتسر پڑ گیا پھر ان کے بعد آنے والے تقریباً سبھی گروؤں نے اسی مقام کو اپنا مرکز اور جائے مستقر قرار دیا۔

۵۔ گرو ارجن

گرونانک اور دسویں گرو گرو گوبند سے پہلے کسی نے بھی سکھوں کو ایک مذہبی جماعت تشکیل دینے میں اتنا اہم رول ادا نہیں کیا جتنا کہ اس پانچویں گرو نے کیا۔ سکھوں کی مقدس کتاب گرنتھ صاحب انہیں کی دین ہے۔ انہوں نے گرونانک کے کلام اور جن صوفی سنتوں کے کلام، سے گرونانک نے استفادہ کیا تھا ان کے کلام نیز اپنے سے ماقبل گروؤں کے کلام غرض سبھی کو مرتب کر کے ایک کتاب کی شکل دی جو آج گرنتھ صاحب کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اور پھر اسی کتاب کو دسویں گرو کے بعد باضابطہ طریقہ پر سب سے آخری گرو کا درجہ دیکر گرو کا سلسلہ بند کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ امرتسر میں گرو رام داس کے تالاب میں ایک مرکزی عبادت گاہ 'ہری مندر' کی تعمیر کرائی۔ اس سے قبل کوئی عبادت گاہ نہیں تھی۔ یہ پہلا مذہبی مرکز جغرفیائی اعتبار سے سکھوں کو فراہم ہوا۔ انہوں نے اسلامی اصول کی پیروی کرتے ہوئے پیداوار کی زکوٰۃ میں ہر سکھ کے لئے اس کے پیداوار پر 'عشر' وصول کرنے کے لئے عمّال بھی مقرر کئے تاکہ وہ گرو کے نذرانہ کے طور پر اجتماعی خزانہ میں جمع ہو۔ تاکہ سکھوں کی جماعت کو اس سے ایک مضبوط معاشی بنیاد کا فراہم ہو سکے۔ ان کا میلان بجائے مذہب کے سیاست کی طرف غالب ہوتا چلا گیا جس کی وجہ کر سکھ تحریک جو خالص محبت الٰہی میں سرشار جماعت تصور

کی جاتی تھی اس نے اس سے پرے ہو کر سیاسی اہمیت اختیار کر لی۔ خود گرو ارجن دیو نے سادہ بود و باش والے گروؤں کے طریقے کو چھوڑ کر درباری شان وشوکت اختیار کر لی۔ ایک موقع پر اورنگ زیب کے لڑکے شہزادہ خسرو نے کسی مسئلہ میں باپ سے ناراض ہو کر پنجاب کا رخ کیا تو گرو ارجن نے اسے سہارا دیکر ہر قسم کے تعاون کا وعدہ کیا جس کی وجہ کر گرو ارجن اورنگ زیب کے عتاب کا شکار ہوا اور قتل کیا گیا[۱]

۶۔گرو ہرگوبند

یہ گرو ارجن کے صاحبزادے اور جانشین بھی تھے۔ انہوں نے سکھ تحریک کو ایک مذہبی ملت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سیاسی جماعت کی حیثیت سے روشناس کرایا۔ چونکہ اب تک سکھ تنظیم کے رجحانات مکمل طور پر سیاسی نہ ہوئے تھے۔ انہوں نے اس کی تکمیل کر دی۔ مسند نشینی کے وقت علی الاعلان اپنے دائیں اور بائیں جانب دو تلواریں اس بیان کے ساتھ زیب تن کیں کہ ان میں سے ایک تلوار میری یعنی سیاست کی ہے اور دوسری فقیری یعنی مذہب کی ہے۔ اس اعلان سے سکھ مذہب مکمل طریقہ پر دین اور سیاست کے ساتھ مشترک ہو گیا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ باپ کے انتقام کے جذبے کے تحت تھا۔ لہذا انہوں نے اپنے آپ کو سپاہیانہ وضع قطع میں ڈھال کر اپنے معتقدین کو بھی ہمہ وقت مسلح رہنے کا حکم دیا اور زیادہ تر اوقات اپنے ساتھیوں کو فوجی مشقیں کرانے، بہادری اور جنگ جوئی کی ٹریننگ دینے میں صرف کرنے لگے۔ جس کی وجہ سے عوام میں اپنے گروؤں کا قدیم تصور جس میں وہ بنیادی طور پر ایک مذہبی رہنما ہوتا تھا، بدل کر اب ان کی زندگی میں روحانی پہلو کی جگہ فوجی اور سیاسی رہنمائی کا پہلو غالب آ گیا۔ ایک موقع پر مستقل قوانین کی خلاف ورزیوں کی بنیاد پر اورنگ زیب نے انہیں گوالیار کے قلع میں نظر بند کر دیا تھا۔ پھر لاہور کے ایک مشہور صوفی بزرگ میاں میر نے جن کے اورنگ زیب سے اچھے روابط تھے انہوں نے سفارش کرا کے آزاد کرایا۔ پھر بھی ان کے رویوں میں کوئی تبدیلی نہ آئی بلکہ مزید سرکشی اختیار کر لی حتیٰ کہ سرکاری فوج سے بغاوت مول لینے کی بنا پر انہوں نے امرتسر کی رہائش ترک کر کے شمالی مشرق کے پہاڑی علاقے میں پناہ لے کر بقیہ زندگی گزاری۔

۷۔گرو ہری رائے

یہ فطرتاً نرم خو اور صلح پسند مزاج رکھتے تھے۔ ان کے دور میں سکھ تنظیم سیاسی اعتبار سے

۱۔ ایضاً، ص: ۲۱۹

کوئی نمایاں ترقی حاصل نہیں کرسکی۔

۸۔ گرو ہر کشن

یہ گرو ہری رائے کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے نہایت کم عمری (پانچ سال کی عمر) میں انہیں اس عہدہ پر فائز کیا گیا۔ اسی کمسنی میں ہی اورنگ زیب کے یہاں چیچک کے مرض میں مبتلا ہو کر انتقال ہو گئے۔ لہذا ان کے دور میں بھی سکھ تنظیم سیاسی اعتبار سے کوئی ترقی نہ کرسکی۔

۹۔ گرو تیغ بہادر

گیارہ سال انہوں نے گرو کی خدمات انجام دی۔ یہ صلح پسند اور صوفی مزاج آدمی تھے۔ یہ اپنے کو تیغ بہادر کے بجائے دیغ بہادر کہلوانا زیادہ پسند کرتے تھے۔ ایک موقع پر یہ دہلی اورنگ زیب کے ہاں بلائے گئے اور کسی قضیے کے تحت ان کا قتل ہو گیا۔ عدالت کا فیصلہ انصاف پر مبنی تھا اگر چہ ان کے خلاف تھا۔ لیکن متعصب تاریخ دانوں نے مختلف قسم کی عداوت پر مبنی رنگ دینے کی کوشش کی ہے[۱]

۱۰۔ گرو گوبند سنگھ

یہ اوروں کے مقابلے کچھ زیادہ مدت تک گرو کے عہدے پر فائض رہے۔ انہوں نے مغل حکومت سے موت اور زندگی کی بازی کو اپنا نصب العین بنالیا تھا۔ اور سکھوں کی ایک کثیر تعداد نے بھی ان کی حمایت کا اعلان کیا۔ یہ تقریباً آٹھ سال کی عمر میں اپنے والد تیغ بہادر کی جگہ (عہدے پر) فائض ہو گئے تھے۔ یہ علم وفن، شعر وشاعری، جنگجوئی، شہسواری، جرأت ومردانگی جیسی اعلیٰ خصوصیات کے حامل تھے۔ مغل حکومت سے انتقام کے جذبے نے انہیں امرتسر چھوڑ کر ہمالیہ کے پہاڑی علاقے میں پناہ گاہ ڈھونڈنے پر مجبور کر دیا۔ اور تقریباً بیس سالوں تک انہوں نے پہاڑی علاقوں کو ہی اپنا مستقر بنائے رکھا۔ اس طویل عرصے میں انہوں نے مغل حکومت سے براہِ راست ٹکر لینے کی تیاری بھی شروع کر دی۔ حتی کہ مغل حکومت کے خلاف جنگ کو ایک مذہبی جہاد اور فوجی کارروائیوں کو ایک عبادت کا درجہ دے کر

۱۔ دنیا کے بڑے مذاہب، ص: ۲۲۲

گرونانک کی روحانی مذہبی جماعت کو ایک جنگجو فرقہ کا رنگ دیدیا۔ خالصہ پنتھ کا ایجاد کیا اور خالصہ یا سنگھوں کے لئے پانچ ککوں یعنی (۱) کیش (۲) کڑا (۳) کرپان (۴) کنگھا (۵) اور کچھا کا استعمال لازمی قرار دیا۔ خالصہ کی تشکیل کے بعد انہوں نے مغل حکومت کے خلاف اپنی فوجی کاروائیاں شروع کردیں۔ اولاً اپنی ایک مضبوط اساس قائم کرنے کی خاطر مغل حکومت سے براہ راست ٹکر لینے کی غرض سے پہاڑی علاقوں کے مختلف ریاستوں پر چڑھائی شروع کردی۔ لہذا ان علاقے کے راجاؤں نے گروگوبند سکھ کی اس نازیبا حرکت سے پریشان اور مجبور ہوکر بادشاہ اورنگ زیب سے اس کے خلاف پرزور طریقے پر اپیل کی کہ یہ مغل سلطنت کے خلاف باغیانہ کاروائیوں میں پوری طاقت اور فوج کے ساتھ مصروف ہے۔ چنانچہ اس کی سرکوبی کیلئے مغل فوجوں کو حرکت میں آنا پڑا نتیجتاً گروگربند سنگھ کی فوج کی قوت پارہ پارہ ہوگئی۔ حتی کہ اس کا خاندان بھی تہ وبالا ہوگیا۔ خود گروگوبند سنگھ کی فوج کے سپہ سالار نے میدان چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کی اور اپنی جان بچانے کی خاطر خالصہ پنتھ کو تیاگ دیکر شکل وشباہت کو بھی مسخ کرڈالا۔ اس طرح اسکی جان تو بچ گئی لیکن آخری ایام دکن کے علاقے میں بسر کرتے ہوئے ایک خاندانی انتقام کے سلسلے میں دو افغانوں کے ہاتھوں زخمی ہوکر اس دارِ فانی کو خیر باد کہہ دیا۔ انتقال سے قبل انہوں نے یہ طے کردیا تھا کہ سکھوں کا گرو آئندہ اور کوئی انسان نہ ہوگا بلکہ ان کی مقدس اور مذہبی کتاب گرنتھ صاحب ہی ہمیشہ کے لئے گرو کا کام کرے گی[۱]۔ سکھوں کے گروؤں کے حالات زندگی اور ان کے عملی رویہ سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ سکھ مت کا قیام مختلف افکار ونظریات کے تصادم کی بیخ کنی کے لئے عمل میں آیا تھا لیکن رفتہ رفتہ یہ خود ہی ایک جنگ جو فرقہ کی شکل اختیار کرگیا۔

☆☆☆

۱۔ ایضاً، ص: ۲۲۵

گروگرنتھ صاحب اور اس کی حقیقت

دیگر مذاہب کی طرح سکھوں کی بھی ایک مقدس مذہبی کتاب گرنتھ صاحب کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن یہ حضرات اس کتاب کو وید، قرآن اور بائبل کی طرح کلام اللہ یا کلام الٰہی تصور نہیں کرتے ہیں۔ البتہ تقدس واحترام کے لحاظ سے اسے ان کتابوں سے کم نہیں سمجھتے۔ یہ کتاب زیادہ تر گرونانک، کبیرداس، بابا فرید گنج شکر اور صوفی سنتوں کے کلاموں پر مشتمل ہے۔ اس کی زبان گرمکھی ہے۔ پانچویں گرو ارجن دیو نے اپنے زمانے میں اسے مرتب کرایا تھا۔ پوری کتاب منظوم ہے نیز زبان بھی اس کی گرمکھی ہے جس کی وجہ سے افہام وتفہیم ایک مشکل مسئلہ ہی نہیں بلکہ ایک معمہ بن گیا ہے افہام وتفہیم کے علاوہ اس کی تلاوت بھی گرمکھی رسم الخط کی بنا پر دشوار ہوگئی ہے۔ شاذونادر ہی اس کے پڑھنے والے ملتے ہیں۔ البتہ چند اشعار یا کچھ اجزاء کے ترجمہ پر لوگ اکتفا کر لیتے ہیں ورنہ اصلی زبان میں تو خواص بھی ٹامک ٹوئیے مارتے نظر آتے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنی اصلی گرمکھی زبان میں ہما پرندے کی مانند ہے۔ اہل ہنود کی مندروں کی طرح بعینہ ان کے گردوارے بھی ان کی اپنی اصل کتاب سے معدوم ومحروم نظر آتے ہیں۔ عبادت خانوں کے علاوہ ان کی آبادیوں سے پُر بڑے سے بڑا علاقہ اور خطہ بھی ویدوں کی طرح گرنتھ صاحب سے یقینی طور پر محروم ہے۔ البتہ معمولی اجزاء قلت کے ساتھ کچھ خاص مقامات پر میسر ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ اجزاء بھی اپنی اصل گرمکھی زبان میں نہیں بلکہ دوسری زبان میں خصوصاً ہندی وغیرہ میں ممکن الحصول ہیں۔ چونکہ گرمکھی رسم الخط مختلف زبانوں کے مجموعہ ومرکب ہونے کی بنیاد پر عام وخاص قاری کیلئے ان زبانوں پر عبور نہ ہونے کی وجہ سے ایک ناقابل حل معمہ بن گیا ہے۔ انہیں وجوہات کے پیش نظر اب گرنتھ صاحب کی تلاوت یا مطالعہ سے زیادہ اس کی پرستش ہونے لگی ہے۔ اور دنیاوی مقاصد کے حصول کیلئے منتروں کی طرح جپ کیا جانے لگا ہے، گرنتھ صاحب کا ترجمہ انگریزی زبان میں سب سے پہلے دو یورپین شخص ارنسٹ ٹرمپ اور ایم اے میکلف نے بڑی جانفشانی سے کیا۔ لیکن یہ دونوں ملکر بھی اس کا مکمل حق ادا کرنے سے قاصر

رہے۔ گرنتھ صاحب کی گرمکھی زبان پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر گوپال سنگھ فرماتے ہیں:

''گرنتھ صاحب کی زبان کم وبیش متروک ہوچکی ہے............ عام طور پر لوگوں نے یہ تصور کرلیا ہے کہ گرنتھ صاحب کی زبان خالص پنجابی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ کچھ جگہوں پر پنجابی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اس میں بہت کچھ تنوع بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً ہند (پچھمی) درمیانی اور پوری زبانیں بھی اس میں موجود ہیں۔ مزید تفصیل یہ ہے کہ گرنتھ صاحب کا بہت بڑا حصہ ایک مخلوط زبان میں ہے جسے ہم کسی بہتر اصطلاح کے موجود نہ ہونے کی صورت میں ہندوی کہہ سکتے ہیں۔ یہ زبان پچھمی ہندی، پراکرتی، برج بھاشا اور پنجابی کا اور عربی وفارسی کے اس وقت کے مروج الفاظ کا مرکب ہے''[۱]

اس طرح کی لسانی مشکلات سے دوچار عوام کا گرنتھ صاحب کے ساتھ کیا رویہ ہے؟ اس سلسلے میں ڈاکٹر گوپال سنگھ مزید لکھتے ہیں:۔

اوسط درجہ کے پڑھنے والے کسی بھی آدمی کے لئے گروگرنتھ صاحب کے الفاظ ہی ناقابل فہم اور پیچیدہ بن گئے، جیسے کہ وید کے الفاظ عام قاری کیلئے۔ اور بجائے اس کے کہ گرنتھ صاحب کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کیا جاتا اس کی پرستش ہونے لگی اور اسے دنیاوی مقاصد کے لئے ایک منتر یا جادو کی طرح جاپ کیا جانے لگا۔ بجائے اس کے کہ یہ خیال کیا جاتا کہ یہ محسوسات کی دنیا سے پُر اور مافوق مقاصد کے حصول اور موجودہ کائنات میں دماغ وروح کے اتحاد کے لئے روحانی زندگی کا ایک تربیتی کورس ہے[۲]

ایک مغربی محقق ایم،اے، میکلف، ان دشوار کن مراحل کا تذکرہ اپنی مشہور کتاب سکھ ریلیجین میں ان الفاظ کے ساتھ کرتا ہے:

میں مشرق سے ایک ایسا مذہب سامنے حاضر کررہا ہوں جو بطور عمل کے ایک غیر معلوم مذہب ہے............ یہ عدمِ واقفیت نتیجہ اس بات کا ہے کہ ان کی مقدس اور الہامی کتاب جس ہندوستانی زبان میں ہے وہ نہایت ہی دشوار ہے.................. جن زبانوں میں ان مذہب (یہودیت، اسلام، اور ہندومت وغیرہ) کی کتابیں ہیں اگرچہ یہ تمام بھی مشکل ترین ہی ہیں لیکن ان کا بڑا حصہ یکساں ومتجانس ہے پھر بذریعہ استاذ بنیادی تعلیم کے حصول کے

۱۔ ڈاکٹر گوپال سنگھ، گرنتھ صاحب کا انگریزی ترجمہ، ج ا، ص: ۱۸
۲۔ ایضاً، ج ا، ص: ۱۹

بعد گرامر او رلغات کے ذریعہ ان پر مکمل طور پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ لیکن قرون وسطی کی وہ ہندوستانی بولی جس میں سکھ گروؤں اور صوفی سنتوں کے دوہے مرتب کئے گئے ہیں ان زبانوں جیسی نہیں ہے۔ بلکہ یہ دوہے فارسی میں، قرون وسطی کی پراکرتی میں، ہندی، مراٹھی، قدیم پنجابی، ملتانی اور متعدد مقامی بولیوں میں ہیں۔ اسی طرح سنسکرت اور عربی کے الفاظ کا آزادانہ طریقے پر استعمال کیا گیا ہے............ لہذا ان ہی وجوہات کے پیش نظر سکھ مقدس کتابوں کے مترجم کے لئے یہ ناگزیر ہے کہ وہ ایک طویل مدت تک ہندوستان میں قیام کرے پھران چند کہانیوں، یا سکھوں کے مذہبی نوشتوں کے ذمہ دار ترجمانوں کی مدد سے کام کرے جو اس وقت زندہ ہیں۔ دنیا میں ایسے گیانی صرف دس ہیں .... اور ان چند گیانیوں میں ایک بھی ایسا نہیں جو انگریزی میں ترجمہ کر سکے۔ یہ تو عام طور پر اپنے مقامی زبان میں اکتا دینے والی تشریح کرتے ہیں اور ان تمام باتوں سے بھی بڑھ کر اور اصل بات تو یہ ہے کہ شاید ہی کوئی سکھ ایسا ہوگا جو اپنی مقدس کتابوں کی صحیح طور پر ترجمانی کے قابل ہو۔ کیونکہ جو شخص سنسکرت کا اچھا ماہر ہوگا وہ یقینی طور پر فارسی یا عربی سے ناوقف ہوگا اور جو فارسی یا عربی کا عالم ہوگا وہ سنسکرت سے نکلے ہوئے الفاظ سے بے خبر ہوگا۔ جو ہندی جانتا ہوگا وہ مراٹھی سے ناواقف ہوگا۔ اور جو مراٹھی جانتا ہوگا وہ پنجابی اور ملتانی زبانوں سے ناآشنا ہوگا۔ ایسا ہی دوسری زبانوں کا بھی معاملہ ہے۔ یہی نہیں بلکہ سکھوں کے مذہبی نوشتوں میں ایسے بھی الفاظ موجود ہیں جو ان کیلئے مخصوص ہیں اور جن کا پتہ کسی بھی معلوم یا معروف زبان میں نہیں لگایا جاسکتا۔ ایسے الفاظ کے سوائے اس کے کہ روایتی تعبیر قبول کر لی جائے اور کوئی صورت نہیں۔ اس طرح گرنتھ صاحب دنیا میں موجود مقدس وغیر مقدس ہر طرح کی تصانیف سے زیادہ دشوار اور مشکل تصنیف ہے اور اس سے عام ناواقفیت کا راز بھی یہی ہے۔[1]

مندرجہ بالا توضیحات سے یہ بات پوری طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ اس مقدس کتاب گرنتھ صاحب سے مکمل طریقے پر استفادہ کرنا ایک ناممکن سی بات ہے۔ نیز اسی طرح اس مقدس کتاب میں گرونانک کے کیا اقوال ہیں انہوں نے کیا تعلیم دی ہے کس چیز کی روشنی دکھائی ہے اور مختلف صوفی سنتوں وغیرہ کے مخلوط اقوال میں کون کون سے گرونانک کے ہیں یہ تمیز کرنا محال ہے۔ لہذا ان مختلف فیہہ مسائل کے حل کے بغیر اس کتاب مقدس کو اپنی زندگی کے لائحہ عمل کے طور پر تصور کرنا بہر حال سودمند نہ ہوگا۔

۱۔ M.A. Macaulleffe Sikh Religion V.1 P.567

سکھ ازم میں خدا کا تصور

سکھ ازم میں خدا کا تصور بہ نسبت ہندو ازم، جین ازم اور بدھ ازم کے بڑی واضح طریقے پر اور کثرت کے ساتھ ملتا ہے۔ گرونانک نے وحدت کے اثبات اور اس کی وضاحت کو مدنظر رکھتے ہوئے گنتی کے پہلے نمبر (ایک) کا استعمال کیا ہے اور کلمہ کی اہمیت کو باقی رکھتے ہوئے گرنتھ صاحب کے مرتب نے اپنی مقدس کتاب کا آغاز اسی کلمہ سے کیا ہے، یعنی خدا کی حقیقت وحدت ہے پھر اس کی تصدیق کے لئے ایک ایسے لفظ کا استعمال کیا جو ویدک دھرم میں بھی بغیر کسی تفریق کے صرف اور صرف ذات واحد کے لئے استعمال کیا گیا ہے اس میں شرکت غیر کا شائبہ تک نہیں ہے اور یہ خدا کی تمام صفات کا مجموعہ ہے۔ گرونانک نے اسے اوم کے نام سے یاد کیا ہے۔ اس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ ایک ہے۔ اگر تم اسے کسی نام سے یاد کرنا چاہتے ہو تو بہتر یہ ہے کہ اسے ستیہ (دائمی حق) کہو۔ ہر شئی میں اس کا وجود متحرک ہے، خود وہ فاعل ہے، خوف وبغض سے پاک ہے، وہ مخلوق نہیں ہے اسلئے اس کی ہستی پر وقت کا کوئی اثر واقع نہیں ہوتا۔ وہ خود ہی سے موجود ہے۔ اس کائنات کی تمام محسوسات اور غیر محسوسات اشیاء کا تنہا وہی خالق ہے۔ تخلیق کائنات میں کسی غیر کا محتاج نہیں ہے۔ خدا کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ بذاتِ خود تو ہی میز ہے، تو ہی قلم ہے اور اسکی تحریر بھی تو ہی ہے۔ نانک! تو تنہا ایک ہی کی بات کرو، دوسرے کی نشاندھی کیا معنی؟ تو ہی بذاتِ خود ہر مقام پر جاری وساری ہے۔ تیرے علاوہ اور کسی کا وجود نہیں، تو ہر چیز پر محیط کل ہے، تو نے ہی بذات خود کائنات کو بنایا، تو ہی بذات خود اپنا پیمانہ اور اپنا مقصد جانتا ہے، اور تو ہی اپنی قدر ومنزلت کا اندازہ کرسکتا ہے۔ تو ایک ناقابل فہم اور ناقابل ادراک اور حواس کے ذریعہ ناقابل احساس ہستی ہے۔ لیکن تجھے گرو کے کلام کے ذریعہ اور اس کی مہربانی سے پایا جاسکتا ہے۔ اسی طریقہ پر مزید خدا وند قدوس کی خوبی، بڑائی اور اوصاف بیان کرنے کے بعد آخر میں کہتے ہیں کہ میرا خدا ایسا (ان صفات والا) ایک ہی خداوند

ہے۔ میں اس کی صفات بیان کرنے سے قاصر ہوں [۱]

گرو گوبند سنگھ خدائے واحد کے بارے میں اپنا تصور پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

خدا ایک ہی ہے، ستیہ ہے، عظیم ہے، دانا ہے............ اس کا کوئی چکر نہیں، کوئی نشان نہیں، کوئی رنگ نہیں، کوئی ذات اور کوئی سلسلۂ نسب نہیں، کوئی شکل، کوئی رنگ، کوئی خاکہ، کوئی طریقہ کسی بھی طرح اس کو بیان نہیں کرسکتا، وہ غیر متحرک ہے، بے خوف ہے، روشن ہے، اس کی طاقت بے اندازہ ہے، وہ بادشاہوں کا بادشاہ اور لکھو کھا اندر کا مالک تصور کیا گیا ہے۔ وہ تین دنیاؤں کا مقتدر اعلیٰ ہے۔ [۲]

گرو گوبند سنگھ خدا کے حافظ و نگہبان ہونے کا یقین اور اپنے آپ کو بارگاہِ ایزدی کے حوالے کرتے ہوئے اکال استت (غیر فانی خدا کی حمد، وسم گرنتھ) میں بیان کرتے ہیں:

ہمیں اکال (لازوال) خدا کی حفاظت نصیب ہو، ہمیں سرب لوہ (سرتاپا فولاد) خدا کی حفاظت نصیب ہو۔ [۳]

یورپین محقق ایم، اے، میکلف گرو گوبند سنگھ کے ان بیان کردہ الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے خدائے واحد کیلئے اس طرح کے نئے ناموں کا ایجاد کیا ہے۔ اکال سے مراد (غیر فانی) سرب لوہ سے مراد (سرتاپا فولاد) مہان لوہ (عظیم فولاد) سرب کال (کلی موت) آسی دھج، آسی کیتو، کھرج کیتو ان سب سے مراد اپنے جھنڈے میں تلوار لئے ہوئے اور آسی پانی سے مراد (ہاتھ میں تلوار لئے) [۴] ان تمام بیان کئے ہوئے اسماء سے خداوند قدوس کی عظمت و بلندی اور قوت کا اظہار مقصود ہے۔

مذکورہ بالا حوالہ جات سے واضح طور پر یہ بات مترشح ہو جاتی ہے کہ کس کثرت اور مضبوطی کے ساتھ سکھ ازم کے تصور الہ میں وحدت جلوہ گر ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اس مذہب میں وحدت الووجود کا تصور بھی موجود ہے۔ چونکہ گرونانک ابتداء ہندو تھے اور تقریباً آخر ایام تک ان میں ہندومت کا کافی رمق باقی رہا۔ اور وحدت الوجود کا تصور ہندوؤں کی کتاب اپنشد میں قدیم زمانے سے موجود ہے۔ گرونانک نے صوفی سنتوں

۱۔ گرنتھ صاحب کا انگریزی ترجمہ، جلد ۳، ص: ۲
۲۔ Sikh Religian V.S P.261
۳۔ ایضاً، ج ۵ ص: ۲۲۱
۴۔ ایضاً، ج ۵ ص: ۲۲۱

سے بھی کافی حد تک استفادہ کیا ہے اور بعض صوفیوں میں یہی تصور راسخ تھا۔ لہٰذا کوئی بعید نہیں کہ گرونانک کے اس تصور کی افزائش میں ان دونوں جماعتوں کی صحبت سے تقویت ملی ہو کہ ہر چیز میں خدا ہے۔ اس عقیدے کے سلسلے میں گرونانک کا نظریہ ملاحظہ فرمائیں۔ ان کے خود کے الفاظ ہیں:

تم ہی میز ہو، تم ہی قلم ہو اور تم ہی تحریر ہو، بس تنہا تم ہی ہو، تمہارے سوا کوئی اور دوسرا نہیں ہے۔[1]

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

تم ہی بذات خود پانی ہو اور تم ہی بذات خود مچھلی ہو، تم ہی بذات خود جال ہو اور تم ہی نے خود جال پھینکا ہے۔[2]

۱۔ گرنتھ صاحب کا انگریزی ترجمہ، جلد ۴، ص: ۲۳۲

۲۔ ایضاً، جلد ۱، ص: ۶

دیوتاؤں کا تصور

بلاشبہ سکھ مت کی بنیاد وحدت دین یعنی دین توحید پر رکھی گئی اور اپنے مذہب کے نظریہ کے بارے میں یہ اس عقیدے کے مدعی بھی ہیں۔ لیکن ان کی مقدس کتاب گرنتھ صاحب میں مختلف مقامات پر ہندو نظریہ کے مطابق دیوی دیوتاؤں کا ذکر بڑے پیمانے پر پایا جاتا ہے۔ اسی نظریہ سے اتفاق رکھنے والا ایک سکھ محقق ایس جودسنگھ دیوی دیوتاؤں کے عنوان کے تحت ذکر کرتا ہے:

سکھوں کی مقدس کتاب میں متعدد دیوتاؤں اور دیویوں کے ناموں کی نشان دہی کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ سکھ گرو مشرکانہ یا ناقص موحدانہ تصورات کے قطعی خلاف تھے اور توحید کے بے باک ترجمان تھے۔

گرونانک اپنے اس نظرئے کے مطابق ہندو دیوی دیوتاؤں کا ذکر کرتے ہوئے گرنتھ صاحب میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

برہما وشنو کے ناف کے کنول سے پیدا ہوا پھر اپنے گلے کا سُر ٹھیک کرتے ہی ویدوں کا بھجن شروع کر دیا لیکن اس کے باوجود بھی وہ خدا کی انتہا کو نہ دیکھ سکا حتی کہ آواگون کی تاریکی میں گم ہو گیا۔[۱]

گرنتھ کا ایک معروف حصہ جو سکھوں کے یہاں نہایت اہم تصور کیا جاتا ہے بلکہ اسے گرنتھ کے اصل الاصول کی حیثیت حاصل ہے اور عام طور پر تقریباً سبھی سکھ صرف اسی کی تلاوت پر اکتفا کرتے ہیں، اسے زبانی یاد کرتے ہیں اور سکون وخاموشی کے ساتھ ہر روز صبح اس کا ورد کرنا لازمی قرار دیتے ہیں، اس میں زیادہ تر خداوند قدوس کی وحدانیت اور حمد وغیرہ مذکور ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ سب ویدک ذہنیت سے بالاتر نہیں ہیں، یعنی ہندو دیوی دیوتاؤں کے اثرات پورے طور پر حاوی ہیں۔ گرونانک جی کے قلب وذہن میں دیوی دیوتاؤں کے اثر ورسوخ کس طرح رچ بس گئے اور وہ ان سے کتنا متأثر ہیں۔ جپ جی میں ان کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ Sikh Religian V.1 P.323

وہ (خدا) شیو ہے، وہ وشنو اور برہما ہے، وہ پاروتی ہے، وہ لکشمی ہے اور سرسوتی ہے[۱]

جپ جی میں اور بھی دیوی دیوتاؤں کا ذکر پایا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سکھ مت میں وحدانیت کے تصور کے ساتھ ساتھ مشرکانہ تصورات کا رنگ بھی اچھا خاصا چڑھا ہوا ہے جو ویدک دھرم سے انہیں بہت قریب کر دیتا ہے، دیوی دیوتاؤں کے تصور کے علاوہ انہوں نے اپنے گروؤں کو خدائی مقام تک پہنچا دیا ہے۔ چنانچہ ان کے چوتھے گرو گرو رام داس فرماتے ہیں:

گرو خدا ہے اور خدا گرو، نانک (ان کا تخلص بلکہ یہ ایک گرو کا تخلص ہے) اے میرے بھائیوں ان دونوں میں حقیقتاً کوئی امتیاز نہیں ہے[۲]

سکھ از قدیم ہندوستانی نقطۂ نظر سے کافی حد تک اتفاق رکھتا ہے۔ خصوصاً ویدک دھرم کے بنیادی افکار وخیالات کا علمبردار نظر آتا ہے۔ یہ کرم اور آواگون جیسے ٹھوس اور بنیادی عقائد کو بعینہٖ تسلیم کرنے میں شمہ برابر بھی انحراف نہیں کرتا۔ ان کے گمان کے مطابق جب تک انسان عشق الٰہی میں کمال حاصل کر کے خدائی مقام کو حاصل نہیں کر لیتا اس وقت تک وہ نرجنم کے عذاب میں مبتلا رہتا ہے اور بار بار اسی دنیا میں مختلف شکلوں میں اس کا ورود ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کی سچی محبت کو پاتے ہوئے نجات حاصل کر لے۔

ان کے یہاں خدا سے سچی محبت سب کچھ ہے، اسی پر زور دیا گیا ہے، حتیٰ کہ گرونانک کی زندگی میں انقلاب اسی سچی محبت اور عشق الٰہی کے نتیجہ میں آیا۔ لہذا سکھ ازم میں محبت خدا ہے اور خدا محبت ہے اور بس۔

☆☆☆

۱۔ ایضاً، جلد ۱ص: ۳۰۰
۲۔ ایضاً، جلد ۱ص: ۳۳۲

باب چہارم

یہودیت وعیسائیت میں خدا کا تصور

یہودیت

یہودیت، ایک اجمالی جائزہ

یہودی مذہب دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں ایک اہم مذہب ہے۔ اس کے بانی حضرت ابراہیمؑ تو نہیں لیکن سلسلۂ نسب یہاں تک ضرور پہنچتا ہے۔ قدیم ترین ہونے کے باوجود اس کے مخصوص تبلیغی اصول اور اشاعتِ دین کی پابندیوں کی بنا پر اس مذہب کا دائرہ وسیع نہ ہوسکا، چونکہ ان کے یہاں غیروں کے یہودیت کے دائرے میں آنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ یہ وہ چشمۂ صافی نہیں کہ جس سے عام شخص فیضیاب ہوسکے۔ یہ مخصوص ہے صرف 'ابناء اللہ' کیلئے۔ یہودی کہلانے کا حقدار وہی ہوسکتا ہے جو پیدائشی اعتبار سے یہودی ہو اور اس کے آباء واجداد بھی یہودی ہوں۔ انہیں نقائص کی بنا پر عیسائیت اور اسلام سے قدیم ہونے کے باوجود نہایت قلیل تعداد میں مقبوضہ فلسطین (عزرائیل) میں ۱۹۴۸ء سے غیر مامون طریقہ پر زندگی بسر کررہے ہیں۔ اس کے علاوہ اور کہیں بھی انہیں اقتدار حاصل نہیں ہے۔ البتہ ان کی معمولی تعداد امریکہ و یورپ کے کچھ ممالک میں بھی پائی جاتی ہے۔ امریکی اقتدار اعلیٰ میں باطنی طور پر ان کا اثر ورسوخ ریڑھ کا مقام رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ ہر لحہ اور ہر آن اسرائیل کی محافظت اور اس کے غلبۂ وتفوق کے لئے ہمہ وقت تن من دھن سے تیار رہتا ہے۔

انہیں بنی اسرائیل کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے متعدد جگہوں پر یہود کے علاوہ بنی اسرائیل سے مخاطب کیا ہے۔ چنانچہ اللہ کی نعمتوں کی شکر گذاری کی تلقین کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

یٰبنی اسرائیل اذکروا نعمتی الّتی انعمت علیکم الخ[1]

[اے بنی اسرائیل یاد کرو میرے وہ احسان جو میں نے تم پر کئے]

حضرت ابراہیمؑ کے پوتے اور حضرت اسحاقؑ کے بیٹے حضرت یعقوبؑ کا لقب 'اسرائیل' تھا۔ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ اسراء کے معنی بندہ اور اِیل معنی خدا، یعنی خدا کا بندہ۔ یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں اور ان کی اولاد کو اسی لقب کی وجہ سے بنی اسرائیل کہا جانے لگا[2] لہٰذا

۱۔ (البقرہ ۴۰، ۴۷، ۱۲۲)

۲۔ پیدائش ۳۵ (آیت ۱۰)

یہودی سے پہلے یہ بنی اسرائیل کے نام سے ہی زیادہ مشہور تھے۔ بعد میں یہودی کے نام سے بھی یہ مشہور ہو گئے۔ چونکہ حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں میں سب سے بڑے بیٹے کا نام یہوداہ تھا۔ اسی وجہ سے یہ یہودی کے نام سے مشہور ہوئے[۱]

قرآن کریم میں بھی مختلف جگہوں پر انہیں اسی لفظ سے مخاطب کیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وقالت الیھود عزیر ابن اللہ الخ[۲]

[اور یہودیوں نے کہا عزیز اللہ کے لئے ہیں]

سب سے زیادہ انبیاء کرام علیہ السلام کی آمد اسی قوم میں ہوئی۔ حضرت اسحٰق سے لیکر اس قوم کے آخری نبی حضرت عیسیٰ تک بے شمار انبیاء کرام تشریف لائے جن کی صحیح تعداد قلمبند نہیں کی جا سکتی۔

مذہب یہود عروج واقبال اور زوال وادبار کے مختلف مراحل سے دوچار رہا۔ انہیں ان کے درمیان اول العزم پیغمبروں کی بعثت اور ان کے کارناموں کی وجہ سے تمام دنیا کے لوگوں میں تفوق وبرتری کا مقام حاصل رہا۔ احکام خداوندی کی پاسداری اور رسولوں کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے اقوام عالم میں جو فضلیت اس قوم کو حاصل رہی اس کا اعلان قرآن پاک میں موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وانی فضلتکم علی العالمین[۳]

[اور میں نے تمہیں دنیا کی تمام قوموں پر فضیلت دی تھی]

تصویر کے اس درخشاں رخ کے علاوہ انتہائی تاریک رخ بھی اس قوم کے نوشتہ تقدیر میں ملتا ہے، وہ یہ کہ جب یہ قوم احکام خداوندی کو پامال کرنے لگی اللہ کی برگزیدہ ہستیوں انبیاء ورسل کے ساتھ گستاخانہ اور مذموم حرکتیں کرنے لگی یہاں تک کہ ان کے قتل کی سازشیں کرنے لگی تو قیامت تک کے لئے ذلت ومسکنت ان پر تھوپ دی گئی اور وہ غضب خداوندی کے مستحق قرار پائے۔ ان کی ناپاک وشنیع حرکتوں اور ان کے انجام بد پر یہ آیات سند ہیں:

وضربت علیھم الذلۃ والمسکنہ وباؤو بغضبٍ من اللہ ذلک بانھم کانوا یکفرون بآیات اللہ ویقتلون النبیین بغیر الحق ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون[۴]

۱۔ پیدائش، ۳۵ (آیت ۲۴)

۲۔ (التوبہ، ۳۰)

۳۔ (البقرہ، ۴۷)

۴۔ (البقرہ:۶۱)

[آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ ذلت وخواری اور پستی وبدحالی ان پر مسلط ہوگئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے۔ یہ نتیجہ تھا اس بات کا کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر کرنے لگے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرنے لگے۔ یہ نتیجہ تھا ان کی نافرمانیوں کا اور اس بات کا کہ وہ حدودِ شرع سے نکل جاتے تھے]

آج بھی دنیا کے سامنے ان کی ذلت ورسوائی واضح ہے کہ کہیں بھی انہیں قرار حاصل نہیں ہے۔ صدیوں قبل رومیوں، بخت نصر اور عیسائیوں کے ہاتھوں جوان کا حشر ہوا آج بھی اس کا ذکران کے لئے انتہائی منحوس اور دلدوز سانحہ ثابت ہوتا ہے۔

ان کا بتدائی مقام کنعان ہے۔ چونکہ حضرت ابراہیمؑ شہر اُر سے جو ان کا آبائی وطن تھا خدا کے حکم سے ہجرت کر کے کنعان پہنچے اور پھر یہیں قیام پذیر ہوگئے۔ ان کی نسل کی نشوونما اسی مقام پر ہوئی۔ تورات کی کتاب پیدائش میں مذکور ہے:

حضرت ابراہیمؑ کو اللہ نے اپنے وطن سے ہجرت کر کے کنعان جانے کا حکم دیا اور اللہ نے ان سے کہا تھا کہ میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤنگا۔ تجھ کو مبارک اور تیرانام بڑا کرونگا۔ تو باعثِ برکت ہوگا۔ اوران کو جو تجھے مبارک کہیں انہیں برکت دونگا اور اس کو جو تجھ پر لعنت کرے اس کو لعنتی کرونگا اور دنیا کے سب گھرانے تجھ سے برکت پائینگے[۱]

۱۷۵۰ ق،م سے یہودی کنعان میں آباد ہونا شروع ہوئے اور ۱۲۰۰ ق،م تک یہ مختلف اطراف سے مختلف قبیلوں اور خاندانوں کی شکل میں کنعان اور فلسطین میں مکمل طریقے پر آباد ہوگئے[۲]

ایک یہودی روایت کے مطابق انہیں اولاً حضرت ابراہیمؑ کلدانیوں کے پایہ حکومت اُر سے نکال لائے تھے۔ یہودیوں کے اصلی وطن کی تعیین ممکن نہیں اس سلسلے میں کافی اختلاف ہے۔ البتہ اغلب یہ ہے کہ یہ لوگ عراق کے علاقے میں آباد تھے۔ اس کے بعد فلسطین پہنچے پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر چلے گئے اور تقریباً دوسو سال تک وہیں حکومت کی۔ پھر رفتہ رفتہ مصریوں کی غلامی میں انہیں اس طرح جکڑ دیا گیا کہ ایک طویل زمانہ تک انہیں اس ذلت

۱۔ تورات، پیدائش،۱۲۔۱۔۳

۲۔ نگار، خدانمبر،ص:۸۳

سے نجات نہ مل سکی۔ آخر کار حضرت موسیٰ کو انہیں مصریوں کی غلامی سے نجات دلانے میں کامیابی ملی۔ بنی اسرائیل موسیٰ اور یشوع کی سرکردگی میں تقریباً ۱۲۰۰ ق،م میں فرعون اور مصریوں سے نجات حاصل کر کے ملک مصر سے اپنا اصلی وطن کنعان واپس آ گئے۔[1] اس ہجرت میں جو دشواریاں پیش آئیں اور اسی کے ساتھ انہیں جو خدائی نصرت اور نعمتیں میسر ہوتی رہیں۔ان کا تذکرہ بالتفصیل تورات کے علاوہ قرآن کریم میں بھی مذکور ہے۔

کنعان میں عبرانی قوم سے پہلے تقریباً ۱۰۰۰ ق،م ایک دوسری قوم سامی النسل آباد تھی۔ یہ کنعانی کے نام سے مشہور تھے۔ان کا اپنا مذہب تھا، اپنی سلطنت تھی اور تہذیب وتمدن کے اعتبار سے عبرانی قوم سے اعلیٰ بھی تھے۔ یروشلم ان کا پایۂ تخت تھا۔ عبرانی جب یہاں پہونچے تو انہیں ان کے ساتھ گھلنے ملنے میں دیر نہ لگی حتی کہ ان کی تہذیب سے متأثر ہو کر اپنے طور طریقوں کو انہیں کے رنگ میں ڈھال لیا۔ پھر ان دونوں قوموں کے درمیان کوئی امتیازی شان باقی نہ رہی جس کی بنا پر ان کے مابین کوئی خط امتیاز کھینچا جا سکے۔[2]

علاقۂ فلسطین میں ایک قوم فلسطینی کے نام سے آباد تھی۔ زیادہ تر لوگوں کا خیال ہے کہ یہ قوم کیرٹ سے ہجرت کر کے یہاں پہونچی تھی۔ فلسطینی فتوحات نے یہودیوں میں اتحاد پیدا کر دیا اور تقریباً ایک ہزار ۱۰۰۰ ق،م میں انہوں نے اپنے بادشاہ کیلئے حضرت صالح کا انتخاب کیا۔ ان کے انتقال فرما جانے کے بعد انہوں نے اپنا دوسرا بادشاہ حضرت داؤد کو منتخب کیا۔ انہوں نے یروشلم کو (جو اب تک کنعانیوں کے قبضے میں چلا آ رہا تھا) حاصل کر لیا۔ اس زمانے سے آج تک فلسطین کا دار السلطنت 'یروشلم' برقرار ہے۔ حضرت داؤد کی وفات کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمان نے یروشلم کا ہیکل تعمیر کرایا جو بیت المقدس، مسجد اقصیٰ اور قبلہ اول کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کی تعمیری کام کو تکمیل تک پہنچانے کیلئے خاطر خواہ ٹیکس کی ضرورت در پیش ہوئی جس کے نتیجہ میں کچھ عرصہ بعد حضرت سلیمان کے بیٹے ریہوبوم کے زمانے ۹۳۰ ق،م میں بارہ قبیلوں میں سے دو کے علاوہ باقی سبھی دسوں شمالی قبیلوں نے اپنی علیحدہ ریاست قائم کر لی جو حکومت اسرائیل کے نام سے مشہور ہو گئی۔ انہوں نے اپنی ریاست کا پایۂ تخت سماریہ کو منتخب کر لیا۔ باقی دونوں جنوبی قبیلوں کو بھی اپنی ریاست تشکیل دینے کی ضرورت پڑی۔ لہٰذا انہوں نے بھی اپنی

۱۔ نگار، خدا نمبر، ص: ۹۸
۲۔ ایضاً، ص: ۸۴

الگ ریاست قائم کی اور اس کا دارالحکومت یروشلم کو برقرار رہنے دیا۔ ۸۵۰ ق،م میں مصر کا بادشاہ فرعون شیشاک نے یروشلم پر حملہ کیا اور ہیکل سلیمانی کو لوٹا۔ پھر ۷۷۲ ق،م میں اسرائیل کی زرخیزی اور دولت کی فراوانی سے آشوری حکمراں سادرگو کی نیت بدل گئی اور لالچ میں آ کر اس نے اسرائیل پر حملہ کیا اور صرف مال ودولت کے لوٹنے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اس کے سارے باشندوں کو اپنا قیدی بنا کر اپنے یہاں لے گیا اور پھر یہ پتہ نہ چلا کہ اسرائیل کے دس قبیلے کہاں گم ہو گئے۔ یہ دسوں قبیلے اور ان کی حکومت اسی زمانے سے صفحہ تاریخ سے ہمیشہ کے لئے محو ہو گئے اور ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہا[۱]

مظالم کے شکار اسرئیلوں کے بعد یہودی بھی ہوئے۔لیکن یہ آشوری حکمراں کے مشق نہیں بلکہ ایرانی حکمراں کے مظالم کا تختۂ مشق بنے۔ ۵۸۶ ق،م میں ایرانی بادشاہ سائرس نے بابل پر قبضہ کر کے کلدانی حکومت کا کلی طور پر خاتمہ کر دیا، ہاں یہودیوں پر اتنا احسان کیا کہ قیدی بنانے کے بجائے انہیں واپس چلے جانے کی اجازت دیدی۔ اس کے بعد سے ہی یہ ایسے روبہ زوال ہوئے کہ کبھی تو ایرانیوں نے اپنے شکنجے میں جکڑے رکھا اور کبھی یونانیوں نے انہیں اپنا مشق ستم بنایا۔ یہاں تک کہ ۷۰ء میں رومی حکمراں ٹیس بڑی بے رحمی کے ساتھ حملہ آور ہوا اور سفا کانہ رویہ اپناتے ہوئے ان کی مقدس عبادت گاہ یروشلم کو زمین بوس کر کے یہودی ریاست کا ایسا قلع قمع کیا کہ پھر انہیں دوبارہ جائے سکون۔عزت اور حکمرانی نصیب نہ ہوسکی۔[۲] اور یہ احسان فراموشی، بددیانتی، ظلم وزیادتی، قتل وغارت گری اور سفاکی کی بنیاد پر روزِ قیامت تک کے لئے ضربت علیهم الذلة والمسكنة کا مکمل پرتو بن گئے۔ البتہ ان کا وجود باقی ہے اور اپنے مذہب یہود پر سختی کے ساتھ قائم بھی ہیں گرچہ ان کا دین یہود محرف شکل اختیار کر چکا ہے۔

یہودی مذہب کے حالات سے شناشائی کیلئے انہیں دو زمانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا دور حضرت موسیٰ کے زمانہ ۱۳۰۰ ق،م سے لیکر ۸۵۰ ق،م (ایلیاہ نبی) کے زمانے تک اور دوسرا دور ان کے بعد سے یہودیت کے آخری پیغمبر اور عیسائیت مذہب کے بانی حضرت مسیح کے زمانے تک۔

۱۔ نگار، خدا نمبر، ص: ۸۶

۲۔ ایضاً، ص: ۸۹

عہد نامہ قدیم اور ان کی اہمیت

یہودیوں کی کتابِ مقدس عہد نامہ عتیق بائبل کا پہلا حصہ ہے اور دوسرا حصہ عہد نامۂ جدید ہے جس کا تعلق عیسائیوں سے ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک دونوں حصے قابل احترام ہیں اور دونوں کو کتاب اللہ، منزل من اللہ تسلیم کرتے ہیں، گرچہ عمل صرف عہد نامہ جدید پر ہی کرتے ہیں اور اولیت کا مقام بھی اسے ہی دیتے ہیں۔ لیکن یہودیوں کے نزدیک صرف پہلا حصہ (عہد نامہ عتیق) ہی منزل من اللہ اور مقدس ہے۔ دوسرا حصہ عہد نامہ جدید کو نہ ہی قابل اعتبار اور نہ ہی کتاب خداوندی تسلیم کرتے ہیں۔

عہد نامہ قدیم حضرت عیسیٰ سے قبل بنی اسرائیل کے انبیاء کرام کے صحیفے، ان کی تواریخ، تورات، زبور وغیرہ پر مشتمل ہے۔ تورات کا تعلق حضرت موسیٰ سے اور زبور کا تعلق حضرت داؤد سے ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس کا تذکرہ کتب الہیہ ہونے کی حیثیت سے موجود ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے:

انا انزلنا التوراۃ والانجیل الخ [1]

[یقیناً ہم نے توارۃ اور انجیل نازل کیا]

اسلام میں ان کتابوں پر ایمان صرف اس حیثیت سے مطلوب و معتبر ہے کہ یہ منزل من اللہ ہیں، اگرچہ بعد میں یہ تحریفات کا شکار ہوگئیں۔ کیونکہ ایک طرف تو ان کے منزل من اللہ ہونے کی بات کہی گئی ہے تو دوسری طرف ان کے محرّف ہونے کی وضاحت کی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

یحرفون الکلم عن مواضعہ الخ [2]

[کلام کو اس کے مواقع سے دوسری طرف پھیر دیتے ہیں]

لہذا مسلمانوں کے نزدیک ان کتابوں کے صرف وہی اجزاء من جانب اللہ تسلیم کئے جاتے ہیں جو ان کی کتاب وسنت سے مطابقت رکھتے ہیں۔ اور وہ اجزاء جو کتاب وسنت سے

۱۔ (المائدہ:۴۴)

۲۔ (النساء:۴۶)

متضاد و مخالف ہیں انہیں منسوخ یا محرّف پر محمول کیا جاتا ہے۔ اور جو ان دونوں کے درمیان کے ہیں یعنی نہ مخالف اور نہ ہی مطابق تو ان اجزاء کے بارے میں سکوت اختیار کیا جاتا ہے۔ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ان تینوں کتابوں عہد نامۂ قدیم، عہد نامۂ جدید اور قرآن مجید کے درمیان کچھ چیزوں میں کافی حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے۔ مثلاً ان کے بنیادی عقائد خدا، رسول اور آخرت، اسی طرح احکام میں قصاص، حدود اور اوامر ونواہی وغیرہ اور تاریخی لحاظ سے معمولی تبدیلیوں کے ساتھ انبیاء کرام اور سلفِ صالحین کے حالات وواقعات وغیرہ۔ لیکن یقینی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں (عہد نامۂ قدیم اور عہد نامۂ جدید) کے چند اجزا میں ہی وحی الٰہی کا نور نظر آتا ہے۔ بقیہ بیشتر اجزا کا تقابل اگر قرآن مجید سے کیا جائے تو یہ خوب واضح ہو جاتا ہے کہ ان کا قطعی طور پر کلام الٰہی سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ محرف، غیر محفوظ اور کلام انسانی سے پُر ہیں۔

تحریفات

عہد نامۂ قدیم یا بائبل قدیم کے تین نسخے ہیں۔ (۱) عبرانی نسخہ (۲) یونانی نسخہ (۳) سامری نسخہ

ا۔ عبرانی نسخہ

اس نسخے میں کل انتالیس کتابیں ہیں۔ ان میں سے (۱) پیدائش (۲) خروج (۳) احبار (۴) گنتی (۵) استثنا۔ ان پانچوں کتابوں کے مجموعہ کو تورات کہا جاتا ہے اور باقی چونتیس ۳۴ کتابیں یہ ہیں:۔ (۶) یوشع (۷) قضاۃ (۸) روت (۹) شموئیل اول (۱۰) شموئیل دوم (۱۱) سلاطین اول (۱۲) سلاطین دوم (۱۳) تواریخ اول (۱۴) تواریخ دوم (۱۵) عزرا (۱۶) نحمیاہ (۱۷) آستر ا (۱۸) ایوب (۱۹) زبور (۲۰) امثال (۲۱) واعظ (۲۲) غزل الغزلات (۲۳) یسعیاہ (۲۴) یرمیاہ (۲۵) نوحہ (۲۶) حزقیل (۲۷) دانی ایل (۲۸) ہوسیع (۲۹) یوایل (۳۰) عاموس (۳۱) عبدیاہ (۳۲) یوناہ (۳۳) میکاہ (۳۴) ناحوم (۳۵) حبقوق (۳۶) صفنیاہ (۳۷) حجی (۳۸) زکریا (۳۹) ملاکی۔ یہ عبرانی نسخہ تمام یہود کے یہاں معتبر تسلیم کیا جاتا ہے اور عیسائیوں میں صرف فرقہ پروٹیسٹینٹ ہی قابل اعتبار مانتا ہے۔

۲۔ یونانی نسخہ:۔

یہ انتالیس کے علاوہ مزید سات کتابوں کے اضافے پر مشتمل ہے۔ گویا اس نسخہ میں کل چھیالیس کتابیں ہوگئیں۔ اس نسخہ کو یہودیوں کے ستر بہتر علماء نے اسکندریہ میں بطلیموس کے زمانے میں یونانی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ پھر جیروم نے یونانی سے لاطینی زبان میں ترجمہ کیا۔ ستر مترجمین کی مناسبت سے اسے تورات سبعین اور بہتر مترجمین کی مناسبت سے سپواجنٹ کہا جاتا ہے۔ اس نسخہ کو یہود اور عیسائیوں کا فرقہ پروٹیسٹینٹ غیر معتبر مانتا ہے۔ لیکن دیگر عیسائی فرقے اس کا احترام کرتے ہیں اور معتبر بھی مانتے ہیں۔ چونکہ حضرت مسیح کے زمانے میں یہی نسخہ رائج تھا۔ پروٹیسٹینٹ فرقہ کا وجود بعد میں ہوا اور وہ جب ہی سے اس نسخہ کا مخالف ہے۔

۳۔ سامری نسخہ

یہ عبرانی زبان میں ہے اور صرف سات کتابوں پر مشتمل ہے۔ اس میں حضرت موسیٰ کی پانچ کتابیں پیدائش، خروج، احبار، گنتی اور استثنا ہیں۔ اس میں دو اور کتابوں کا اضافہ ہے۔ کتاب یشوع اور کتاب قضاۃ۔ یہ نسخہ صرف سامریوں کے یہاں مقبول ہے۔ قومِ سامری اور یہودی میں متعدد امور میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ یہودی انہیں سرے سے بنی اسرائیل کے افراد ہی تسلیم نہیں کرتے۔ سامریوں کی عبادات اور رسوم بھی ان سے بہت کچھ مختلف ہیں۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے۔ ہیکلِ سلیمانی کی توہین کرتے ہیں۔ انکا اعتقاد ہے کہ حضرت موسیٰ نے کوہ جزریم میں ہیکل کے تعمیر کا حکم دیا تھا اور حضرت یوشع نے وہیں پر ہیکل تعمیر کرایا تھا۔ لہذا اصل ہیکل کوہ جزریم پر ہے نہ کہ جہاں حضرت سلیمانؑ نے تعمیر کرایا ہے۔ ان دونوں میں اختلافات کی بنیاد اس وقت پڑی جب بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر کے وقت سامریوں کی شرکت کی خواہش کے باوجود یہودیوں نے انہیں الگ تھلگ رکھا اور قریب تک نہ آنے دیا۔[۱]

تالمود

یہ کتاب یہودیوں کے یہاں بڑی اہمیت کی حامل ہے بلکہ تورات سے بھی بڑھ کر اس کا

۱۔ مولانا نعمت اللہ، یہودی اور تحریف تورات ص: ۳۔۴

مقام ہے۔ حضرت موسیٰ کو خدا نے دوطرح کے قوانین عطا کئے تھے ایک مکتوب جسے تورات کہاجاتا ہے اور دوسرا غیر مکتوب جسے حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد حضرت یوشع نے مشائخ کے حوالے کر دیا تھا۔ پھر مشائخ نے انبیاء کرام کے حوالے کیا اسی طرح بالترتیب ہر ایک نبی اپنے بعدوالے نبی کو زبانی طور پر حوالے کرتے رہے یہاں تک کہ ۱۵۰ء میں یہوداحق دوش نے تمام روایتوں کو یکجا کر کے کتابی شکل دی اور اس کا نام مشنا رکھا۔ کچھ عرصہ بعد اس کی دو شرحیں لکھی گئیں۔ پہلی شرح ۳۰۰ء میں یروشلم میں اور دوسری شرح ۶۰۰ء کے اوئل میں شہر بابل میں تیار کی گئی۔ ان دونوں شرحوں میں سے ہر ایک کو کمرا یا جہارا کہا جاتا ہے اور دونوں کے مجموعہ کو ہی تلمود کہتے ہیں۔ پھر ان دونوں میں امتیاز کے لے ایک کوتلمود یروشلم اور دوسرے کوتلمود بابلی کر دیا گیا[۱]

تحریفات

عہدنامۂ عتیق کے انتالیس صحیفے کس کس نبی پر نازل ہوئے اس کی صراحت کہیں نہیں ملتی البتہ صرف چودہ صحیفوں کے بارے میں متعین طور پر کہا گیا ہے کہ فلاں صحیفہ فلاں نبی پر نازل کیا گیا۔ جن انبیاء کرام پر یہ صحیفے نازل ہوئے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) یسعیاہ(۲) یرمیاہ(۳)ہوسیع (۴) یوایل(۵) عاموس(۶)عبدیاہ (۷) یوناہ (۸)میکاہ (۹)ناحوم (۱۰)حبوق (۱۱)صفنیاہ (۱۲) حجی (۱۳) زکریا (۱۴) ہلاکی۔ ان کے علاوہ باقی پچیس کے سلسلے میں یہودی خاموش نظر آتے ہیں۔

یہ انتالیس یا چھالیس [۳۹، ۴۶] کے کے مجموعے کو کس نے اور کہاں مرتب کیا۔ کتاب مقدس کا درجہ کیسے حاصل ہوا کوئی ثبوت نہیں مل پاتا۔ پادری فاونڈر بھی خود اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی علم کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

تورات کے تمام صحیفے نبیوں کے وسیلے سے لکھے گئے۔ مگر بعض کی بابت معلوم نہیں کہ کس نبی نے ان کولکھا ہے[۲]

عہدنامۂ عتیق کی روح ابتدائی پانچ کتابیں ہیں جو سب سے زیادہ مقدس اور اصل تورات کہلانے کے حقدار ہیں۔ انہیں حضرت موسیٰ کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ لیکن ان میں کچھ روایتیں

۱۔ یہودی اور تحریف تورات، ص: ۵

۲۔ سید حامد علی، توحید اور عہد نامہ عتیق، ص: ۱۷

ایسی بھی مذکور ہیں جو اس دعویٰ کو مشکوک ومشتبہ قرار دیتی ہیں۔ جیسا کہ کتاب استثنا کے باب چوبیس، آیت ۵۔۱۰ میں حضرت موسیٰؑ کی وفات کا تذکرہ ہے۔ اس کے الفاظ باور کراتے ہیں کہ یہ حضرت موسیٰؑ کے عرصہ حیات میں نہیں بلکہ کئی سو سال بعد تصنیف کیا گیا ہے۔[۱] اس کے علاوہ ان کتابوں میں جو طرز کلام اختیار کیا گیا ہے اس سے تو اور بھی وضاحت ہوجاتی ہے کہ یہ سب بعد کی تحریریں ہیں جو کسی اور نے لکھی ہیں۔ چونکہ اگر حضرت موسیٰؑ کی تحریر ہوتی تو یقینی طور پر خود کے لئے متکلم کا صیغہ استعمال کرتے نہ کہ غائب کا جب کہ اکثر جگہوں پر غائب کے ہی صیغے استعمال کئے گئے ہیں اور بھی بہت ساری وجوہات ہیں جو اس کے منافی ہیں کہ اسے حضرت موسیٰؑ کی جانب منسوب کیا جائے۔ اختصاراً چند مثالوں پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ عہد نامہ عتیق کا کوئی بھی صحیفہ تحریفات سے پاک نہیں۔ اولاً ان تمام میں سب سے زیادہ معتبر اور لائق اعتبار پانچ مقدس صحیفوں (خمیس موسوی) کی چند روایتیں ملاحظہ فرمائیں جس سے دیگر صحیفوں کے بارے میں بھی بخوبی اندازہ ہوجائے گا کہ کیا اس طرح کے فحش کلام بھی 'الہامی' ہو سکتے ہیں، جبکہ ایک شریف انسان بھی ایسے جملوں کا انتساب اپنی جانب کبھی گوارہ نہیں کرسکتا۔ کتاب پیدائش کی روایت ملاحظہ ہو:

(اللہ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ) انہوں نے اپنی بیٹیوں کے ہاتھ سے دو دن شراب پی اور ہر دن نشہ میں مدہوش ہوکر ہر ایک بیٹی سے زنا کیا اور اسی سے ان کی نسل چلی ہے[۲] (معاذ اللہ)

حضرت ہارونؑ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے اپنی قوم میں شرک کی ابتداء کی اور لوگوں کو گمراہ کیا اس سلسلے میں روایت ملاحظہ ہو:

اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰؑ نے پہاڑ سے اترنے میں دیر لگائی تو ہارونؑ کے پاس جمع ہوکر اس سے کہنے لگے کہ اٹھ ہمارے لئے دیوتا بنادے جو ہمارے آگے آگے چلے، کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس مرد موسیٰؑ کو جو ہم کو ملک مصر سے نکال لایا کیا ہوگیا۔ ہارونؑ نے ان سے کہا، تمہاری بیویوں، لڑکوں اور لڑکیوں کے کانوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں ان کو اتار کر میرے پاس لاؤ............ اور اس نے ان کو ان کے ہاتھوں سے لیکر ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا جس کی صورت

۱۔ استثنا، ۳۴، (آیت، ۵۔۱۰)
۲۔ پیدائش، ۱۹، (آیت ۳۰)

چھینی سے ٹھیک کی۔ تب وہ کہنے لگا اے اسرائیل یہی تیرا وہ دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا۔ یہ دیکھ کر ہارونؑ نے اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور اس نے اعلان کیا کہ کل خداوند کے لئے عید ہوگی اور دوسرے دن سویرے اٹھ کر انہوں نے قربانیاں چڑھائیں[1]

ایک نبی کہ جس کا شیوہ ہی شرک اور باطل پرستی کی بیخ کنی ہے ان پر اتنا بڑا الزام کہ عبادت کے لئے بچھڑے کو معبود بنانا پھر اس کے لئے قربان گاہ تیار کرنا اور اس طرح بت پرستی کا بانی ومبانی بن جانا۔ یہ باتیں نبی کیا، ایک عام مسلمان کی شان کے خلاف اور بعید از قیاس لگتی ہیں۔ پھر ان کے یہاں شرک کی سزا کا متعین طور پر قتل ہی تھی جس جرم کے پاداش میں بے شمار لوگ قتل بھی کیے گئے۔ لیکن ان میں سب سے بڑا مجرم جو اس گناہِ عظیم کا سرغنہ اور بانی تھا جس کی وجہ سے قوم باطل پرستی میں مبتلا ہوئی وہ ہر قسم کی تادیب سے محفوظ رہا۔

اسی طرح اور بھی مختلف فیہ روایتیں خروج، احبار، گنتی اور استثنا میں بھی بکثرت موجود ہیں۔ ان پانچوں صحیفوں کے علاوہ دیگر کتابوں کی روایتوں کے بارے میں کیا بیان کیا جائے جبکہ چند کتابیں ایسی ہیں کہ ان کا الہامی ہونا کسی بھی طرح ممکن نہیں۔ مثلاً روت، آستر، غزل الغزلات ان کتابوں کا حاصل مطالعہ بالاختصار ذیل میں ملاحظہ فرمائیں، بخوبی اندازہ ہو جائے گا:

روت

یہ عہد نامہ قدیم کا ایک حصہ ہے مکمل کتاب کی شکل میں۔ اس کی پوری تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ ایک یہودی عورت جو بیوہ تھی۔ رات کے وقت ایک دولت مند شخص کے پاس اپنی ساس کے حکم کی تعمیل میں خوب بن سنور کر جاتی ہے اور پوری رات اس شخص کے ساتھ ہمبستر ہوتی ہے پھر دونوں رشتہ ازواج سے منسلک ہو جاتے ہیں۔ مزید اور کوئی بات یا واقعہ اس کتاب میں نہیں بلکہ نصائح یا احکام پر مبنی کلمات سے تو بالکل عاری ہے۔

آستر

یہ بھی مکمل ایک کتاب ہے تورات کا۔ اس صحیفے کا حال یہ ہے کہ ایک روز ایک بادشاہ خورس جو غیر یہودی تھا نشہ کی حالت میں اپنی ملکہ جس کا نام وشتی تھا، اسے زیب وزینت کے ساتھ دربار میں سب کے سامنے آنے کا حکم دیا۔ ملکہ نے سر عام آنے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا انکار کی وجہ

۱۔ پیدائش، ۳۲ (آیت ۱۔۶)

سے وہ عتاب کی مستحق ہوئی اور بادشاہ نے ناراض ہوکر یہ حکم صادر فرمایا کہ پورے ملک سے خوبصورت کنواری لڑکیاں اکٹھا کی جائیں جن میں سے بادشاہ کسی ایک کا انتخاب کرے گا۔لہذا ہرشام ایک کنواری لڑکی بادشاہ کی خلوت گاہ میں بھیجی جاتی۔رات بھر بادشاہ اس سے متمتع ہوتا۔ہر روز ایک نئی اور کنواری لڑکی پیش کی جاتی۔اسی طرح ایک طویل ایام گذرنے کے بعد آخر میں ایک یہودی نے اپنی بھتیجی کو جس کا نام آستر تھا بادشاہ کی خلوت گاہ میں بھیجا اور لڑکی کو یہ علم نہ ہونے دیا کہ جس کے پاس وہ جارہی ہے وہ غیر یہودی ہے۔(چونکہ ان کی شریعت میں یہودی کے علاوہ کسی اور شخص سے شادی جائز نہیں ہے) بہر حال آستر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور رات بھر اس کے ساتھ رہی۔بادشاہ کو یہ پسند آگئی لہذا اس نے اسے اپنی ملکہ بنالیا۔عرصہ بعد ایک ناگہانی واقعہ کے شکار تقریباً تمام یہودی ہوگئے تھے لیکن اسی آستر کی چالاکی کی وجہ سے انہیں نجات مل گئی۔واقعہ یہ ہے کہ بادشاہ کے وزیر ہامان نے 'مردکی' کی کسی نازیبا حرکت پر ناراض ہوکر ایک وقتِ مقررہ پر تمام یہودیوں کے قتل کا فرمان بادشاہ سے لکھوالیا اور ملک کے تمام اطراف میں یہ حکم نامہ بھیج دیا۔لیکن اس مجوزہ قتل عام کا علم کسی طرح آستر کو ہوگیا۔اور اس نے بادشاہ سے یہودیوں کی جان بخشی کرائی۔پھر اپنی چال سے خود ہامان کو ہی سولی پر چڑھوادیا اس کے بعد مردکی کو ملک میں کافی عروج ملا۔اوراسی کی وجہ سے پورے ملک میں یہودیوں کو عزت وسربلندی عطا ہوئی۔پھر انہوں نے بھی اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنا شروع کردیا۔اسی واقعہ پر مشتمل پوری کتاب ہے۔نہ ہی کوئی خدائی کلمات یا انبیاء کرام کے تذکرے۔نہ ہی احکام ومسائل اور وعظ ونصیحت ہے۔

غزل الغزلات

اس صحیفے میں غزلیں ہیں جو حضرت سلیمانؑ کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔لیکن حیرت اس پر ہے کہ اس کی نسبت خدا کے ایک جلیل القدر پیغمبر کی طرف ہے جو اس قدر فحش اور بے ہودہ کلمات سے پُر ہے کہ اس کا زبان پر لانا اگر باعثِ گناہ نہیں تو کم از کم ان (سلیمانؑ) کی شان میں گستاخی اور بے ادبی تو یقیناً ہے۔

یہودیت میں خدا کا تصور

عہد نامۂ عتیق میں جہاں متضاد و مختلف، شکوک و شبہات سے پُر اور فحش کلمات موجود ہیں وہیں خالقِ کائنات کا تصور بھی کثرت سے پایا جاتا ہے۔ خمیس موسوی کی سب سے پہلی کتاب پیدائش میں تخلیق کائنات کے سلسلے میں سب سے پہلی روایت ملاحظہ ہو:

''خدا نے ابتداء میں زمین و آسمان کو پیدا کیا اور زمین ویران اور سنسان تھی گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا اور خدا کی روح پانی کی سطح پر جنبش کرتی تھی اور خدا نے کہا کہ روشن ہو جا اور روشنی ہوگئی اور خدا نے دیکھا کہ روشنی اچھی ہے اور خدا نے روشنی کو تاریکی سے جدا کیا اور خدا نے روشنی کو دن کیا اور تاریکی کو رات اور شام ہوئی اور صبح ہوئی، سو پہلا دن ہوا'' [۱]

کتابِ ایوب میں خدا اپنی ربوبیت اور مدبّر کائنات ہونے کا اظہار اپنے بندوں خصوصاً حضرت ایوبؑ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے۔ ساتھ ہی چند سوالات بھی اپنی خلقت اور رزّاقیت کے سلسلے میں کرتے ہوئے بندے کو معذور، بے بس اور خود کو قادر علی کل شئ باور کراتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے صحیفہ ایوب کی روایت:

تو کہاں تھا جب میں نے زمین کی بنیاد ڈالی؟.................کیا تجھے معلوم ہے، کس نے اس کی ناپ ٹھہرائی یا کس نے اس پر سوت کھینچا؟................. یا کس نے سمندر کو دروازوں سے بند کیا؟................. اور اس کے لئے حد ٹھہرائی.................نور کے مسکن کا راستہ کہاں ہے؟ رہی تاریکی سو اس کا مکان کہاں ہے؟..........کیا تو عقدِ ثریا کو باندھ سکتا ہے؟.................کیا تو آسمان کے قوانین کو جانتا ہے اور زمین پر ان کا اختیار قائم کر سکتا ہے؟..........باطن میں حکمت کس نے رکھی اور دل کو دانش کس نے بخشی.......... پہاڑی کوے کیلئے کون خوراک مہیا کرتا ہے؟.................کیا تو جانتا ہے پہاڑ کی جنگلی بکریاں کب بچہ دیتی ہیں؟..........کیا گھوڑے کو اس کا زور تو نے دیا ہے؟.................کیا باز تیری حکمت سے اڑتا ہے؟ کیا عقاب تیرے حکم سے اوپر چڑھتا ہے اور بلندی پر اپنا گھونسلہ بناتا ہے؟ [۲]

۱۔ پیدائش، ۱ (آیت: ۱۔۵)

۲۔ ایوب، ٦ (آیت: ۳۹۔۴۰)

ان تمام سوالوں کا جواب حضرت ایوبؑ نے سرِتسلیم خم کرتے ہوئے ان الفاظ میں دیا:
میں جانتا ہوں کہ تو سب کچھ کرسکتا ہے اور تیرا کوئی ارادہ رُک نہیں سکتا[۱]
کتاب خروج میں حضرت موسیٰ کو مخاطب کرتا ہے کہ تجھ سے پہلے تمہارے اجداد میں سے خاص اور نیک بندوں نے بھی میری زیارت کا شرف حاصل کیا ہے بطور قدرتِ خداوندی کے:
پھر خدا نے موسیٰ سے کہا، میں خداوند ہوں اور میں ابراہام (ابراہیم) اور اصحاق (اسحاق) اور یعقوب کو قادر مطلق کے طور پر دکھائی دیا[۲]
صحیفۂ زبور میں اپنی حاکمیت او رملوکیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت داؤد سے سوال کرتا ہے:
زمین اور اس کی معموری خداوند ہی کی ہے اور جہاں میں اس کے باشندے بھی..........
یہ جلال کا بادشاہ کون ہے؟ خداوند جو قوی اور قادر ہے، خداوند جو جنگ میں زور آور ہے[۳]
کتاب خروج میں اپنے منصف اور مہربان ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے:
اور خداوند اس کے آگے سے یہ پکارتا ہوا گذرا۔ خداوند خدائے رحیم ومہربان، قہر کرنے میں دھیما اور شفقت وفا میں غنی، ہزاروں پر فضل کرنے والا، گناہ اور تقصیر وخطا کو بخشنے والا لیکن وہ مجرم کو ہرگز بری نہیں کریگا، بلکہ باپ دادا کے گناہ کی سزا ان کے بیٹوں او رپوتوں کو تیسری اور چوتھی پشت تک دیتا ہے[۴]
اپنی صفتِ منصفی کو زبور میں بھی باور کراتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:
اس نے انصاف کے لئے اپنا تخت تیار کیا ہے اور وہی صداقت سے جہاں کی عدالت کرے گا، وہ راستی سے قوموں کا انصاف کرے گا، خداوند مظلوموں کے لئے اونچا برج ہوگا، مصیبت کے ایام میں اونچا بُرج[۵]
حضرت داؤدؑ اپنی کتاب صحیفۂ زبور میں خدا کی بزرگی اور اس کی کریمی ورحیمی کو ان الفاظ

۱۔ ایوب،۴۲(آیت ۱۔۲)
۲۔ خروج،۶(آیت ۲۔۳)
۳۔ زبور،۲۴(آیت:۱۔۸)
۴۔ خروج،۳۴(آیت ۶۔۷)
۵۔ زبور،۹(آیت:۷۔۹)

میں بیان کرتے ہیں:

خدا بزرگ اور بے حد ستائش کے لائق ہے۔ اسکی بزرگی ادراک سے باہر ہے،............
خداوند سب پر مہربان ہے اور اس کی رحمت ساری مخلوق پر ہے[۱]

آگے مزید خدا کے مستجاب اور حاجت روا ہونے کو حضرت داؤدؑ اس طرح بیان کرتے ہیں:

خداوند گرتے ہوئے کو سنبھالتا اور جھکے ہوئے کو اٹھا کر کھڑا کرتا ہے، سب کی آنکھیں تجھ پر لگی ہیں، تو ان کو وقت پر انکی خوراک دیتا ہے، تو اپنی مٹھی کھولتا ہے اور ہر جاندار کی خواہش پوری کرتا ہے.................. خداوند ان سب سے قریب ہے جو اس سے دعا کرتے ہیں........... جو اس سے ڈرتے ہیں وہ ان کی مراد پوری کریگا، وہ ان کی فریاد سنے گا اور ان کو بچالے گا، خداوند اپنے سب محبت رکھنے والوں کی حفاظت کرے گا لیکن سب شریروں کو ہلاک کر ڈالے گا[۲]

خداوند کے اپنے قول وقرار میں صادق ہونے اور اس کے اپنے ان بندوں کو جو نیک وصالح اور صفتِ صداقت سے متصف ہیں انہیں پسند کرنے اور ظالم وقاہر اور فاسق وفاجر کو ناپسند کرنے کا اظہار حضرت داؤدؑ اپنی کتاب میں یوں کررہے ہیں:

میرا توکل خداوند پر ہے.................. خداوند صادق کو پرکھتا ہے، شریر اور ظلم دوست سے اس کی روح کو نفرت ہے، وہ شریروں پر پھندے برسائے گا، آگ اور گندھک اور لُو ان کے پیالے کا حصہ ہوگا کیونکہ خداوند صادق ہے، وہ صداقت کو پسند کرتا ہے، راست باز اس کی دیدار حاصل کریں گے۔

پوری کائنات کا خدا کے قبضۂ قدرت میں ہونا اور اس کے علم وادراک میں کل کائنات کا محیط ہونا، ان تمام کا اعتراف واظہار حضرت داؤد کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

اے خداوند.................. تو میرا اٹھنا بیٹھنا جانتا ہے، تو میرے خیال کو دور سے سمجھ لیتا ہے.......... دیکھ میری زبان پر کوئی ایسی بات نہیں، جسے تو اے خداوند پورے طور پر نہ جانتا ہو، تو نے مجھے آگے پیچھے سے گھیر رکھا ہے، اور تیرا ہاتھ مجھ پر ہے .... اگر آسمان پر چڑھوں تو تو وہاں ہے، اگر میں پاتال میں بستر بچھاؤں تو دیکھ تو وہاں بھی ہے........... اگر میں

۱۔ زبور، ۱۴۵ (آیت: ۸۔۹)
۲۔ زبور، ۱۴۵ (آیت: ۱۴۔۲۰)

کہوں یقیناً تاریکی مجھے چھپالے گی اور میرے چاروں طرف کا اجالا رات بن جائے گا تو اندھیرا بھی تجھ سے چھپا نہیں سکتا، بلکہ رات بھی دن کی مانند روشن ہے، اندھیرا اور اجالا دونوں یکساں ہیں، کیونکہ میرے دل کو تو ہی نے بنایا۔ میری ماں کے پیٹ میں تو ہی نے مجھے صورت بخشی جب میں پوشیدگی میں بن رہا تھا اور زمین کے اسفل میں عجیب طور سے مرتب ہو رہا تھا تو میرا قالب تجھ سے چھپا نہ سکا............[۱]

حضرت موسیٰ کتاب استثنا میں اپنے بندوں سے خدا کی قربت کو واضح کرتے ہوئے اپنی قوم بنی اسرائیل کو اطاعت وفرمانبرداری کی رغبت دلاتے ہیں:

ایسی بڑی قوم کون سی ہے جس کا معبود اس قدر اس کے نزدیک ہو جیسا خداوند ہمارا خدا کہ جب کبھی ہم اس سے دعا کریں ہمارے نزدیک ہے[۲]

کتاب خروج میں خدا اپنی صفت شافی کے بارے میں فرماتا ہے:

اگر تو دل لگا کر خداوند اپنے خدا کی بات سنے..................تو میں ان بیماریوں میں سے جو میں نے مصریوں کو بھیجیں تجھ پر کوئی نہ بھیجوں کیونکہ میں خداوند تیرا شافی ہوں[۳]

کتاب احبار میں خدا لوگوں کو تطہیر اور تزکیہ کا حکم دے کر خود کو بھی اسی صفت سے متصف بتا رہا ہے:

میں خداوند تمہارا خدا ہوں اسلئے اپنے آپ کو مقدس کرنا اور پاک رہنا کیونکہ میں قدوس ہوں[۴]

اسی طرح دوسری جگہ اسی کتاب میں یوں کہتا ہے:

اسلئے تم اپنے آپ کو مقدس کرو اور پاک رہو۔ میں خداوند تمہارا خدا ہوں اور تم میرے آئین کو ماننا اور اس پر عمل کرنا۔ میں خداوند ہوں جو تم کو مقدس کرتا ہوں[۵]

تعمیل ارشاد پر اللہ رب العزۃ بندوں کو اپنی نعمتوں سے نوازنے کی نوید مسرت سناتا ہے کتاب احبار کی روایت ملاحظہ ہو:

۱۔ زبور، (آیت:۱۳۹)
۲۔ استثنا،۴ (آیت:۷۔۸)
۳۔ خروج،۱۵ (آیت:۲۶)
۴۔ احبار،۱۱ (آیت:۴۴۔۴۵)
۵۔ احبار،۲۰ (آیت:۷۔۸)

سوتم میری شریعت پر عمل کرنا اور میرے حکموں کو ماننا اور ان پر چلنا تو تم اس ملک میں امن کے ساتھ بسے رہو گے اور زمین پھلے گی اور تم پیٹ بھر کھاؤ گے [۱]

خداتعالیٰ جہاں اطاعت وفرمانبرداری کی جزا دیتا ہے وہیں حکم عدولی کی سزا بھی مرتب کرتا ہے۔ کتاب احبار میں اس تادیب کا مطالعہ کیجئے:

تم ان کاموں میں سے کسی میں پھنس کر آلودہ نہ ہوجانا کیونکہ جن قوموں کو میں تمہارے آگے سے نکالتا ہوں وہ ان سب کاموں کے سبب سے آلودہ ہیں اور ان کا ملک بھی آلودہ ہوگیا ہے۔ اس لئے اس کی بدکاری کی سزا اسے دیتا ہوں..........لہذا تم میرے آئین اور احکام کو ماننا................ [۲]

اسی پر بس نہیں بلکہ خدا قہار بھی ہے۔ نافرمانی اور حکم عدولی کی صورت میں اس کا قہر بھی مجرموں اور ظالموں پر برس پڑتا ہے۔ کتابِ خروج میں بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی پر سخت ناراض ہوکر فرماتا ہے:

اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ میں اس قوم کو دیکھتا ہوں کہ یہ گردن کش قوم ہے اس لئے تو مجھے اب چھوڑ دے کہ میرا غضب ان پر بھڑکے اور میں ان کو بھسم کردوں [۳]

خدا کسی بھی حال میں شرک برداشت نہیں کرسکتا۔ وہ غیور ہے لہذا کتاب خروج میں گناہ عظیم سے اجتناب کیلئے تنبیہہ کرتا ہے۔

تجھ کو کسی دوسرے معبود کی پرستش نہیں کرنی ہوگی اس لئے کہ خداوند جس کا نام غیور ہے، وہ خدائے غیور بھی ہے [۴]

خدا اپنی خدائی کی سب سے بڑی صفت یعنی ازلی اور ابدی اور وحدہ لاشریک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

میں ہی اول اور میں ہی آخر ہوں اور میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے [۵]

مذکورہ بالا روایتوں کے علاوہ اور بھی مزید روایتیں خدا کے تصور کو مختلف انداز اور مختلف

۱۔ احبار، ۲۵ (آیت: ۱۷۔۱۹)
۲۔ احبار، ۱۸ (آیت: ۲۴۔۲۶)
۳۔ خروج، ۳۲ (آیت: ۹۔۱۰)
۴۔ خروج، ۳۴ (آیت: ۱۴)
۵۔ یسعیاہ، ۴۴ (آیت: ۶)

احوال واحکام کی روشنی میں واضح کرتی ہیں۔ اختصار کی وجہ سے انہیں چند حوالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آسمانی کتابوں میں قرآن حکیم کے علاوہ یہودیوں کی کتاب عہدنامہ عتیق میں خدا کا تصور بکثرت موجود ہے بلکہ یوں کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ کتاب کا وافر حصہ صفت خدا اور اختیارات خدا سے مزیّن ہے۔

☆☆☆

وحدانیت

جہاں عہد نامہ عتیق میں خدا اور اس کی صفات کی وضاحت کثرت سے موجود ہے وہیں وحدانیت کی بھی تعلیم اور شرک جیسے عظیم گناہ سے شدت کے ساتھ اجتناب کی تلقین کی جاتی ہے۔ خصوصاً احکام عشرہ (جو حضرت موسیٰ کو طورِ سینا پر عطا کئے گئے تھے،) کی بنیادی تعلیم اسی پر ہے کہ شرک سے ہر ممکن اجتناب کرو۔ کسی بھی صورت میں اسے روا نہ سمجھو اور خدائے وحدہ لاشریک کی ہی بندگی کرو، کیونکہ صرف اسی کی ذات بندگی کے لائق ہے۔ وہ شرکت غیر کو کسی بھی حال میں قبول نہیں کرتا، وہ غیور ہے، اور نہ ہی مشرکین کے ساتھ نرمی و ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔ انہیں ان کے اس جرم کے پاداش میں ایسی اذیت ناک سزائیں دیتا ہے کہ جو دوسروں کے لئے بھی باعثِ عبرت ہوتی ہیں۔ کتاب خروج میں فرمانِ الٰہی ملاحظہ فرمائیے:

میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا، تو اپنے لئے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا، نہ کسی چیز کی صورت، بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔ تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں۔[1]

مشرکانہ اعمال تو درکنار مشرکین کی صحبت سے بھی اجتناب کا حکم کتاب خروج میں دیا گیا ہے:

سو خبردار رہنا کہ جس ملک کو تو جاتا ہے اس کے باشندوں سے کوئی عہد نہ باندھنا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے لئے پھندا ٹھہرے بلکہ تم ان کی قربان گاہوں کو ڈھا دینا اور ان کے ستونوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا .... کیونکہ تجھ کو کسی معبود کی پرستش نہیں کرنی ہے۔ اس لئے کہ خداوند جس کا نام غیور ہے وہ خدائے غیور بھی ہے۔ سو ایسا نہ ہو کہ تو اس ملک کے باشندوں سے کوئی عہد باندھ لے اور جب وہ اپنے معبودوں کی پیروی میں زنا کار ٹھہریں اور اپنے معبودوں کے لئے قربانی کریں اور کوئی تجھ کو دعوت دے اور تو اس کی قربانی میں سے کچھ کھا لے اور تو ان کی بیٹیاں اپنے بیٹوں سے بیاہے اور ان کی بیٹیاں اپنے معبودوں کی پیروی میں زنا کار ٹھہریں اور تیرے بیٹوں کو بھی اپنے معبودوں کی پیروی میں زنا کار بنا دیں۔[2]

۱۔ خروج،۲۰ (آیت:۲۔۴)

۲۔ خروج،۳۴ (آیت:۱۲۔۱۷)

خداوند قدوس شرکتِ غیر کی پرستش کسی بھی امکانی درجہ میں برداشت نہیں کرتا۔ وہ اسے ظلم عظیم تصور کرتا ہے اور ایسے شخص کے لئے جو اس کا مرتکب ہو، سخت سے سخت اذیت ناک سزائے قتل کا فیصلہ صادر فرماتے ہوئے کتاب استثنا میں کہتا ہے:

اگر تیرا بھائی یا تیری ماں کا بیٹا یا تیرا بیٹا یا تیری ہم آغوش بیوی یا تیرا دوست جس کو تو اپنی جان کے برابر عزیز رکھتا ہے، تجھ کو چپکے چپکے پھسلا کر کہے کہ چلو، ہم اور دیوتاؤں کی پوجا کریں جن سے تو اور تیرے باپ دادا واقف بھی نہیں............تو تو اس کے ساتھ رضا مند نہ ہونا اور نہ اس کی بات سننا، تو اس پر ترس بھی نہ کھانا اور نہ اس کی رعایت کرنا، اور نہ اسے چھپانا بلکہ تو اس کو ضرور قتل کرنا اور اس کو قتل کرتے وقت پہلے تیرا ہاتھ اس پر پڑے، اس کے بعد سب قوم کا ہاتھ اور تو اسے سنگسار کرنا کہ وہ مر جائے[1]

یہودیوں کی کتاب مقدس میں تصور خدا، وحدانیت کی واضح اور جامع تعلیم اور شرک جیسے بُرے فعل کی پُرزور طریقے پر تردید، نیز دانستہ یا غیر دانستہ اس ظلم عظیم کے سرزد ہو جانے پر سخت اور اذیت ناک عتاب کے باوجود افسوس کہ یہ موحد قوم شرک کی لعنت سے عاری نہ رہ سکی اور "**وقالت الیهود عزیر ان بن الله**"[2] [یہودیوں نے کہا کہ حضرت عزیرؑ اللہ کے بیٹے ہیں] کے عقیدے نے انہیں نصاری کے مساوی کھڑا کر دیا جیسا کہ نصاری نے بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ حضرت عیسیٰ مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ فرمان الٰہی ہے:

"**وقالت النصاری المسیح بن الله**"
[نصاری بھی کہنے لگے کہ حضرت مسیحؑ اللہ کے بیٹے ہیں][3]

☆☆☆

۱۔ استثنا،۱۳ (آیت:۶۔۱۰)
۲۔ التوبہ،۳۰
۳۔ التوبہ،۳۰

عیسائیت

صفحہ

عیسائیت ایک اجمالی جائزہ

افکار و مذاہب کی بزم میں عیسائیت کو دنیا کے سب سے بڑے مذہب کا مقام حاصل ہے۔ اس کے پیروکار تقریباً ہر خطے میں پائے جاتے ہیں۔ کوئی ایسا ملک نہیں کہ جہاں اس کے علم بردار موجود نہ ہوں۔ ان کے متبعین کی تعداد ایک عرب سے بھی زیادہ ہے اور یہ دوسو اٹھائیس فرقوں میں منقسم ہیں۔ ان میں کے بڑے فرقے کیتھولک، ایسٹرن، ارتھوڈاکس پروٹسٹنٹ ہیں۔ پھر ان چاروں میں بھی کیتھولک فرقہ کو سب پر غلبہ حاصل ہے۔[1] عیسائیت کے پورے عالم پر چھا جانے کا واحد سبب دعوت وتبلیغ ہے جو اسلام کے شانہ بشانہ چلتے ہوئے اپنے پیروں کو دعوت وتبلیغ کی راہ میں ہمہ وقت متحرک اور فعال کارکن کی حیثیت سے دیکھنا چاہتی ہے۔ جس کی مثال ہمارے ہندوستان میں بھی آئے دن گاہے بگاہے ملتی رہتی ہے۔ بیشتر ہندوؤں میں علاوہ برہمن کے خصوصاً شودر اور آدی باسی وغیرہ، تجارت۔ سروس اور معاشی مسئلہ کے حل کے لئے برہمنوں اور پنڈتوں کی چیخ وپکار اور مختلف انداز کی دلدوز دھمکیوں کے باوجود اپنے دین پر عیسائیت کو ترجیح دینے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ عیسائیت اور اسلام کے علاوہ دنیا کے دیگر مذاہب اشاعت دین کی روح سے یکسر عاری ہیں۔ بعض میں تو روزِ اول سے اسے قابل اعتناء سمجھا ہی نہیں جاتا۔ مثلاً یہودیوں کے یہاں صرف پیدائشی اعتبار سے ہی یہودی ہوسکتا ہے۔ قبول دین یا تبدیلی مذہب کی کوئی گنجائش نہیں۔

مسیحیت کے برحق، سچا اور منزل من اللہ ہونے کی شہادت خدا کی آخری کتاب قرآن حکیم کی مختلف آیتوں سے بھی ثابت ہے:

وقفینا بعیسی ابن مریم وآتیناہ الانجیل[2]

[اور ان سب کے بعد عیسی ابن مریم کو مبعوث کیا اور اس کو انجیل عطاء کی]

ویعلّمه الکتاب والحکمة والتوراة والانجیل.[3]

[اور اللہ اسے کتاب اور حکمت کی تعلیم دے گا، توراۃ اور انجیل کا علم سکھائے گا]

۱۔ سگمن کا مذاہب عالم نمبر ص: ۱۲۶

۲۔ الحدید: ۲۷

۳۔ آل عمران: ۴۸

قال انی عبد الله اٰتنی الکتاب و جعلنی نبیاً. [۱]

[بچہ بول اٹھا'' میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی، اور نبی بنایا]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے معمار حضرت یعقوبؑ کے خاندان کے یہودی تھے۔ یہ کوئی نیا دین لے کر تشریف نہیں لائے تھے بلکہ یہودیوں کی اصلاح اور حضرت موسیٰؑ کے دین کی تجدید کے لئے مبعوث کئے گئے تھے۔ انہوں نے دین موسوی سے الگ کوئی نئی جماعت تشکیل نہیں کی اور نہ ہی اس کا کوئی باضابطہ نام رکھا حتیٰ کہ عبادت و ریاضت کے لئے مسجد اقصیٰ ہی کے ہیکل میں تشریف لے جاتے اور دین موسوی کی اطاعت و بندگی میں مصروف رہتے اور اپنے شاگردوں کو بھی اس کی تلقین کرتے۔

آپ کی دعوت پر لبیک کہنے والے حضرات کتاب تورات پر بھی ایمان لائے اور آپ کی تعلیمات پر بھی عمل پیرا ہوئے۔ لیکن مرور ایام کے ساتھ لوگوں کے اعمال میں تبدیلیاں آنی شروع ہوگئیں۔ پھر رفتہ رفتہ احبار و رہبان کے ذریعہ سے دین عیسوی میں تحریف کا دروازہ بھی کھل گیا اور بجائے اس کے کہ اس پر کوئی قید و بند لگایا جاتا ہر داعی مسیحیت اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کو اپنا اعزاز سمجھنے لگا (اس اعزاز کا سب سے بڑا محرک سینٹ پولس کے نام سے جانا جاتا ہے) پھر کیا تھا اللہ کا ایک خالص دین جو ہر قسم کے حشو زوائد سے پاک تھا مسیحیت کے نام سے جانا جانے لگا۔

مسیحیت یا عیسائیت چونکہ اللہ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب ہے اور آپ ہی عیسائیت کے بانی سمجھے جاتے ہیں اس لئے بالاختصار ہی سہی حضرت عیسیٰؑ کی سرگذشت حیات کا مطالعہ بڑی حد تک ناگزیر ہوجاتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً پانچ سو سال قبل ہوئی۔ ان کے آباء و اجداد یہود تھے، ان کا نسب نامہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ السلام سے ملتا ہے۔ ان کی والدہ حضرت مریم (خانۂ خدا کے لئے نذر مانی ہوئی۔ حضرت عمران کی انتہائی متقی پرہیزگار بیٹی تھیں جو کسی سے رشتۂ ازدواج میں بھی منسلک نہیں ہوئی تھیں۔ قرآن حکیم ان کی شخصیت مطہرہ کی منظر کشی ان الفاظ میں کرتا ہے:

۱۔ مریم: ۳۰

إذ قالت الملئكة يمريم ان الله اصطفک وطهرک علی نساء العالمین. [۱]

[جب مریم سے فرشتوں نے آکر کہا ''اے مریم! اللہ نے تجھے برگزیدہ کیا اور پاکیزگی عطا کی اور تمام دنیا کی عورتوں پر تجھ کو ترجیح دے کر اپنی خدمت کے لئے چن لیا]

حضرت عیسیٰؑ کی ولادت غیر فطری طریقہ پر بغیر والد کے کنواری ماں کے بطن سے فلسطین کے ایک مقام بیت لحم میں ہوئی۔ حضرت مریم جب بیت المقدس میں معتکف تھیں تو خدا نے انہیں حضرت مسیح کی بشارت دی۔ قرآن پاک نے اسے یوں بیان فرمایا ہے:

إذقال الملئكة يمريم ان الله يبشرک بكلمة منه اسمه المسيح عيسىٰ بن مريم وجيهاً فی الدنياوالأخرة ومن المقربين ويكلم الناس فی المهد وكهلاً ومن الصالحين ۔ قالت رب انی يكون لی ولد ولم يمسسنی بشر، قال كذالک الله يخلق مايشاء. [۲]

[اور جب فرشتوں نے کہا، 'اے مریم! اللہ تجھے ایک فرمان کی خوش خبری دیتا ہے جس کا نام مسیح ابن مریم ہوگا، دنیا و آخرت میں معزز ہوگا، اللہ کے مقرب بندوں میں شمار کیا جائے گا، لوگوں سے گہوارے میں بھی کلام کرے گا اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی، اور وہ ایک مردِ صالح ہوگا، یہ سن کر مریم بولی ''پرور دگار! میرے ہاں بچہ کہاں سے ہوگا، مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ تک نہیں لگایا'' جواب ملا ایسا ہی ہوگا اللہ جو چاہتا ہے وہ پیدا کرتا ہے]۔

مسیحی روایات حضرت مریمؑ کے غیر شادی شدہ ہونے کے خلاف ہیں ان کے مطابق حضرت مریم علیہاالسلام کی شادی یوسف نامی شخص سے ہو چکی تھی۔ ولادت مسیح کی تفصیلات کو قرآن کریم کے بالکل برعکس بیان کیا گیا ہے۔ متی کی روایت ملاحظہ فرمائیں:

یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوگئی تو ان کے ایک دوسرے سے مصاحبت سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئیں تو اس کے شوہر یوسف نے جو راست باز تھا اور اسے بدنام کرنا نہ چاہتا تھا، چپکے سے اسے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ وہ ان باتوں کی سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتے نے اسے

۱۔ آل عمران: ۴۲

۲۔ آل عمران: ۴۵تا۴۸

خواب میں دکھائی دیکر کہا اے یوسف ابن داؤد اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی طرف سے ہے، وہ بیٹا جنے گی اور تو اس کا نام یسوع رکھ کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے چھڑائے گا،............ یوسف نے خواب سے جاگ کر ویسا ہی کیا جیسا خداوند کے فرشتے نے اسے حکم دیا تھا اور اپنی بیوی کو اپنے ہاں لے آیا[۱]

سوامی دیانند سرسوتی 'ستیارتھ پرکاش' میں مولودِ عیسیٰ کے سلسلے میں قرآن حکیم اور انجیل کی روایتوں کو خلافِ واقعہ تصور کرتے ہوئے دلائل وبراہین کے بغیر حضرت مریم پر کردار کشی غیر مہذب انداز میں ان الفاظ کے ذریعہ کرتے ہیں:

............ایسی ایسی باتوں کو آنکھ کے اندھے گانٹھ کے پورے لوگ مان کر مغالطہ کے دام میں پھنستے ہیں۔ یہ بات اس طرح ہوئی ہوگی کہ کسی آدمی کے ساتھ صحبت کرنے سے مریم حاملہ ہوگئی ہوگی، اس نے یا کسی دوسرے نے ایسی ناممکن بات مشہور کردی ہوگی کہ اس کا حمل روح القدس کی طرف سے ہے[۲]

انہیں شبہات، اعتراضات اور الزام تراشی کے رفع کے لئے خداوند قدوس نے حضرت عیسیٰ کو ماں کے گہوارے میں پیدائش کے کچھ لمحے بعد ہی قوتِ گویائی کا معجزہ عطا فرمایا تاکہ یہ معترضین سے ہم کلام ہوکر اپنی مطہرہ والدہ کی برائت اور پاکدامنی کا اظہار کریں۔ اس متحیّر واقعہ کو قرآن کریم نے بڑی واضح انداز میں بیان فرمایا ہے:

فاشارت اليه، قالوا كيف نكلم من كان فى المهد صبياً، قال انى عبد الله اٰتانى الكتاب وجعلنى نبياً وجعلنى مباركاً اين ماكنت واوصانى بالصلوٰة والزكاة مادمت حياً.[۳]

[مریمؑ نے بچے کی طرف اشارہ کردیا، لوگوں نے کہا'' ہم اس سے کیا بات کریں جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے؟، بچہ بول اٹھا میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی،

۱۔ انجیل، متی ۲ (۱۳ تا ۱۸)

۲۔ سوامی دیانند سرسوتی، ستیارتھ پرکاش، ۱۳ (۴۷۲۔۴۷۳)

۳۔ مریم: ۳۹ تا ۴۱

روح القدس پر ایمان جو زندوں کو مردہ کرنے والا ہے۔ اور باپ سے ظاہر ہوکر باپ اور بیٹے کے ساتھ وہ بھی مسجود اور بزرگ ہے جس کے زیر اثر انبیاء بولتے ہیں۔]

مذکورہ بالا عبارت سے پورے طور پر واضح ہوجاتا ہے کہ مسیحیت میں خدا کوئی ذاتِ واحد کا نام نہیں بلکہ یہ مرکب ہے تین اقانیم سے باپ، بیٹا اور روح القدس۔ یہی نظریہ عقیدہ تثلیث کے نام سے مشہور ہوگیا۔ لیکن علماء مسیحیت اس عقیدہ تثلیث کی تشریحات وتعبیرات میں کافی مضطرب وپریشان حال نظر آتے ہیں۔ چونکہ یہ اقانیم ثلاثہ کی تعیین میں ایک دوسرے سے مختلف ومتضاد نظریہ پیش کرتے ہیں۔ بعض علماء مسیحیت کا خیال ہے کہ 'خدا' نام ہے باپ بیٹے اور روح القدس کے مجموعہ کا[۱] اور بعض کی رائے ہے کہ باپ، بیٹے اور کنواری مریم، یہی تین اقنوم ہیں جن کا مجموعہ خدا ہے[۲] پھر اس مجموعہ خدا اور اقانیم ثلاثہ میں سے ہر ایک کی ذات انفرادی اعتبار سے اپنا کیا مقام اور حیثیت رکھتی ہے اس سلسلے میں بھی ان کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں۔ علماء مسیحیت کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ اقانیم ثلاثہ میں سے ہر ایک بذاتِ خود ویسا ہی خدائی مقام رکھتا ہے جیسا کہ مجموعہ خدا۔ ایک دوسرے گروہ نے اپنا نظریہ یہ بیان کیا کہ مجموعہ خدا میں سے ہر ایک انفرادی اعتبار سے خدائی مقام تو رکھتا ہے مگر مجموعہ خدا سے ان کا مقام کم ہوجاتا ہے خفت آجاتی ہے۔ تیسرا گروہ ان دونوں سے بالکل مختلف ہے اس کا کہنا ہے کہ انفرادی اعتبار سے یہ اپنا کوئی مقام نہیں رکھتے۔ خدائی صفات سے عاری ہیں۔ یہ خدا ہی نہیں ہیں، خدا تو صرف ان کا مجموعہ ہے[۳]

عقیدہ تثلیث ایک خواب پریشان سے کم نہیں۔ چونکہ خود مسیحی قائدین، رہنما اور کبارِ علماء اس لاینحل مسئلہ میں بے شمار اختلافات کے شکار ہیں۔ توحید فی التثلیث کی تشریح کے لئے انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے تحقیقی کلمات جو عیسائیوں کے یہاں تسلیم شدہ ہیں، قابل ملاحظہ ہیں:

تثلیث کے عیسائی نظریے کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ باپ خدا ہے، بیٹا خدا ہے اور روح القدس خدا ہے۔ لیکن یہ سب مل کر تین خدا نہیں ہیں بلکہ ایک ہی خدا ہیں۔ اسلئے کہ عیسائی نظریے کے مطابق ہم جس طریقے پر ان تینوں میں سے ہر ایک اقنوم کو خدا

۱۔ برٹانیکا، ج:۲۲ص:۴۷۹
۲۔ نوید جاوید ص:۳۵۶ بحوالہ عیسائیت کیا ہے،۱۲
۳۔ عیسائیت کیا ہے،۳۰

اور نبی بنایا، اور بابرکت کیا جہاں بھی رہوں، نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں]۔

حضرت عیسیٰ کی ابتدائی عمر کہاں گذری اس سلسلے میں قدرے اختلاف ہے۔ بعض نے 'الرملہ' کی تعین کی ہے۔ بعض نے بیت المقدس اور بعض نے مصر کہا ہے۔ قرآن حکیم نے کوئی نشان دہی نہیں کی ہے۔ مسیحی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ کی ابتدائی پرورش مصر میں ہیرودیس بادشاہ کے زمانہ میں ہوئی پھر ناصرت لوٹ آئے۔ متی کی روایت ملاحظہ فرمائیں:

خداوند کے فرشتے نے یوسف (ان کے والد) کو خواب میں دکھائی دے کر کہا کہ اٹھ بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لیکر مصر کو بھاگ جا اور جب تک میں تجھ سے نہ کہوں وہیں رہنا۔ کیونکہ ہیرودیس اس بچے کو ہلاک کرنے کے لئے ڈھونڈنے کو ہے۔ پس وہ اٹھ کر رات ہی میں بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لیکر مصر کو روانہ ہوگیا اور ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہے[۱]

ہیرودیس کے انتقال کے بعد جب مصر سے اسرائیل لوٹے تو باپ کی جگہ بیٹے کو تخت نشین دیکھ کر وہاں سے گلیل کے علاقہ کو روانہ ہوئے اور ناصرت شہر پہنچ کر پناہ لیا[۲]

نبوت عطا کئے جانے سے قبل ایک طویل عرصہ تقریباً تیس[۳] سالوں کی مدت تک حضرت عیسیٰ کے حالات زندگی کیا ہیں، وہ کس علاقے سے منسلک رہے، ان کی تعلیم و تربیت کہاں اور کس طرح ہوئی، اس سلسلے میں انجیل خاموش ہے البتہ اس کے بعد کی زندگی پر (بعد از نبوت) اناجیل اربعہ نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ لیکن حتمی طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ جو بیان یا حوالے اناجیل میں پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب صداقت پر مبنی ہوں۔ کیوں کہ بذات خود اناجیل ہی تحقیق کے پیرائے میں کھرے نہیں اتر پاتے۔ اناجیل اربعہ کا جائزہ موقع کی مناسبت سے اگلے صفحات میں پیش کیا جائیگا۔ یہاں حضرت عیسیٰ کے حالات زندگی موجودہ اناجیل کی روشنی میں مرقوم کئے جاتے ہیں۔ انجیل مرقس کی روایت میں ہے کہ عیسیٰ مسیح نے حضرت یحییٰ سے بپتسمہ لینے کے بعد جنگل کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر چالیس روز تک رات و دن بغیر کچھ کھائے بیٹھے ریاضت میں مشغول رہے اس دوران شیطان نے ان سے مختلف قسم کی چالیں چلیں انہیں فتنے میں مبتلا کرنے کیلئے لیکن یہ ہر مرحلہ میں شیطان پر غالب رہے کبھی مغلوب نہ ہوئے[۳] اس واقعہ کو چاروں اناجیل نے حذف

۱۔ متی، ۲: ۱۳۔۱۸
۲۔ متی، ۲: ۱۹ تا ۲۴
۳۔ مرقس، ۱: ۱۲

واضافہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ البتہ بعض تضادات واختلافات بھی موجود ہیں۔ چالیس دنوں کی ریاضت کے بعد واپس فلسطین لوٹ کر انہوں نے اپنے دین کی دعوت کا آغاز کیا[۱] اس وقت ان کی عمر تیس ۳۰ سال تھی[۲]

دعوت کی خدمت حضرت مسیحؑ نے کتنے عرصے تک انجام دی اس سلسلے میں بھی اناجیل میں کوئی واضح رہنمائی نہیں ملتی۔ تاہم کم از کم ایک سال اور زیادہ سے زیادہ مدت تین سال تک کا تسلیم کیا گیا ہے[۳]

۱۔ لوقا،۴(۱۴)

۲۔ سید حیدر علی نقوی، ادیان عالم اور فرقہ ہائے اسلام کا تقابلی مطالعہ، ص: ۶۹

۳۔ مولانا نعمت اللہ، یسوع مسیح انجیل کے آئینہ میں، ص:۲۶

عہد نامۂ جدید اور ان کی اہمیت

خداوند قدوس کی جانب سے حضرت عیسیٰؑ کو جو کچھ الہام کیا گیا وہ مجموعی اعتبار سے ایک کتاب مقدس انجیل کے نام سے جانی جاتی ہے۔ قرآن کریم بھی اس کتاب مقدس کے منجانب اللہ ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔ متعدد جگہوں پر اس کا تذکرہ مختلف انداز سے کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو آیات کریمہ:

وقفينا على اثارهم بعيسى ابن مريم مصدقاً لما بين يديه من التوراة واتيناه الانجيل فيه هدى ونور، ومصدقاً لما بين يديه من التوراة وهدى وموعظة للمتقين [1]

[اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو اس حالت میں بھیجا کہ وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی تورات کی تصدیق فرماتے تھے، اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا اور اپنے سے قبل کی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرتی تھی، اور وہ (سراسر) ہدایت اور نصیحت تھی (خدا سے) ڈرنے والوں کے لئے]

إذ علمتک الكتاب والحكمة والتوراة والانجيل [2]

[اور جب کہ میں نے تم کو کتاب اور سمجھ کی باتیں اور تورات اور انجیل کی تعلیم کیں]

ایک جگہ فرمایا جاتا ہے:

وقفينا بعيسى ابين مريم واتيناه الانجيل [3]

[اور ان سب کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو مبعوث کیا اور اس کو انجیل عطا کی]

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

ويعلمه الكتاب والحكمة والتوراة والانجيل [4]

[اور اللہ اسے کتاب اور حکمت کی تعلیم دے گا، تورات اور انجیل کا علم سکھائے گا]

۱۔ مائدہ، ۴۶
۲۔ مائدہ، ۱۱۰
۳۔ الحدید، ۲۷
۴۔ آل عمران، ۴۸

ایک جگہ اور حضرت عیسیٰ کی زبانی اس کتاب الٰہی کے منزل من اللہ ہونے کی شہادت ہے:

قال انی عبد الله اتنی الکتاب و جعلنی نبیاً[۱]

[بچہ بول اٹھا میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی، اور نبی بنایا]

قرآن کریم جس کتاب مقدس کی تصدیق کر رہا ہے وہ موجودہ اناجیل نہیں ہیں۔ یہ تو ان کے شاگردوں یا پھر متبعین مسیح کی تصنیف شدہ ہیں۔ چونکہ حضرت عیسیٰ کو انجیل کی شکل میں جو کچھ الہام کیا گیا تھا وہ حضرت عیسیٰ کے رفع الی السماء کے بعد ترمیم و تحریف سے پاک نہ رہ سکیں۔ بہر حال جس طرح قرآن پاک کے ذریعہ مقدس انجیل کی تصدیق ہوتی ہے اسی طریقہ پر موجودہ انجیلوں سے بھی حضرت عیسیٰ کے انجیل کے منزل من اللہ ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔ مرقس کی روایت ملاحظہ فرمائیں:

پھر یوحنا کے پکڑوائے جانے کے بعد یسوع نے گلیل میں خدا کی خوشخبری (انجیل) کی منادی کی اور کہا کہ وقت پورا ہو گیا ہے اور خدا کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے، توبہ کرو اور خوشخبری (انجیل) پر ایمان لے آؤ[۲]

جو کوئی میری اور انجیل کی خاطر اپنی جان کھوئے گا وہ اسے بچائے گا[۳]

اس نے ان سے کہا کہ تم دنیا میں جا کر ساری مخلوق کے سامنے انجیل کی منادی کر دو[۴]

اور ضروری ہے کہ سب قوموں میں انجیل کی منادی کی جائے[۵]

اسی طرح بقیہ انجیلوں متی، لوقا اور یوحنا سے بھی منزل من اللہ انجیل کی تصدیق بخوبی ہوتی ہے۔ موجودہ اناجیل اربعہ کو عہد نامۂ جدید بھی کہا جاتا ہے۔ عہد نامہ جدید اور عہد نامہ قدیم یا عہد نامہ عتیق ان دونوں کا مجموعہ بائبل کہلاتا ہے۔ عہد نامہ عتیق میں حضرت موسیٰ کی کتاب تورات اور داؤدؑ کی زبور شامل ہیں اور عہد نامہ جدید میں اناجیل اربعہ یعنی انجیل متی، انجیل مرقس، انجیل لوقا اور انجیل یوحنا کے علاوہ سینٹ پال کے چودہ خطوط نیز حواریوں کے اعمال شامل ہیں۔ نیا عہد نامہ صرف عیسائیوں کے یہاں مقدس اور سچا سمجھا جاتا ہے جبکہ یہودی اسے غلط ٹھہراتے ہیں

۱۔ مریم، ۲۱
۲۔ مرقس، ۲(۱۵)
۳۔ مرقس، ۵(۱۶)
۴۔ مرقس، ۱۶
۵۔ مرقس، ۱۰(۱۳)

اور منزل من اللہ ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ یہ صرف اپنی کتاب عہد نامہ عتیق کو ہی درست اور خدائی کتاب تسلیم کرتے ہیں۔

عہد نامہ جدید کا مختصر جائزہ

حضرت عیسیٰ کے بارہ مخصوص شاگرد جو حواریوں کے نام سے بھی کافی مشہور ہیں۔ ان میں سے چار شاگردوں کی جانب یہ چاروں اناجیل منسوب ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ انجیل متی

یہ کتاب حضرت عیسیٰ کے شاگردوں میں سے متی نامی شخص کی جانب منسوب ہے۔ لیکن تاریخی حقائق اس بات کی شاہد ہیں کہ اس کا مصنف متی ہرگز نہیں ہے۔ حتی کہ اسے انجیل متی کا علم تک نہیں اس کا مصنف کوئی اور ہے جو گمنام ہے۔ البتہ متی حواری کی کتاب لوجیا تھی جو آج مفقود ہے۔ انجیل متی کی تصنیف کے سلسلے میں مسیحی علماء کی رائے ہے کہ ۷۰ء میں اور بعض کا خیال ہے کہ ۹۰ء میں لکھی گئی ہے[۱] اصل انجیل متی بھی مفقود ہے اس وقت صرف اس کا ترجمہ پایا جاتا ہے[۲]

۲۔ انجیل مرقس

یہ کتاب مرقس کی جانب منسوب ہے اور اسی کی تصنیف شدہ تسلیم کی جاتی ہے۔ حالانکہ اس کی ملاقات حضرت مسیح سے کبھی نہیں ہوئی، اگر چہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ کو صولی دیئے جاتے وقت تماشائی کی حیثیت سے اس جگہ یہ موجود تھا۔ لیکن اس کی موجودگی کا ثبوت بھی فراہم نہیں ہو پاتا۔ البتہ یہ شخص پطرس حواری کا شاگرد ضرور تھا اسلئے اپنے استاد پطرس سے یہ جو کچھ سنتا یا استفادہ کرتا اسے یونانی زبان میں قلمبند کرلیا کرتا تھا۔ اس طریقہ پر یہ کتاب ۶۳ء اور ۷۰ء کے دوران لکھی گئی ہے[۳]

۳۔ انجیل لوقا

یہ کتاب لوقا کی جانب منسوب ہے اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ لوقا کی ملاقات حضرت مسیح

۱۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، یہودیت ونصرانیت، ص ۳۹۲
۲۔ مولانا نعمت اللہ، عیسائیت کلیسا کی روشنی میں، ص: ۲۵
۳۔ یہودیت ونصرانیت، ص: ۳۹۳

سے کبھی نہ ہوئی حتی کہ اس نے انہیں دیکھا تک نہیں۔ البتہ یہ شخص سینٹ پولس کا مرید ضرور تھا۔ اکثر اوقات اسی کی صحبت میں رہتا تھا۔ اسلئے اس نے اپنی انجیل میں استاد سینٹ پول کے خیالات کی ترجمانی کی ہے۔ خود سینٹ پول نہ ہی حواری تھا اور نہ ہی اسے حضرت مسیحؑ کی صحبت نصیب ہوئی۔ مسیحی روایات کے بموجب اس شخص (سینٹ پول) نے حضرت مسیح کے صلیب دیئے جانے کے چھ سالوں بعد مسیحیت اختیار کی۔ اس سے قبل یہ شخص دین مسیحی کا مخالف ہی نہیں بلکہ اپنے وقت کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ اس کی تاریخ تصنیف میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے ۵۷ء، بعض نے ۷۴ء اور بعض نے ۸۰ء بیان کیا ہے[1]

۴۔ انجیل یوحنا

یہ کتاب بھی ایک مشہور حواری یوحنا کی جانب منسوب کی جاتی ہے۔ لیکن یہ سچ ہے کہ یہ یوحنا کی نہیں بلکہ کسی مجہول الاحوال شخص کی تصنیف ہے جس کا نام بھی اتفاقاً یوحنا ہی تھا۔ یہ مذکورہ تینوں انجیلوں کی بعد کی تصنیف شدہ ہے۔ اس کا زمانہ ۹۰ء یا ۱۱۰ء ہے[2]

چالیس کے قریب غیر مصدقہ اور جعلی انجیلوں کا پتہ چلتا ہے۔ اس وقت تمام کے تمام ضائع ہوچکی ہیں[3] موجودہ انجیلیں بھی انجیل مقدس کے الگ الگ حصے نہیں ہیں بلکہ ہر ایک اپنی جگہ مستقل کتاب ہے اور اپنے آپ کو انجیل مقدس محسوس کرتا ہے۔ حالانکہ ہر ایک کی روایت میں بکثرت اختلافات اور تضادات پائے جاتے ہیں۔ چاروں انجیلوں کے مصنفین کے خیالات اور تاثرات میں بھی نمایاں طور پر فرق نظر آتا ہے۔

چنانچہ متی انجیل بجا طور پر یہودی مخالف نظر آتی ہے اسی لئے یہ ان پر اتمام حجت جا بجا پیش کرتی ہے۔

مرقس انجیل کے مخاطب یقینی طور پر اہل روم ہیں اور یہ انہیں اسرائیلی تأثرات میں آگاہ کرتا ہے۔

لوقا انجیل پورے طور پر سینٹ پال کی ترجمانی کرتا ہے اور ساتھ ہی دوسرے حواریوں کے نظریہ کے خلاف اس (سینٹ پال) کے نظریہ کی تائید اور حمایت بھی کرتا ہے۔

یوحنا انجیل پہلی صدی عیسوی کے اواخر میں مسیحیت کے علم برداروں میں پھیلے ہوئے

۱۔ یہودیت ونصرانیت، ۳۹۳

۲۔ یہودیت ونصرانیت، ۳۹۴

۳۔ مولانا نعمت اللہ، انجیل اور تثلیث، ص: ۱۴

صوفیانہ اور فلسفایانہ تصورات سے متاثر نظر آتی ہے۔ اس طرح ان اناجیل اربعہ میں لفظی اختلافات کے بالمقابل معنوی اختلافات کہیں زیادہ پائے جاتے ہیں[۱]

مذکورہ انجیلوں میں خفت اور نقاہت اس بنا پر اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ یہ جس زبان میں لکھی گئی ہیں سب کے سب یونانی زبان میں ہیں، حالانکہ مسیحیت کے بانی حضرت عیسیٰ اور ان کے تمام شاگردوں کی زبان یونانی نہیں بلکہ سریانی تھی اور ظاہر سی بات ہے کہ تبدیلی زبان سے خیالات وتعبیرات میں اختلاف کا پیدا ہو جانا یقینی بات ہے۔ اسی طرح انہیں دوسری صدی عیسوی سے قبل تحریری شکل میں لانے کی کوشش نہیں کی گئی کیونکہ عام طور پر لوگوں کا یہ تصور تھا کہ تحریر کے بہ نسبت زبانی روایات زیادہ مفید اور مستند ہوتی ہیں۔ دوسری صدی گذرنے کے بعد لوگوں کی توجہ تحریر کی طرف مائل ہوئی اور چار سو سال کا ایک طویل عرصہ گذرنے پر ۳۹۷ء میں عہد نامہ جدید کا پہلا مستند متن قرطاجنہ کی کونسل میں منظور کیا گیا۔ چنانچہ اس کی وضاحت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اس کا سب سے قدیم ترین نسخہ جو اس وقت موجود ہے وہ چوتھی صدی عیسوی کے بعد کا ہے۔ دوسرا نسخہ پانچویں صدی کا ہے۔ اسی طرح ایک اور ناقص نسخہ بھی اسی دور سے منسلک ہے لیکن اسے عوام میں کوئی مقام حاصل نہیں ہوا۔ اسے قبولیت عام حاصل کرنے میں ایک طویل عرصہ لگ گیا یہاں تک کہ ساتویں صدی عیسوی کے خاتمے میں یہ آخری طور پر تشکیل پایا[۲] لہذا ایسی صورت میں اس کی صحت کا مستند رہنا ایک ناممکن سی بات ہے، قرآن کریم جو ایک جامع اور مستند کتاب ہے اسے حتمی طور پر غیر مستند تسلیم کرتے ہوئے بڑی واضح طریقے پر تحریفات کا پردہ چاک کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو اس کا بیان:

یاھل الکتاب قد جائکم رسولنا یبین لکم کثیراً مماکنتم تخفون من الکتاب ویعفوا عن کثیر[۳]

[اے اہل کتاب، ہمارا رسول تمہارے پاس آ گیا ہے جو کتاب الٰہی کی بہت سی ان باتوں کو تمہارے سامنے کھول رہا ہے جن پر تم پردہ ڈالا کرتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگذر بھی کر جاتا ہے]

۱۔ یہودیت ونصرانیت، ص: ۳۹۴
۲۔ انجیل اور تثلیث ص: ۲۲
۳۔ المائدہ: ۱۵

برناباس کی انجیل:

ان چاروں اناجیل کے علاوہ ایک اور انجیل برناباس کی ہے۔ اسے عیسائیوں نے غیر مستند قرار دیتے ہوئے عہد نامہ جدید میں شامل نہیں کیا ہے۔ مزید الزام بھی عائد کرتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کی تصنیف ہے۔ چونکہ موجودہ انجیلوں میں برناباس کی انجیل کی روایات حضرت مسیح کی تعلیمات اور قرآن حکیم کے نظریات واحکامات سے قریب تر اور مستند بھی نظر آتے ہیں۔ برناباس حضرت عیسیٰ کے مشہور حواری ہیں اور انہوں نے ہی اس انجیل کو مرتب کیا ہے۔ لہذا انہیں کی جانب منسوب ہونے کی وجہ سے یہ برناباس کی انجیل سے مشہور ہوگئی۔ جسٹس تقی عثمانی اسکی تحقیق کرتے ہوئے اپنی کتاب 'عیسائیت کیا ہے' میں لکھتے ہیں:

''آج سے تقریباً ڈھائی سو سال پہلے ایک کتاب دریافت ہوئی جو برناباس حواری کی طرف منسوب ہے۔ اس کتاب کی دریافت نے دنیا بھر میں ایک ہلچل پیدا کردی اس لئے کہ اس میں نہ صرف یہ کہ بے شمار باتیں ایسی موجود تھیں جن سے عیسائیت کا پورا ایوان منہدم ہوجاتا ہے بلکہ اس میں نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کا اسم گرامی بھی لکھا ہوا تھا''۔[1]

برناباس انجیل کی دو آیتیں مندرجہ ذیل ملاحظہ فرمائیں جس میں حضورؐ کی بشارت پیش کی گئی ہے:

میں اس لائق بھی نہیں ہوں کہ اس رسول اللہؐ کے جوتے یا نعلین کے تسمے کھولوں جس کو مسیا کہتے ہو، وہ جو کہ میرے پہلے پیدا کیا گیا اور میرے بعد آئے گا۔[2]

شاگردوں نے جواب میں کہا! اے معلم وہ کون آدمی ہوگا جس کی نسبت تو یہ کہہ رہا ہے اور جو کہ دنیا میں عنقریب آئے گا؟ یسوع نے دلی خوشی کے ساتھ جواب دیا بے شک وہ محمد رسول اللہؐ ہیں۔[3]

سینٹ پول کی سب سے پہلے حمایت اور تعارف برناباس ہی نے کرایا لیکن رفتہ رفتہ نظریاتی اختلافات نے شہرت اختیار کرلی تھی۔

۱۔ مولانا تقی عثمانی، پاکستانی، عیسائیت کیا ہے ص:۱۷۱
۲۔ انجیل برناباس، فصل ۴۴ (آیت: ۳۰)
۳۔ ایضاً ۸ (آیت: ۱۶۳)

حواریین

بارہ حواریین اور ان کے اسماء گرامی

۱۔ شمعون جو پطرس کہلاتا ہے اور سب سے پہلے حضرت عیسیٰ کی مسیحیت قبول کرنے والا ہے۔
۲۔ اندریاس، یہ پطرس کا بھائی ہے۔
۳۔ یعقوب۔
۴۔ یوحنا
۵۔ فلپس
۶۔ برتلمائی
۷۔ لوقا
۸۔ متی
۹۔ یعقوب، حلفی کا بیٹا
۱۰۔ تدی
۱۱۔ شمعون قنانی
۱۲۔ یہودا اور سکریوتی، جس نے حضرت مسیح کو گرفتار کرایا تھا،

سینٹ پال

اس نے عیسائی مذہب پر واقعتاً غیر معمولی اثر پیدا کیا۔ اس تحریک کو عروج بخشنے میں اس شخص کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس نے اپنے نظریات اور خیالات کو دخل دیکر اصل مسیحیت کی روح کو کلی طور پر ختم کر ڈالا۔ ابتداً یہ شخص رومی یہودی تھا۔ اس نے آغاز میں مسیحیت اور اس کے علم برداروں کو کافی نقصان پہنچایا حتیٰ کہ اسے صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالنے میں کوئی کسر باقی نہ رہنے دی۔

صلیب

ابھی مسیح کے آغاز تبلیغ کے تقریباً دو سے تین سال کا قلیل عرصہ ہی ہوا تھا کہ یہ اندوہناک واقعہ پیش آ گیا۔ ان کے بارہ حواریوں میں سے ایک یہوداہ تھا اس نے معمولی لالچ میں پڑ کر حضرت مسیحؑ کو گرفتار کرادیا[۱] ان کی گرفتاری اور عدالت میں پیشی کے منظر کو چاروں انجیلوں نے اختلاف کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ پر الزام یہ تھا کہ انہوں نے بیت المقدس کو ڈھا کر

۱۔ لوقا، ب:۲۶

صرف تین دنوں کے اندر از سرِ نو بنا دینے کا دعویٰ کیا ہے[۱] لہٰذا اسی بنیاد پر انہیں یہوداہ کے ذریعہ گرفتار کر کے حاکمِ پلاطیس کے حوالے کر دیا گیا۔ پھر پلاطیس نے دو گواہوں کی شہادت کی بنیاد پر انہیں سولی کا حکم دیدیا[۲]

حضرت مسیحؑ کے مصلوب ہونے کے سلسلے میں تین مکاتیب فکر پائے جاتے ہیں۔

(۱) یہودی مکتبۂ فکر (۲) عیسائی مکتبۂ فکر (۳) اسلامی مکتبۂ فکر)

ا۔ یہودی مکتبۂ فکر

ان کا نظریہ یہ ہے کہ ہم نے انہیں صولی دیدی وہ مر گئے اور ایک شخص کے مرنے کے بعد جو لوازمات اس میت کے لئے اختیار کی جاتی ہیں اس کے حقدار یہ بھی بنے یعنی اوروں کی طرح انہیں دفن کر دیا گیا پھر اسکے بعد کوئی امرِ تعجب واقعہ پیش نہیں آیا[۳]

عیسائی مکتبۂ فکر

ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح کی موت سولی کے ذریعہ ہوئی ہے۔ انتقال کے بعد انہیں دفن کر دیا گیا تین دنوں بعد وہ زندہ ہو گئے اور روحانی جسم اختیار کر کے اپنے شاگردوں کو چالیس دنوں تک تعلیم دی پھر آسمان کے طرف چلے گئے۔ ابھی خدا کے دائیں جانب بیٹھے ہیں۔[۴]

اناجیل اربعہ کے علاوہ چند صدی قبل کی دریافت شدہ برناباس کی انجیل نے بڑی صراحت اور وضاحت کے ساتھ یہ حقیقت بیان کی ہے کہ حضرت مسیح کو سولی نہیں دی گئی تھی۔ بلکہ ان کی جگہ یہوداہ اسکریوتی مصلوب ہوا تھا۔ حال ہی میں دریافت ہونے والی ایک اور انجیل ہے جو پطرس حواری کی طرف منسوب ہے اس میں بھی بڑے صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو سولی دینے سے کچھ ہی دیر پہلے آسمان پر اٹھالیا گیا تھا۔[۵]

اسلامی مکتبۂ فکر

اس کا عقیدہ ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک منزل من اللہ قرآن حکیم کا بیان پطرس اور برناباس کی انجیل سے قریب تر بلکہ یکسانیت رکھتا ہے۔ یہ یہودیوں اور عیسائیوں کے نظریات کی تردید کرتے

۱۔ متی، ب:۲٦
۲۔ متی، ب:۲۷
۳۔ دنیا کے بڑے مذاہب، ۲۹۷
۴۔ یوحنا، ب:۲۰
۵۔ عیسائیت کیا ہے، ۳۲

ہوئے زوردار لفظوں میں اعلان کرتا ہے کہ انہیں نہ تو سولی دی گئی اور نہ ہی قتل کیا گیا بلکہ انہیں میں کا ایک شخص کو حضرت مسیح کی شبیہ بنا دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ فرمائیں:

وقولهم انا قتلنا المسيح عيسىٰ ابن مريم رسول الله وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم وان الذين اختلفوا فيه لفي شک منه مالهم به من علم الا اتباع الظن وما قتلوه يقينا [۱]

[اور خود کہا کہ ہم نے مسیح، عیسی ابن مریم، رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے، حالانکہ فی الواقع انہوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا، اور جن لوگوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں ان کے پاس اس معاملہ میں کوئی علم نہیں ہے۔ محض گمان ہی کی پیروی ہے۔ یقیناً انہوں نے مسیح کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا ہے]

اس نظریہ کی تردید اور رفع الی السماء کی تائید سورہ آلِ عمران کی ایک اور آیت سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے:

إذقال الله يعيسى انى متوفيک ورافعک الى ومطهرک [۲]

[جب اس نے کہا کہ'' اے عیسیٰ اب میں تجھے واپس لے لونگا اور تجھ کو اپنی طرف اٹھالوں گا]

۱۔ النساء: ۱۵۵۔۱۵۸
۲۔ آل عمران: ۵۵

عیسائیت میں خدا کا تصور

بلاشبہ حضرت عیسیٰ کی تعلیمات اور احکام ونظریات سب کے سب عہد نامہ جدید میں مرقوم ہیں۔ لیکن تحریفات سے پاک نہ ہونے کی وجہ سے حتمی طور پر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ فی الحقیقت حضرت عیسیٰ کے نظریات واحکام اور ملفوظات وملاحظات کیا ہیں۔ جیسا کہ بلاشبہ حضرت عیسیٰ کے نظریات اور عقائد خداوند قدوس کے ذاتِ الٰہی اور ذاتِ واحد ہونے کے سلسلے میں ان کے ایک جلیل القدر پیغمبر ہونے کی وجہ سے خوب اچھی طرح عیاں ہیں۔ متعدد مقامات پر قرآن مجید حضرت عیسیٰ کے خداپرست بلکہ موحد ہونے کی شہادت فراہم کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ولما جاء عیسیٰ بالبینت قال قد جئتکم بالحکمة ولا بین لکم بعض الذی تختلفون فیه فاتقوالله واطیعون، ان الله هو ربی وربکم فاعبدوه هذا صراط مستقیم[۱]

[اور جب عیسیٰ صریح نشانیاں لئے ہوئے آیا تھا تو اس نے کہا تھا کہ ''میں تم لوگوں کے پاس حکمت لے کر آیا ہوں، اور اسلئے آیا ہوں کہ تم پر بعض ان باتوں کی حقیقت کھول دوں جن میں تم اختلاف کررہے ہو لہذا تم اللہ سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی پس تم اس کی بندگی کرو یہی سیدھی راہ ہے۔]

ایک جگہ قرآن حضرت عیسیٰ کے تصور خدا کو بے نقاب کرتا ہے:

وان الله ربی وربکم فاعبدوهُ هذاصراط مستقیم[۲]

اور عیسیٰ نے کہا تھا کہ [اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، پس تم اس کی بندگی کرو یہی سیدھی راہ ہے]

ایک جگہ حضرت عیسیٰؑ کی زبانی قرآن حضرت عیسیٰ کی حیثیت پر شاہد ہے:

قال انی عبد الله اٰتنی الکتاب وجعلنی نبیاً[۳]

[بچہ بول اٹھا میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا]

۱۔ الزخرف، ۶۳۔۶۴
۲۔ مریم، ۳۶
۳۔ ایضاً ۳۰

حضرت عیسیٰ کا عقیدہ خداوند عالم کے سلسلے میں دیگر انبیا کرام علیہ السلام کے عقیدے سے مختلف نہیں تھا۔ ان کی بعثت حضرت موسیٰ کے دین کی تجدید کی خاطر ہی ہوئی تھی۔ لہذا موجودہ اناجیل کی روشنی میں تصور خدا کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

عہدنامہ جدید میں خدا کی ذات سے متعلق ہر وہ کلمہ کہ جو حضرت مسیح کی طرف منسوب کیا گیا ہے ان میں تقریباً سبھی کلمے ایسے ہیں جو خدائی صفات کے ساتھ ساتھ ذاتِ واحد کے بھی غماز ہیں لہذا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذہبِ مسیحیت ایک خدا پرست مذہب ہے۔ مارس ریلٹن اس سلسلے میں رقمطراز ہے:

عیسائیت کا خدا کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وہ ایک زندہ جاوید وجود ہے، جو تمام امکانی صفات کمال کے ساتھ متصف ہے۔ اسے محسوس تو کیا جاسکتا ہے لیکن سمجھا نہیں جاسکتا۔ اس لئے اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ ذہن کی قوت سے ماوراء ہے۔ وہ فی نفسہ کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں۔ صرف وہی باتیں ہمیں معلوم ہوسکی ہیں جو خود اس نے بنی نوع انسان کو وحی کے ذریعہ بتائی ہیں[۱]

تثلیث

طائرانہ نظر ڈالنے پر عیسائیت میں تصور خدا کوئی دقیق وپیچیدہ معاملہ نظر نہیں آتا۔ ہاں دقت نظری کے ساتھ اور قدرے مبسوط بحث وتخیص کے بعد تصور خدا سے متعلق معاملہ کچھ الجھا نظر آتا ہے، بلکہ یہ ایک لاینحل مسئلہ بن کر سامنے آتا ہے۔ چونکہ یہ توحید فی التثلیث کے قائل ہیں۔ مثلاً عقیدہ تثلیث یعنی وحدت میں تین اور تین میں وحدت اور یہ ایک ایسا معمہ ہے کہ جس کا حل کافی وشافی آج تک سامنے نہ آسکا۔

۱۔ عیسائیت کیا ہے، ۱۱

توحید فی التثلیث

یعنی خدا ازل سے ہی تین اقانیم سے مرکب ہے باپ، بیٹا اور روح القدس۔ ڈاکٹر پوسٹ اپنی کتاب تاریخ الکتاب المقدس میں تحریر فرماتے ہیں:

طبیعة الله عبارة عن ثلاثة اقانیم متساویة:

الله الاب، والله الابن، والله روح القدس، فالی الاب ینتمی الخلق بواسطه الابن، والی الابن الغداء، والی الروح القدس التطهیر[1]

[خدا تین اقانیم سے عبارت ہے، جو ماہیت اور درجہ میں برابر ہیں]

اللہ باپ، اللہ بیٹا اور اللہ روح القدس۔ تخلیق کا سلسلہ بیٹے کے واسطے سے باپ تک پہنچتا ہے، اور بیٹے کی طرف فدیہ وکفارہ کا انتساب ہے اور روح القدس سے تطہیر وتزکیہ منسوب ہے۔

مسئلہ تثلیث کے سلسلے میں مسیحیت کا عقیدۂ متفقہ نوفل بن نعمت اللہ بن جرجیس النصرانی اپنی کتاب سوسنہ سلیمان میں تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

ان عقیدة النصاری التی لا تختلف بالنسبة لها لکنائس، وهی اهل الدستور الذی بینه المجمع الینقاوی هی الایمان باله واحدٍ، أب واحد، ضابطة الکل ،الخ[2]

[ایک خدا پر ایمان جو اکیلا باپ ہے، ہر چیز کا انتظام کرنے والا ہے زمین وآسمان، اور ہر چیز کا خالق ہے، جو نظر آرہی ہے اور جو نظر نہیں آرہی ہے، اور ایک رب پر ایمان جو یسوع ہے، اکلوتا بیٹا ہے، جو زمانے سے پہلے ہے، خدا کے نور سے پیدا ہوا، خدائے برحق سے پیدا شدہ برحق خدا ہے، مخلوق نہیں ہے۔ اور وہ جو ہر میں باپ کے برابر ہے، جس سے ہر شئی نکلی ہے۔ جو ہم انسانوں اور ہمارے گناہوں کے سبب آسمان سے اترا، روح القدس اور مریم سے جسم حاصل کیا، انسان بن کر پلاطیس گورنر کے زمانے میں ہماری طرف سے سولی پر چڑھا اور تکلیف اٹھائی۔ پھر قبر میں دفن ہو کر تیسرے دن مردوں میں سے جی اٹھا۔ کتابوں میں لکھے جانے کے مطابق آسمان پر چڑھ کر اپنے رب کے دائیں جانب بیٹھ گیا۔ پھر کمال بزرگی کے ساتھ واپس آئے گا۔ مردوں اور زندوں کا حساب وکتاب لے کر بدلہ دے گا، اس کی سلطنت کے لئے فنا نہیں، اور

۱۔ ڈاکٹر پوسٹ، التاریخ الکتاب المقدس، ۱۳۱
۲۔ نوفل بن نعمت اللہ بن جرجیس النصرانی، ص: ۱۲۰

اور آقا سمجھنے پر مجبور ہیں اسی طرح ہمیں کیتھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت کردی ہے کہ ہم ان کو تین آقا سمجھیں[1]

اسی عقیدہ تثلیث کے نظریئے کو مزید وضاحت کے ساتھ ایک مشہور عیسائی عالم اور فلاسفی سینٹ اگسٹائن اپنی مشہور کتاب On the trinity میں لکھتے ہیں:

عہد قدیم اور عہد جدید کے وہ تمام علماء جنہیں پڑھنے کا ہمیں اتفاق ہوا اور جنہوں نے مجھ سے پہلے تثلیث کے موضوع پر لکھا ہے وہ تمام مقدس صحیفوں کی روشنی میں اس نظریہ کی تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ باپ، بیٹا اور روح القدس مل کر 'خدائی وحدت' تیار کرتے ہیں جو اپنی ماہیت اور حقیقت کے اعتبار سے ایک اور ناقابل تقسیم ہے۔ اسی وجہ سے تین خدا نہیں ہیں بلکہ ایک خدا ہے۔ اگرچہ باپ نے بیٹے کو پیدا کیا۔ لہذا جو باپ ہے وہ بیٹا نہیں۔ اسی طرح بیٹا باپ سے پیدا ہوا ہے، اس لئے جو بیٹا ہے وہ باپ نہیں ہے، اور روح القدس بھی نہ باپ ہے اور نہ بیٹا، بلکہ باپ اور بیٹے کی روح ہے، جو دونوں کے ساتھ مساوی اور تثلیثی وحدت میں ان کی حصہ دار ہے۔ لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ تثلیثی وحدت ہی کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئی ہے۔ پنطیس پلاطس نے پھانسی دی، اسے دفن کیا گیا اور پھر یہ تیسرے دن زندہ ہو کر جنت میں چلی گئی، کیونکہ یہ واقعات تثلیثی وحدت کے ساتھ نہیں، صرف بیٹے کے ساتھ پیش آئے تھے۔ اسی طرح یہ بھی نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہی تثلیثی وحدت یسوع مسیح پر کبوتر کی شکل میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب اسے بپتسمہ دیا جارہا تھا بلکہ یہ واقعہ صرف روح القدس کا تھا۔ علی ہذا القیاس یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ جب یسوع مسیح کو بپتسمہ دیا جارہا تھا، یا جب وہ اپنے تین شاگردوں کے ساتھ پہاڑ پر کھڑا تھا، اس وقت تثلیثی وحدت نے اسے پکار کر کہا تھا کہ "تو میرا بیٹا ہے"۔ بلکہ یہ الفاظ صرف باپ کے تھے جو بیٹے کیلئے بولے گئے تھے۔ اگرچہ جس طرح باپ، بیٹا اور روح القدس ناقابل تقسیم ہیں، اسی طرح ناقابل تقسیم طریقہ پر وہ کام بھی کرتے ہیں۔ یہی میرا عقیدہ ہے اس لئے کہ یہ کیتھولک عقیدہ ہے[2]

تثلیثی وحدت

اقانیم ثلاثہ جن ذاتوں پر مشتمل ہے وہ اب، ابن اور روح القدس ہیں، مسیحیت ان تینوں

۱۔ برٹانیکا، ج:۲۲، ص:۴۸۳
۲۔ عیسائیت کیا ہے، ۱۴۰

سے کیا مراد لیتی ہے ملاحظہ فرمائیں:

۱۔اب:۔ مسیحی 'اب' (باپ) سے تنہا خدا کی ذات مراد لیتے ہیں جس میں اس کی صفت کلام اور صفت حیات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ خدا کی یہ ذات بیٹے کے وجود سے اصل کا درجہ رکھتی ہے۔

سینٹ تھامس ایکونیاس ایک مشہور عیسائی فلاسفر ہے یہ اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ باپ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نے کسی کو جنا ہے، اور کوئی ایسا وقت گذرا ہے کہ جس میں باپ موجود تھا اور بیٹا عدم میں تھا۔ بلکہ یہ ایک خدائی اصطلاح ہے جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ باپ بیٹے کیلئے اصل ہے۔ جس طرح ذات صفت کے لئے اصل ہوتی ہے۔ ورنہ جب سے باپ کا وجود ہے اسی وقت سے بیٹے کا بھی وجود ہے۔ اور ان دونوں یعنی باپ اور بیٹے میں سے کسی بھی ایک کو دوسرے پر تقدم زمانی حاصل نہیں ہے[1]

اس تشریح سے اس سوال کا پیدا ہونا یقینی ہے کہ خدا کی ذات کو جبراً باپ کیوں تسلیم کیا جائے۔ الفریڈری گاروے نے اس سوال کا جواب ان الفاظ میں دیا ہے:

اس سے حقائق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔ ایک تو اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ تمام مخلوق اپنے وجود میں خدا کے محتاج ہیں۔ جس طرح باپ کا محتاج بیٹا ہوا کرتا ہے۔ دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ خدا اپنے بندوں پر اس طرح شفیق اور مہربان ہے جس طرح باپ اپنے بیٹے پر مہربان ہوتا ہے[2]

۲۔ابن:۔ بیٹے سے مراد مسیحیت کے نزدیک صفت کلام ہے۔ لیکن یہ ہماری صفت کلام سے مختلف ہے۔ انسانوں کی صفت کلام اور خدا کی صفت کلام کے درمیان کیا امتیاز ہے، اسے ایکونیاس کی تحریر میں ملاحظہ فرمایئے:

فطرتِ انسانی میں صفت کلام کوئی جوہری وجود نہیں رکھتی۔ اسی وجہ سے اس کو انسان کا بیٹا یا مولود نہیں کہہ سکتے۔ لیکن عیسائیت میں صفت کلام ایک جوہر ہے جو خدا کی ماہیت میں اپنا وجود رکھتا ہے۔ اس لئے اس کو حقیقۃً نہ کہ مجازاً بیٹا کہا جاتا ہے اور اس کی اصل کا نام باپ ہے[3]

۱۔عیسائیت کیا ہے، ۱۴۰

۲۔انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھیکس، ج:۳ص: ۵۸۵

۳۔عیسائیت کیا ہے، ۱۶

مسیحی نظریئے کے مطابق باپ (خدا) کو تمام معلومات اسی صفت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں اور اسی صفت کے ذریعہ ہی تمام اشیاء بھی پیدا ہوتی ہیں۔ باپ ہی کی طرح یہ صفت بھی قدیم اور جاودانی ہے۔ خدا کی یہی وہ صفت کلام ہے جو عیسیٰ ابن مریم کی انسانی شخصیت میں حلول کرگئی تھی لہذا عیسی ابن مریم کے خدا کے بیٹا تصور کئے جانے کی یہی خاص اور ٹھوس وجہ ثابت ہوئی۔

۳۔ **روح القدس:** ۔ روح القدس سے مراد خدا کی صفت حیات اور محبت ہے۔ یہ صفت بھی کلام کی طرح جوہری وجود رکھتی ہے اور باپ، بیٹے کی طرح قدیم اور ازلی بھی ہے۔ یہ مولود ومصنوع مخلوق نہیں بلکہ ایک قول کے مطابق صرف باپ سے اس کا ظہور وانبثاق ہے۔
جب کہ جمہور کا نظریہ اس سے قدرے مختلف ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ باپ اور بیٹے دونوں سے اس کا انبثاق ہے[1]

توحید فی التثلیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ خدا تین اقانیم یا شخصیتوں پر مشتمل ہے۔ خدا کی ذات باپ کی حیثیت سے، خدا کی صفت کلام بیٹے کی حیثیت سے اور خدا کی صفت حیات ومحبت روح القدس کی حیثیت سے ہر ایک ان تینوں میں سے خدا ہے۔ لیکن یہ تینوں انفرادی اعتبار سے تین خدا نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہیں۔

قطعی طور پر یہ بات عقل سلیم قبول کرنے سے قاصر ہے کہ جب باپ بیٹا اور روح القدس میں سے ہر ایک خدا ہے تو انہیں صرف ایک ہی خدا تسلیم کرنا کیسے مناسب ہوگا یہ تو لازمی طور پر تین خدا ہوگئے۔ یہ ایک ایسا معمہ ہے کہ مسیحی مذہب میں آغاز ہی سے ایک چیستاں بنا ہوا ہے۔ ان کے جید علماء اور بڑے بڑے مفکرین نے مختلف انداز فکر سے اس مسئلے کو حل کرنے کی انتھک کوششیں کی ہیں۔ جس کی بنیاد پر آپسی اختلافات بڑھتے گئے اور روز بروز نئے نئے فرقے نمودار ہوتے رہے۔ لیکن وجود میں آنے والے فرقوں میں سے کوئی بھی اس معمہ کا معقول حل نہ نکال سکا۔ اس مسئلہ لاینحل کے نتیجہ خیز امر کے لئے جن فرقوں نے زور آزمائی کی ان کا دلچسپ حال پروفیسر مارس ریلٹن اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں:

جب اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ابیونی فرقہ کھڑا ہوا تو اس نے پہلے ہی قدم پر ہتھیار

۱۔ عیسائیت کلیسا کی روشنی میں، ج:۱ص:۷

ڈالڈ ئے اور کہا کہ حضرت مسیح کو خدا مان کر ہم عقیدہ توحید کو سلامت نہیں رکھ سکتے۔ اس لئے یہ کہنا پڑے گا کہ وہ (مسیح) پورے طور پر خدا نہیں تھے۔ انہیں خدا کا شبیہ کہا جا سکتا ہے۔ خدا کے اخلاق کا عکس قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اپنی حقیقت و ماہیت کے لحاظ سے ایسے ہی خدا تھے جیسے 'باپ'۔[1]

یہ ایک ایسا نظریہ ہے کہ جس سے مسیحی عقیدہ کی بنیاد پر اتنی زبردست ضرب پڑتی ہے کہ مسیحی عمارت زمین بوس ہوتی نظر آتی ہے۔ لہذا کلیسا کو یہ کب گوارہ ہوسکتا تھا۔ چنانچہ اس نے ابیونی فرقے کے اس نظریہ کی مخالفت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ جب انہیں کامیابی نہ ملی تو پورے فرقے کو ہی بدعتی اور ملحد کا سرٹیفکٹ دیکر عیسائیت سے خارج کر دیا۔ لہذا تثلیثی مسئلہ کے حل کی جو تھوڑی بہت گنجائش تھی اسے بھی کلیسا نے اپنے عقائد سے ٹکراؤ کی بنیاد پر پورے طور پر مسترد کر دیا۔

مارس ریلٹن ایک اور نظریہ بیان کرتے ہیں جو مذکورہ نظریہ سے کافی قریب نظر آتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی کلیسائی نظریہ کے دامن سے بھی وابستہ ہے۔ دونوں فرقوں میں سے کسی کو ناراض نہیں رکھنا چاہتا۔ حالانکہ یہ کوئی نیا فرقہ نہیں بلکہ ابیونی فرقے کے بعض مصلحت پسند لوگ ہیں۔ ان کا نظریہ ملاحظہ فرمائیں:

کلیسا کے ملحدانہ فتوی کے بعد ابیونی فرقے کے کچھ مصلحت پسند شخصیات آگے بڑھیں اور کہنے لگیں کہ دونوں نظریوں کے درمیان تطبیق کی شکل یہ ہے کہ مسیح کی خدائی سے اس طرح کھل کر انکار کیا جانا مناسب نہیں۔ مان لیا جائے کہ وہ خدا تھے۔ لیکن شرک کے الزام سے دامن کو رنگین ہونے سے بچانے کیلئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بالذات خدا تو صرف اور صرف 'باپ' ہے۔ لیکن تثلیث کے نظریہ کو بھی غلط نہیں کہا جا سکتا چونکہ یہ عقیدۂ مسلمہ ہے کہ باپ نے خدائی کی یہ صفت اپنے بیٹے (مسیح) اور روح القدس کو بھی بجا طور پر عطا کر دی تھی۔[1]

اس اعتدال پسندانہ نظریہ سے بھی کلیسا کے مخصوص نظرئے کو ٹھیس پہنچ رہی تھی۔ چونکہ کلیسا عیسی ابن مریم کو باپ کی طرح بالذات خدا تسلیم کرتا ہے اور اس معاملہ میں کسی بھی نظریہ سے مصالحت کیلئے تیار نہیں۔ مکمل طریقہ پر اپنے نظریہ سے اتفاق چاہتا ہے۔ لہذا یہ فرقہ بھی منافقانہ رویہ اختیار کرنے کے باوجود بھی اس کے عتاب کا (جو ملحدانہ فتوے کی شکل میں تھا) شکار ہو گیا اور

۱۔ عیسائیت کیا، ص: ۱۷

۱۔ عیسائیت کیا ہے، ۱۸

بات جہاں تھی وہیں رہی۔ مسئلہ کا کوئی حل نہ نکل سکا۔ اس کے علاوہ اور مزید فرقوں نے بھی اسے حل کرنے کی انتہائی جد وجہد کی لیکن کوئی بھی کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکا۔ مسیحیت کا سب سے بڑا علم بردار فرقہ رومن کیتھولک ہے۔ سارا باگ ڈور بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن اس فرقے نے اس پیچیدہ مسئلے سے عدم توجہی کا رویہ اپنایا۔ بلکہ ان کے بیشتر کبار علماء نے تو بے التفاتی برتتے ہوئے اس گتھی کو سلجھانے سے کھلے طور پر انکار کردیا اور کہا کہ یہ بات یقینی طور پر واضح ہے کہ تین کا ایک اور ایک کا تین ہونا ایک سربستہ راز ہے جسے سمجھنے کی بساط ہم میں قطعاً موجود نہیں ہے۔

عقیدہ تثلیث کا آغاز

آغاز مسیحیت میں تثلیث کا یہ عقیدہ قطعی طور پر مضمر تھا۔ حتی کہ ایک طویل عرصہ گذر جانے کے بعد بھی لوگوں نے اس مسئلے میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ بلکہ پورے طور پر اس سے آشنا بھی نہ ہوئے تھے۔ تیسری صدی عیسوی کے بعد چوتھی صدی کے آغاز میں لوگوں کے درمیان یہ دلچسپی کا باعث بنا اور معمولی مدت میں ہی اس میں اس قدر تیزی آئی کہ متعدد فرقوں میں متضاد نظریات قائم ہوئے۔ یہاں تک کہ وہ سب بلا دریغ ایک دوسرے کو کفر والحاد کے فتوے سے بھی نوازنے لگے۔ بالآخر ۳۲۵ء میں نیقیا کی کونسل میں اصل مسیحی مذہب کا ایک جزء لاینفک عقیدہ تثلیث کو قرار دیا گیا[۱]موجودہ اناجیل اربعہ متی، مرقس، لوقا، یوحنا، ان کے علاوہ برناباس وغیرہ کی انجیلیں بھی عقیدہ تثلیث سے مکمل طور پر منزہ، پاک اور عاری ہیں۔ کسی میں بھی اسکا تذکرہ کیا شائبہ تک نہیں ہے۔ لہذا بلا تأمل کہا جاسکتا ہے کہ اس کا اصل مسیحیت، کتاب مسیحیت اور احکام مسیحیت سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ بعد کے زمانے کی اختراع ہے۔

یسوع مسیح نے اپنی ذات کے سلسلے میں کبھی اس قسم کا دعوی نہیں کیا کہ وہ خدا ہیں۔ اناجیل اربعہ بھی اس طرح کے دعوں سے بالکلیہ خالی ہیں۔ البتہ یوحنا کی انجیل باب آیت ۱۴ سے تھوڑا شبہ ہوتا ہے لیکن وہ بھی خدا ہونے کا نہیں بلکہ بیٹا ہونے کا۔ لیکن اس کی عبارت پر غور کیا جائے تو یقینی طور پر یہ واضح ہوجاتا ہے کہ یہ الفاظ حضرت مسیح کے نہیں ہیں بلکہ مرتب انجیل کے ہیں۔ اسی طرح انجیلیں یہ شہادت پیش کرنے سے بھی قاصر ہیں کہ ان کے رسول اور حواریین حضرت مسیح کو

۱۔ یہودیت ونصرانیت، ص: ۳۸۷

خدا کا بیٹا یا خدا تصور کرتے تھے۔

حضرت مسیح نے عقیدہ تثلیث کی نہ ہی تبلیغ کی اور نہ ہی عرصۂ تبلیغ میں بلکہ عرصہ حیات میں کبھی ایسا جملہ استعمال کیا جس کے بارے میں اسکا شبہ ہوتا ہو۔ اناجیل اربعہ کے علاوہ مسیحی علماء کا بھی اعتراف ہے کہ انہوں نے نہ ہی اپنے آپ کو خدا کہا اور نہ ہی تثلیث کی دعوت دی۔ پادری فنڈر نے اپنی کتاب مفتاح الاسرار میں اس موضوع پر بڑی تفصیلی تحریر مکالماتی انداز میں بیان کی ہے، یہاں صرف خلاصہ بحث پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے:

وإن قلت: لم يبين المسيح ألوهيه ببيان اوضح مما ذكر أى أنا الله لا غير الخ[1]

[اگر تم اعتراض کرو، کہ حضرت مسیح نے اپنے خدا ہونے کو واضح طور پر کیوں نہیں بیان کیا]

پادری فنڈر نے پہلے یہ سوال کیا پھر اس کا جواب بڑے طویل اور تفصیل سے دیا جو نقائص سے پر ہے اور جہاں تاویلات کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ مقصود یہاں پر صرف پادری فنڈر کا سوال ہے کہ حضرت مسیح نے اپنے کو خدا تصور کیا یا غیر خدا، ان کی ذات خدا کی ذات سے وابستہ تھی یا عاری تھی۔

یقینی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عیسی خدا نہیں تھے بلکہ بندۂ خدا تھے، نبی تھے، برحق تھے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ موحد بھی تھے۔ چونکہ خالق کائنات کے ذات واحد ہونے کے سلسلے میں ان کے صریح اقوال اناجیل میں موجود ہیں کہ 'خدا' بس ایک خدا ہے اس کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں اور توحید ہی اصل دین ہے،[2] قرآن مجید میں بھی حضرت عیسی کے وحدہ لاشریک ہونے کے عقیدہ کو اس انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ عقیدہ تثلیث کا قلع قمع ہوجاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ فرمایئے:

إذ قال الله يعيسى ابن مريم أانت قلت للناس إتخذونى وأمى الهين من دون الله الخ[3]

[اللہ فرمائے گا 'اے عیسی ابن مریم! کیا تو نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور

۱۔ خلیل الرحمٰن، اظہار الحق، ج ۳ ص: ۷۲۱
۲۔ مولانا نعمت اللہ، انجیلیں اور تثلیث، ص: ۴
۳۔ المائدہ۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷

میری ماں کو خدا بنالو؟ تو وہ جواب میں عرض کرے گا کہ 'سبحان اللہ'! میرا یہ کام نہ تھا کہ وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق نہ تھا، اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو آپ کو ضرور علم ہوتا۔ آپ جانتے ہیں جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ آپ کے دل میں ہے۔ آپ تو ساری پوشیدہ حقیقتوں کے عالم ہیں۔ میں نے ان سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا آپ نے حکم دیا تھا اور وہ یہ کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی میں اسی وقت تک ان کا نگراں تھا جب تک کہ میں ان کے درمیان تھا، جب آپ نے مجھے واپس بلالیا تو آپ ان پر نگراں تھے اور آپ تو ساری ہی چیزوں پر نگراں ہیں]

روح القدس

روح القدس کو بھی خدا تصور کر کے عقیدہ تثلیث میں شامل کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ موجودہ اناجیل اور زمانہ قریب کے دریافت شدہ انجیلوں میں ان کے خدا ہونے یا صفاتِ خدا ہونے ،اسی طرح حیات خدا یا محبت خدا کے سلسلے میں کوئی تصور نہیں ملتا۔ اس میں شبہ نہیں کہ زمانے کی تحریفات مسیحیت نے انہیں یہ مرتبہ عظمی دیکر عقیدۂ تثلیث میں شامل کر دیا۔

☆☆☆

باب پنجم

اسلام میں خدا کا تصور

اسلام

صفحہ

اسلام، ایک اجمالی جائزہ

اسلام ایک ایسا نظام حیات ہے جسے بارگاہ ایزدی میں شرف قبولیت حاصل ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إن الدين عند الله الاسلام[1]

[اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے]

دنیا کے ترقی یافتہ اور بڑے مذاہب میں کم سے کم عرصہ میں جس نظریۂ حیات نے عالمی پیمانہ پر حیرت انگیز طور پر ترقی کی وہ مذہب اسلام ہے۔ اسے دوسرے تمام افکار و مذاہب میں کئی اعتبار سے نمایاں اور ممتاز مقام حاصل ہے۔ اس دین کے آغاز کی تاریخ دیگر مذاہب کی طرح مشکوک ،مشتبہ اور تشنۂ توضیح نہیں ہے، بلکہ روشن، واضح اور حقائق و معارف سے پر مبنی ہے۔ اس کا ظہور تقریباً چودہ سو سال قبل دس اگست ۶۱۰ء میں شہر مکہ مکرمہ میں ہوا[2] ظہور اسلام سے قبل عرب کی حالت کافی ابتر تھی۔ شرک اور بت پرستی کا بول بالا تھا، انسانیت نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ ظلم وزیاتی اور بد دیانتی کا چرچہ ہر طرف عام تھا۔ جرم کو جرم اور گناہ کو گناہ سمجھنے کا احساس تک لوگوں کے دلوں سے نکل چکا تھا۔ لہذا مالک الملک نے اپنے دستور کے مطابق ہمیشہ ایسے وقت میں بنی آدم کی اصلاح اور رشد و ہدایت کے لئے ہر خطہ ارض اور ہر موقعہ میں ہادی و رہبر بھیجے جو اسلام کے ہی علمبردار تھے اور ان سب کو اسی دین اسلام کی اقامت کی تلقین کی گئی[3] جب ماقبل انبیاء کی تعلیمات طاق نسیاں پر رکھ دی گئیں کفر و شرک، اور جہالت وسفاکیت اور ظلم و بربریت کا دور دورہ ہوا تو پھر رحمت خداوندی اپنی سنت سابقہ کے مطابق جوش میں آئی پھر پروردگار عالم نے اپنا آخری اور سب سے زیادہ چہیتے پیغمبر کو ہادی برحق بنا کر پوری نسل انسانی کو ضلالت و گمراہی کے عمیق قعر سے نکال کر ہدایت کی روشنی سے فیضیاب کرنے کے لئے عرب کی سرزمین مکہ مکرمہ میں مبعوث فرمایا۔

۱۔ آل عمران۔۱۹
۲۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری ،الرحیق المختوم، ص: ۱۲۰
۳۔ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا (الشوریٰ:۱۳) (یہ کہ قائم رکھو دین کو یعنی توحید کو اور مت متفرق ہو)

حضرت محمد ﷺ کا دین کوئی نیا دین نہیں تھا بلکہ یہ دین حقیقت ''دین ابراہیمی'' تھا، قرآن حکیم میں بھی اس دین کے بارے میں کہا گیا کہ یہ دین ایسا نہیں کہ صرف آپؐ (حضرت محمدؐ) کو ہی عطا کیا جا رہا ہے بلکہ آپؐ سے پہلے اور جو بھی رسول تشریف لائے تھے انہیں بھی یہی دین حنیف سپرد کیا گیا تھا (اور وہ تمام اسی کی پیروی بھی کرتے رہے) ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ فرمائیے:

قولوا امنا بالله وما انزل الينا وما انزل الى ابراهيم واسماعيل واسحق، لا نفرق بين احد منهم ونحن له مسلمون[۱]

[مسلمانوں! کہو: ''ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس ہدایت پر، جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاق .... ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے مسلم ہیں'']

خدا کی جانب سے مبعوث ہونے والے ہر نبی و رسول نے اپنی دعوت کا آغاز کلمہ **لا اله الا الله** کے ذریعہ کیا حتی کہ آخری رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھی احکام خداوندی کے مطابق اپنی دعوت کا آغاز فاراں کی چوٹی سے اسی مبارک کلمہ **لا اله الا الله** محمد رسول اللہ کے ذریعہ کیا۔ امام ابن ابی العز شرح العقیدۃ الطحاویۃ میں لکھتے ہیں:

هذه كلمة التوحيد التي دعت اليها الرسل كلهم[۲]

[یہ (لا الہ) توحیدی کلمہ ہے جس کی طرف تمام رسولوں نے دعوت دی ہے]

آگے مزید فرماتے ہیں:

اعلم ان التوحيد اول دعوة الرسول واول منازل الطريق واول مقام يقوم فيه السالک ای الله عز وجل قال: لقد ارسلنا نوحا الى قومه فقال يقوم اعبدو الله مالكم من اله غيره[۳]

[تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ رسولوں کی اولین دعوت ''توحید'' تھی، اس راہ کی یہ پہلی منزل ہے اور پہلا مقام بھی جس سے سالک اپنے سفر کا آغاز کرتا ہے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں ہے]

حضرت محمد ﷺ کا شجرۂ نسب بھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے جا ملتا ہے۔ چونکہ آپؐ حضرت ابراہیم کے دو صاحبزادے حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق میں سے بڑے صاحبزادے

۱۔ البقرہ، ۱۳۶
۲۔ امام ابن ابی العز، شرح العقیدۃ الطحاویہ ص: ۱۱۱
۳۔ شرح العقیدۃ الطحاویہ ص: ۷۴

ذبیح اسماعیل کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ دینِ براہیمی بھی کوئی نیا دین نہیں تھا، بلکہ یہ دین حنیف ان سے بڑے اور ماقبل کے انبیاء کرام حتی کہ نسلِ انسانی کی بنیاد اور اَبُ حضرت آدم کے دین کو جاملتا ہے۔ حضرت آدم بجا طور پر یہودی، عیسائی اور اسلامی شریعت کے مطابق خلیفۃ اللہ بلافصل تھے اور وہ احکام الٰہیہ جو منزل من اللہ تھے ان کے متبع تھے۔ لہٰذا دین اسلام کا بانی نہ ہی حضرت محمدؐ ہیں اور نہ ہی کوئی رسول وپیغمبر حتی کہ دین الٰہی کے سب سے اول مخاطب حضرت آدم بھی نہیں بلکہ خود وہ ذاتِ الٰہی جس نے دین کی نعمت عظمیٰ سے حضرت آدم اور بعد کے تمام پیغمبروں کو مالا مال کیا یہی دین اس کی بارگاہ میں محبوب اور پسندیدہ ہے جس کے مکلّف تمام کائنات انسانی از اول تا آخر ہیں۔ کسی فرد کو اس سے سرتابی کی اجازت نہیں۔ قرآن حکیم میں واضح طور پر اعلان کردیا گیا ہے:

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلَنْ یُّقْبَلَ منه وهو فی الأخرة من الخاسرین[۱]

[اس فرماں برداری (اسلام) کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے تو اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ نامراد رہے گا]

رسول اکرم ﷺ کے کاندھوں پر اس دین کی اشاعت واقامت کا بار اس وقت ڈالا گیا جب آپؐ کی عمر چالیس سال کی ہوچکی تھی۔ آپ ﷺ کا خاندان بلکہ پوری کی پوری قوم اور اہل مکہ سب کے سب بت پرست تھے۔ معبودوں کی کوئی تعداد متعین نہ تھی۔ عرب قوم شجر وحجر کے علاوہ چاند، سورج اور ستاروں کی بھی پرستش کرتی تھی۔ بسا اوقات اپنے معبودوں کو خوش کرنے کیلئے انسانوں تک کی قربانیاں پیش کی جاتی تھیں۔ ان کے دیوتاؤں میں سورج کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ اس کی طرف اپنے ناموں کی اضافت بھی لوگ کیا کرتے تھے۔ جیسے عبدشمس، عبدالشارق، عبدمحرق وغیرہ۔ اس کے علاوہ ستاروں پر بھی نام رکھنا باعث فضیلت تصور کرتے تھے جیسے عبدالثریا اور عبدنجم وغیرہ[۲] ان کے دیوی دیوتاؤں میں سے بعض کے نام قرآن پاک میں ذکر کئے گئے ہیں، مثلاً ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر[۳] "ود" اس بت کی صورت مرد کی شکل کی ہوتی تھی۔ "سواع" اس کی شکل عورت کی تھی، اور اس سے فسق وفجور کے جذبات وابستہ تھے۔ "یغوث" اس کی شکل مثل شیر کی تھی۔ "یعوق" گھوڑے

۱۔ آل عمران: ۸۵
۲۔ نگار، خدا نمبر ص: ۱۱۳
۳۔ النوح، ص: ۲۳

کی شکل کی اور "نسر" بعینہ گدھ تھا۔ بعض لوگوں کو اشتباہ ہوتا ہے کہ یہ قوم نوح کے معبود تھے لیکن علماء مغرب انہیں اہل عرب کے بت تصور کرتے ہیں[۱] البتہ ان کے بڑے اور اہم بتوں میں تین کو قبول عام حاصل ہے، اللّت، العزی المناۃ[۲]

آپ ﷺ بچپن سے ہی معبود ان باطل کی پرستش اور دیگر تمام خرافات سے محفوظ رہے۔ ویسے تو شروع سے ہی سنجیدہ اور بہت کم گو تھے۔ قبل از نبوت آپ تنہائی پسند کرنے لگے۔ اور آبادی سے دور مکہ مکرمہ سے تقریباً ساڑھے تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ جبل نور کی چوٹی پر ایک غار ہے جس کا نام ہے غار حرا وہاں آپ تشریف لے جاتے اور خدا کی عبادت میں مشغول رہتے۔ عبادت کا طریقہ کیا تھا اس کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ ہاں اس سے انکار نہیں کہ آپؑ ذاتِ الٰہی، رب الکائنات کی حمد وثنا اور اس کی صفات پر غور وفکر کیا کرتے تھے۔ نیز پراگندہ ماحول اور لوگوں کے دن بدن اخلاق وکردار کی گراوٹ کی وجہ سے اصلاح کی خاطر منزل مقصود کی تلاش وجستجو میں ہمہ وقت منہمک ومتفکر رہتے تھے۔ غار حرا میں خدا کی عبادت وریاضت کرتے ہوئے کئی کئی دن گذار دیتے تھے۔ کھانا وغیرہ ختم ہوجانے پر واپس گھر تشریف لاتے اور ان کی نیک صالحہ بیوی حضرت خدیجہؓ کئی دنوں کے کھانے تیار کردیتیں اور آپؑ انہیں لے کر پھر غار حرا میں چلے جاتے۔ آخری ایام ماہِ رمضان المبارک کے چل رہے تھے کہ اچانک اسی دین حنیف کا آغاز قرآن پاک کے تیسویں پارہ کی سورۃ العلق کی اول پانچ آیتوں سے بذریعہ وحی ہوا۔ خدانے اپنی یہ نعمت عظمیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے معرفت رسول اللہ ﷺ کو بخشی اور اسے تمام عالم انسانیت کے لئے عام کردیا۔

☆☆☆

۱۔ نگار، خدا نمبر، ص: ۱۱۳
۲۔ النجم، ص: ۱۹۔۲۰

قرآن وسنت کی روشنی میں خدا کا تصور

عام طور پر عالمِ انسانیت دوطبقوں میں ہمیشہ سے ہی منقسم رہا ہے۔ ایک بڑا طبقہ شرک کے لبادہ میں ملبوس اور دوسرا قلتِ تعداد کے ساتھ جادۂ توحید پر گامزن۔ غلبہ اکثریت کے اعتبار سے ہمیشہ سے مشرکوں کا رہا۔اور یہی وروِدانبیاء کرام کی علت بھی بنتے رہے۔

نزولِ قرآن یا بعثت محمدیؐ سے قبل بھی یہ دونوں فرقے شیر وشکر ہوگئے۔ یہاں تک کہ الہامی اور غیر الہامی مذاہب میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا۔ ہر ایک کا دامن شرک سے آلودہ ہوگیا۔ لہٰذا انہیں ان کا بھولا ہوا توحید کا وہ سبق پڑھانے کے لئے آخری نبی ﷺ تاجدار مدینہ کی بعثت عمل میں آئی جسے آپ ﷺ سے پہلے آنے والے تقریباً ہر ایک نبی نے پڑھایا تھا اور وہ سبق لا اله الا الله کا تھا۔ یہ توحیدی کلمہ ہے اس میں بڑے صاف لفظوں میں گمراہ قوموں کو تعلیم دی گئی ہے کہ اس کائنات میں اللہ کی ذات کے سوا کوئی اور ایسا وجود نہیں کہ جس کے سامنے انسان سجدہ ریز ہو۔ اسے معبود، خالق اور حاکم قرار دے۔ عبادت و پرستش کے لائق واحد اللہ کی ذات ہے۔ قرآن کریم میں زور استدلال کے ساتھ اللہ کی وحدانیت، عظمت، قوت وطاقت اور اقتدار کو متعدد طریقوں سے متعدد آیتوں کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے۔ اور تعداد الٰہ کے مشرکانہ تخیلات کا ابطال بھی ایسے ٹھوس اور مضبوط دلائل کے ذریعہ کیا گیا ہے کہ تعصب اور جانبداری سے پرے ہوکر دیکھنے والے ذہن ودماغ قائل ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں اللہ رب العزت کی شان وعظمت اور اس کے غالب ومقتدر ہونے کی تصویرکشی کی جاتی ہے:

قل ارئیتم ان اخذ الله سمعکم وابصارکم وختم علی قلوبکم من اله غیر الله یاتیکم به[1]

(کہو، تم نے کبھی سوچا کہ اگر اللہ تمہاری قوت، سماعت اور بصارت کو سلب کرلے اور تمہارے دلوں پر مہر لگادے (عقل چھین لے) تو اللہ کے سوا کون الٰہ ایسا ہے جو تمہیں یہ قوت واپس لادے گا؟)

۱۔ الانعام، ۴۶

ایک دوسری جگہ استدلال کے ساتھ صرف اور صرف اسی کے غالب ومقتدر ہونے کی دعوت غور وفکر دی جاتی ہے:

قل ارئیتم ان جعل الله علیکم اللیل سرمداً الی یوم القیمة من اله غیر الله یأتیکم بضیاء افلا تسمعون قل ارئیتم ان جعل الله علیکم النهار سرمداً الی یوم القیمة من الة غیر الله یاتیکم بلیل تسکون فیه افلا تبصرون[۱]

(اے نبی ان سے کہو، کیا تم لوگوں نے کبھی غور کیا ہے کہ اگر اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ رات ہی رہنے دے تو اللہ کے سوا کون الٰہ ہے جو تمہیں روشنی لاکر دے۔ کیا تم (اس معقول بات کو بھی) سنتے نہیں؟ ان سے کہو، کیا کبھی تم نے غور کیا ہے کہ اگر اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ دن ہی رہنے دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں رات لاکر دے جس میں تم آرام پاؤ۔ کیا تم دیکھتے نہیں؟)

اقتدار کا اختصاص ذاتِ باری کے ساتھ کرتے ہوئے امام رازی نے اپنی کتاب تفسیر کبیر میں قرآن پاک کی آیت کا ایک ٹکڑا و له الملک[۲] کی وضاحت منطقی بحث کے ذریعہ کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ له الملک سے حصر کا فائدہ ہوتا ہے یعنی اقتدار صرف اسی کو حاصل ہے۔ دوسرا اس سے محروم ہے اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ اقتدار کا مالک صرف اللہ ہی کی ذات ہے تو یہ کہنا لازم ہے کہ لا اله الا هو۔ کیونکہ واقعی اگر کوئی غیر الٰہ ہوتا تو اس کی دو صورتیں ہوتیں یا تو وہ صاحب اقتدار ہوتا یا اقتدار سے محروم ہوتا۔ اگر وہ صاحب اقتدار ہوتا تو مختلف قسم کے اقتدارات میں ٹکراؤ کا ہونا لازمی تھا، جیسا کہ قرآن حکیم تشت از بام کرتا ہے **"لو کان فیهما الهة الا اله لفسدتا"**[۳]

(اللہ کے علاوہ کوئی اور بھی خدا ہوتا تو ان دونوں میں ضرور فساد ہوجاتا)

اور یہ بالکل صداقت پر مبنی ہے۔ اگر ایک سے زائد ہستیاں اقتدار کی مالک ہوتیں تو کائنات کے نظم وانصرام میں عدل وتوافق کے بجائے فساد وٹکراؤ کے مشاہدے ہوتے رہتے۔ لیکن عینی مشاہدہ اس کے بالکل برعکس ہے اور اللہ رب العزت کا فرمان اس سلسلے میں واضح

۱۔ القصص، ۷۱۔۷۲
۲۔ التغابن، ۱
۳۔ الانبیاء، ۲۲

حقیقت اور مستند کسوٹی فراہم کرتا ہے۔

اگر دوسرا الٰہ کسی بھی قسم کے اقتدار کا مالک نہ ہو تو وہ یقینی طور پر ناقص ہے اور اس نقص کی حالت میں اس کو الٰہ تصور کرنا قطعاً درست نہ ہوگا۔ دلیل سے جب یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ کی ذات کے علاوہ کوئی ذی اقتدار نہیں تو بجا طور یہ کہنا واجب ہو جائے گا کہ ساری کائنات کا اور عالم مخلوقات کا ایک ہی الٰہ اور معبود ہے۔[۱]

سید ابو الاعلیٰ مودودی نے بھی اقتدار اور الوہیت کے التزام کے اختصاص میں اپنی کتاب 'قرآن مجید کی چار بنیادی اصطلاحیں' میں تحریر فرماتے ہیں:

''اقتدار اور الوہیت لازم وملزوم ہیں اور اپنی روح اور معنی کے اعتبار سے دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ جو اقتدار نہیں رکھتا ہو الٰہ نہیں ہوسکتا اور اسے الٰہ نہیں ہونا چاہئے اور جو اقتدار رکھتا ہے وہی الٰہ ہوسکتا ہے اور اسی کو الٰہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ الٰہ سے تمہاری جس قدر ضروریات متعلق ہیں یا جن ضروریات کی خاطر تمہیں کسی کو الٰہ ماننے کی حاجت پیش آتی ہے ان میں سے کوئی ضرورت بھی اقتدار کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا غیر مقتدر کا الٰہ ہونا بے معنی اور حقیقت کے خلاف ہے اور اسکی طرف رجوع کرنا لا حاصل ہے''۔[۲]

خداوند قدوس تعدد الٰہ کے نظریہ کے ابطال کے لئے اپنی کتاب عزیز میں عقلی دلائل پیش کرتے ہوئے مشرکین سے یہ سوال کرتا ہے کہ تعدد الٰہ کے لئے تعدد خالق ہونا مستلزم ہے حالانکہ یہ تمہارے نظریات اور قول کے خلاف ہے۔ چونکہ اس مسئلہ میں تمہارا اعتقاد کامل ہے کہ کائنات کا خالق ذاتِ واحد ہے (مشرکین کا یہ عقیدہ ادوار ماضیہ میں بھی تھا اور آج بھی وہ اسی پر قائم ہیں) تو پھر متعدد الٰہ کا نظریہ کہاں سے پیدا ہو گیا۔ کیونکہ خالقیت کی صفت سے الٰہ کا متصف ہونا ضروری ہی نہیں بلکہ مستلزم ہے۔ الٰہ وہی ہے جو خالق بھی ہے اور جو خالق نہیں وہ الٰہ بھی نہیں۔ اسی لئے ذات واحد کے علاوہ کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہوسکتا۔ اس حقیقت کو قرآن کریم میں مختلف مقامات پر ذکر کیا گیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ امام رازی، تفسیر کبیر، ص: ۲۴۵۔۲۴۶

۲۔ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی، قرآن مجید کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص: ۲۳

الذی له ملک السموت والارض ولم یتخذ ولداً ولم یکن له شریک فی الملک وخلق کل شئی فقدره تقدیراً واتخذوا من دونه اله لا یخلقون شیئاً وهم یخلقون ولا یملکون لا نفسهم ضراً ولا نفعاً ولا یملکون موتاً ولا حیوٰة ولا نشوراً[1]

[وہ جو اسمانوں اور زمین کی حکومت کا مالک ہے اور جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور اقتدار وحکومت میں جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر سب کا الگ الگ پیمانہ رکھا (لیکن اس کے باوجود) لوگوں (مشرکین) نے اسے چھوڑ کر ایسے الہ بنالئے جو کسی چیز کے خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہیں اور خود اپنی ذات کے لئے بھی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتے اور جن کو موت وزندگی اور (روز قیامت) دوبارہ جلانے پر کوئی قدرت حاصل نہیں ہے]

دوسری جگہ ارشاد ہے:

ان الذین تدعون من دون الله لن یخلقوا ذباباً ولو اجتمعوا له[2]

[تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کو پکارتے ہو (ان کی ناطاقتی کا حال یہ ہے کہ) وہ ایک (ادنی) مکھی بھی پیدا نہیں کرسکتے، گو سب اس کے لئے اکھٹے ہوجائیں۔]

مزید ملاحظہ فرمائیے:

خلق السموٰت والارض بالحق یکور اللیل علی النهار ویکور النهار علی اللیل وسخر الشمس والقمر کل یجری لا جل مسمی الا هو العزیز الغفار، خلقکم من نفس واحدة ثم جعل منها زوجها وانزل لکم من الانعام ثمنیة ازواج یخلقکم فی بطون امهتکم خلقا من بعد خلق فی ظلمات ثلٰث ذالکم الله ربکم له الملک لا اله الا هو فانی تصرفون[3]

[اس نے آسمانوں اور زمین کو بامقصد پیدا کیا، وہ رات کو دن پر اوردن کو رات پر لپیٹتا ہے، (گردش لیل ونہار کا نظام قائم کیا) اس نے سورج اور چاند کو (ایک قانون کے تحت)

۱۔ الفرقان، ۲۔۳

۲۔ الحج، ۷۳

۳۔ الزمر، ۵۔۶

مسخر کر رکھا ہے۔ ہر ایک وقت مقررہ تک گردش کرتا رہے گا۔ سن لو وہ اللہ زبردست طاقت والا ہے اور بڑا بخشنے والا بھی ہے۔ اس نے تم لوگوں کو ایک جان سے پیدا کیا پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا اور تمہارے (نفع کے) لئے آٹھ نر و مادہ چوپایوں کو پیدا کئے۔ وہ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تین تاریک پردوں کے اندر مختلف مدارج تخلیق گزار کر بناتا ہے۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے۔ سلطنت اسی کی ہے۔ اس کے سوا تمہارا کوئی الہ نہیں ہے۔ تم کہاں پھرے جارہے ہو؟]

سورۂ نمل میں اس کائناتی حقیقت پر اور بھی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے:

امن خلق السموت والارض وانزل لكم من السماء ماء فأنبتنا به حدائق ذات بهجة ماكان لكم ان تبنتوا شجرهاء اله مع الله بل هم قوم يعدلون امن جعل الارض قراراً وجعل خللها انهراً وجعل لها رواسی وجعل بين البحرين حاجزا ء اله مع الله بل اكثرهم لا يعلمون امن يجيب المضطر اذا دعاه ويكشف السوء ويجعلكم خلفاء الارض ء اله مع الله قليلاً ما تذكرون امن يهديكم في ظلمت البر والبحر ومن يرسل الرياح بشراً بين يدى رحمته ء اله مع الله تعالى عما يشركون امن يبدأ الخلق ثم يعيده ومن يرزقكم من السماء والارض ء اله مع الله قل هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين[۱]

[کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور پھر اوپر سے تمہارے لئے پانی برسایا پھر اس سے رنگ برنگ باغ اگائے جن کے درخت اگانا تمہارے بس میں نہ تھا۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الہ بھی ہیں؟ (جو ان کاموں میں اس کا شریک ہے) یقیناً ایسا نہیں ہے۔ پھر بھی یہ حق سے منہ موڑتے ہیں۔ پھر وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس میں دریا جاری کئے اور پہاڑ بنائے (تاکہ ان کا توازن قائم رہے) اور دو سمندروں کے درمیان پردہ حائل کیا۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الہ بھی (ان کاموں میں شریک) ہیں؟۔ یقیناً ایسا نہیں ہے۔ لیکن اکثر مشرکین بے علم ہیں۔ پھر وہ کون ہے جو بے قراری کی دعا سنتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے اور اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے اور تم کو زمین پر خلیفہ بناتا ہے؟ کیا

۱۔ النمل، ۶۰۔۶۴

اللہ کے ساتھ اور الہ بھی (ان کاموں میں شریک) ہیں؟ یقیناً ایسا نہیں ہے، لیکن تم کم ہی توجہ دیتے ہو، پھر وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور دریا کی تاریکیوں میں راستہ دکھاتا ہے اور کون اپنی رحمت (بارش) سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ اور الہ بھی (ان کاموں میں شریک) ہیں؟ یقیناً اللہ کی ذات اس شرک سے بلند ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ پھر وہ کون ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے اور اس کا اعادہ بھی۔ اور کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ اور الہ بھی (ان کاموں میں شریک) ہیں؟ (یقیناً ایسا نہیں ہے لیکن پھر بھی) ان سے کہو کہ اگر تم اپنے شرک کی صداقت پر یقین رکھتے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو]

ایک جگہ اللہ واحد اور خالق حقیقی کے علاوہ دوسرے معبودوں کی تخلیق یا شرکت تخلیق سے متعلق زعم باطل پر ضرب لگائی جاتی ہے اور ان کے عجز و درماندگی کو بے نقاب کیا جاتا ہے:

قل ارئیتم ما تدعون من دون الله اروني ماذا خلقوا من الارض أم لهم شرک في السموت إيتوني بكتب من قبل هذا اَوْ اثرةٍ من علم ان كنتم صادقين ومن اضل ممن يدعوا من دون الله من لايستجيب له الى يوم القيمه[۱]

[کیا کبھی تم نے ان معبودوں کے بارے میں غور کیا ہے جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر (حاجت روائی کیلئے) پکارتے ہو؟ مجھے دکھاؤ تو سہی کہ انہوں نے زمین کی کون سی چیز بنائی ہے یا آسمانوں کی تخلیق میں ان کا کچھ حصہ ہے اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر ایسے کو پکارے جو قیامت تک اس کی حاجت پوری نہ کرسکے۔]

ایک موقع پر مشرکین کو عار دلاتے ہوئے قرآن کہتا ہے کہ تمہیں خالق مخلوق (پیدا کرنے والا اور پیدا کئے جانے والے) کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت نہیں۔ کیا خالق و مخلوق دونوں برابر ہوسکتے ہیں۔ سنو! جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ خالق نہیں بلکہ مخلوق ہیں۔ تمہارا خدا تو ایک ہی ہے جو خالق ہے اور وہی پرستش کے لائق بھی ہے لہذا عبادت و پرستش بھی صرف اسی کی ہونی چاہئے۔ ارشاد ربانی ملاحظہ کیجئے:

۱۔ الاحقاف،۴۔۵

افمن یخلق کمن لا یخلق افلا تذکرون................ والذین یدعون من دون اللہ لایخلقون شیئاً وھم یخلقون................ الھکم الہ واحد[1]

[تو کیا جو پیدا کرے اور جو پیدا نہ کرے وہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے ....اللہ کو چھوڑ کر یہ جن کو پکارتے ہیں وہ کسی چیز کے بھی خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہیں................تمہارا معبود تو بس ایک ہی معبود ہے]

مذکورہ بالا آیتوں سے یہ حقیقت پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ الہ ہونے کے لئے خالق کا ہونا بھی نہایت ضروری ہے یعنی دونوں کے درمیان لازم وملزوم کی نسبت ہے کہ جو الہ ہوگا وہ خالق بھی ہوگا اور جو خالق ہوگا وہ الہ بھی ہوگا لہذا کائنات کی کل موجودات صفتِ خالقیت سے عاری ہے اس لئے اس کا الہ ہونے کا تصور باطل ہو جاتا ہے۔

تعدد الہ کے ابطال کے ساتھ معبود حقیقی کی ذات میں نسبی تعلق اور شرکت اقتدار کے اشتباہ کے اِزالہ کی طرف بھی خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ چونکہ اسی نسبی تعلق اور شرکت اقتدار کی بنا پر تعداد الہ کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ نسبی تعلق کا عقیدہ کوئی نیا نہیں بلکہ زمانۂ قدیم سے ہی مشرکین کے ذہن وفکر میں پرورش پاتا رہا ہے جیسے کہ فرشتوں اور جنوں کو خدا کے بیٹے اور بیٹیاں تصور کرنا، اسی طرح یہود ونصاری کا اپنے پیغمبر حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا حقیقی بیٹا تسلیم کرنا (**وقالت الیھود عزیر بن وقالت النصاری المسیح ابن اللہ**[1]) لہذا یہ اشد ضروری ہے کہ تعدد الہ کے ابطال کے ساتھ ساتھ نسبی تعلق اور شرکت اقتدار کے تصور کو بھی پوری طرح کالعدم کر دیا جائے۔ قرآن کریم اسی مسئلہ کی نزاکت کے پیش نظر ناسور بن جانے والی اس 'داءِ مہلک' کی طرف خاص توجہ دیتے ہوئے جا بجا بے شمار آیتوں کے ذریعہ مولاء واحد کی بے نیازی کی تصویر کشی کرتا ہے اور دوسری طرف شرکت اقتدار کی پرزور طریقہ پر تردید کرتا ہے۔ ارشاد باری ہوتا ہے:

قل ھو اللہ احد، اللہ الصمد، لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد[2]

[کہہ دیجئے کہ: اللہ ایک ہے، بے نیاز ہے، اس کی کوئی اولاد نہیں اور وہ بھی کسی کی اولاد نہیں ہے اور اسکا کوئی ہمسر نہیں۔]

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وقل الحمد للّٰہ الذی لم یتخذ ولداً ولم یکن لہ شریک فی الملک

۱۔ التوبہ، ۳۰
۲۔ الاخلاص

ولم یکن له ولی من الذل و کبره تکبیرا[1]

[اور کہہ دو کہ ساری تعریف اس اللہ کے لئے خاص ہے جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے اور اس کی خوب بڑائی بیان کرو۔]

آگے اپنی حاجت روائی کیلئے شرکت اقتدار پر بھروسہ کرنے والوں اور جن پر بھروسہ کیا جائے، ان دونوں کی بے بضاعتی بیان کی جاری ہے:

ومن اضل ممن یدعوا من دون الله من لا یستجیب له الی یوم القیمة وهم عن دعائهم غافلون واذا حشر الناس کانوا لهم اعداء و کانوا بعبادتهم کفرین[2]

[اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر ایسے کو پکارے جو قیامت تک اس کی حاجت روائی نہ کرے اور ان کو پکارنے کی بھی خبر نہ ہو اور جب (روزِ قیامت) سارے انسان جمع کئے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت کا ہی انکار کر دیں گے]

دوسری جگہ ذکر ہے:

ذالکم الله ربکم له الملک والذین تدعون من دونه مایملکون من قطمیر ان تدعوهم لا یسمعوا دعائکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم ویوم القیمة یکفرون بشرککم ولا ینبئک مثل خبیر[3]

[وہی تمہارا رب ہے، اقتدار اور بادشاہی اسی کی ہے۔ اسے چھوڑ کر جن ہستیوں کو تم پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے بھی مالک نہیں۔ (بالکل بے اختیار ہیں)۔ اگر تم انہیں پکارو تو وہ (بذاتِ خود) تمہاری پکار سن نہیں سکتے اور اگر (کسی زبانی ذریعہ سے) سن بھی لیں تو تمہاری حاجت روائی نہیں کر سکتے اور روز قیامت تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔ ایک خبردار (اللہ) کے سواء کوئی دوسرا تمہیں اس حقیقت کی خبر نہ دے گا۔]

۱۔ بنی اسرائیل، ۱۱۱
۲۔ الاحقاف، ۵۔۶
۳۔ فاطر، ۱۲۔۱۳

مزید ملاحظہ کیجئے:

له دعوة الحق والذين يدعون من دونه لايستجيبون لهم بشئى الا كباسط كفيه الى الماء ليبلغ فاه وما هو ببالغه[۱]

[اسی کو پکارنا برحق ہے جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ ان کی ادنی حاجت بھی پوری نہیں کرسکتے ہیں۔ انہیں پکارنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنی ہتھیلیوں کو پانی کی طرف پھیلائے کہ اس کے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ وہ اس تک پہونچنے والانہیں۔]

ایک اور آیت میں انہیں (مشرکین کو) ان کے عقیدہ باطل کی بنیاد پر عذاب آخرت جولاحق ہونے والی ہے اس سے بیداری کے لئے بطور تنبیہ کے ارشاد ہوتا ہے:

ومن الناس من يتخذ من دون الله انداداً يحبونهم كحب الله والذين امنوا اشد حباً لِلّٰه ولوير الذين ظلموا إذ يرون العذاب ان القوة للله جميعاً[۲]

[کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کے سوا اوروں کو اس کا شریک و مماثل قرار دیتے ہیں۔ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے رکھنی چاہئے۔ حالانکہ جو ایمان والے ہیں وہ سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ کاش یہ ظالم (مشرک) اس حقیقت کو جیسے وہ (روز آخرت) عذاب دیکھ کر جانیں گے آج ہی جان لیتے کہ قوت ساری کی ساری اللہ ہی کے پاس ہے۔]

ارشاد عالی ہے:

واتخذوا من دون الله الهة لعلهم ينصرون فلا يستطيعون نصرهم[۳]

[اور انہوں نے اللہ کے سواء اور الہ بنا رکھے ہیں اس امید میں کہ (بوقت حاجت ومصیبت) ان کی مدد ملے گی لیکن وہ ان کی کچھ مدد نہیں کرسکتے ہیں۔]

متعدد آیات میں مشرکین کو یہ گوش گذار کیا گیا ہے کہ بوقت حاجت ومصیبت میرے علاوہ کوئی اور کام آنے والا نہیں ہے۔ تم جنہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ رہے ہو ان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ خود کو ہی نفع پہنچانے سے عاجز وقاصر ہیں۔ آیت ملاحظہ کیجئے:

۱۔ الرعد، ۱۴
۲۔ البقرہ، ۱۶۵
۳۔ یٰس، ۷۴۔۷۵

ام الهة تمنعهم من دوننا لا يستطيعون نصر انفسهم ولا هم منا يصحبون[۱]

[کیاوہ ہمارے سواء اور بھی الہ رکھتے ہیں جو (بوقت مصیبت) ان کو بچا لیتے ہوں؟ (حقیقت واقعہ یہ ہے کہ) وہ خود اپنی ذات کو کوئی مدد پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے اور نہ ہمارے مقابلے میں کوئی اور ان کی مدد دے سکتا ہے۔]

اسلام میں تصور الہ بذریعہ **لا اله الا الله** دنیا کے دیگر مذاہب کے مقابل بالکل الگ پیش کیا گیا ہے۔ چونکہ یہاں تصور خدا ایک خدا کے تصور پر ہی نہیں ہے بلکہ تمام معبودان باطل کے انکار وتردید پر منتج اور مبنی ہے۔ اس مضبوط و مستحکم عقیدے کی تعلیم اسلام کی مقدس ترین کتاب قرآن وحدیث میں بڑی ٹھوس اور زور دار طریقہ پر دی گئی ہے۔ جس سے انکار یا شبہ کی صورت میں مسلمان خارج از اسلام قرار پاتا ہے، گویا کہ اسلام عقیدۃ تصورِ الہ میں وحدانیت کا قائل ہے اور اس سلسلے میں غیر کی شراکت کسی بھی طرح برداشت نہیں کرتا اور نہ ہی کسی دوسرے مذہب سے اس معاملہ میں کوئی سمجھوتے یا مصالحت کرنے کے لئے تیار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس طرح کی توقعات رکھنے والوں کو دندانِ شکن جواب دیتے ہوئے تیسویں پارہ کی ایک مکمل سورت سورۃ الاخلاص نازل کی گئی جسے سورۃ توحید بھی کہاجاتا ہے۔ دیگر مذاہب کی بہ نسبت وحدانیت کو اسلام میں اہم ترین بنیاد کا مقام حاصل ہے۔ اس تصور میں شبہ، تذبذب یا ترمیم وتنسیخ سے اس کی شاندار اور مضبوط ترین عمارت منہدم ہوجاتی ہے۔ قبل اس کے کہ اسلام میں وحدانیت کا تصور پیش کیا جائے مناسب ہے کہ اس کے لغوی اور شرعی معنی نظر قارئین کر دئے جائیں۔

۱۔ انبیاء،۴۳

توحید کی تعریف

لغوی معنی

توحید باب تفعیل کا صیغہ ہے۔ اس کا مادہ تین حروف ہیں 'و، ح، د' اسکے لغوی معنی ہیں کسی چیز کے سلسلے میں یہ واقفیت رکھنا کہ یہ تنہا ہے، اس کا کوئی ثانی نہیں ہے[۱]

شرعی معنی

ذاتِ واحد کی بندگی کرنا اور اس کی ذات وصفات نیز اس کی قدرت میں شمولیت غیر کے بغیر وحدانیت کا کامل یقین ہونا[۲]

قرآن حکیم میں تصور الہ

قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر مختلف انداز میں وحدانیت کی تعلیم دی گئی ہے۔ توحید کے اثبات کے لئے کہیں تو مثبت پہلو اختیار کیا گیا ہے اور کہیں منفی پہلو۔ پھر ان دونوں پہلوؤں کی تعلیم تین طریقوں پر دی گئی ہے۔ (۱) توحید ذاتی وصفاتی (۲) توحید الوہیت (۳) توحید ربوبیت۔

امام ابن ابی العز حنفی اپنی کتاب شرح العقیدۃ الطحاویۃ میں توحید کی تین قسمیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الاول: توحید الذاتیة..........

[اول: اللہ کی ذات کو تنہا و یکتا ہے.........]

والثانی: توحید الربوبیة وبیان ان الله وحده خالق کل شئی..............

[ثانی: اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے،..........]

والثالث: توحید الالهیة، وهو استحاقه سبحانه وتعالیٰ ان یعبد وحده لا شریک له[۳]

[ثالث: اللہ وحدہ لاشریک ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے]

۱۔ لویس معلوف الیسوعی، المنجد، ج:۶، ص:۶۸۲
۲۔ شرح العقیدۃ الطحاویۃ، ص:۶۹
۳۔ شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص:۷۲

توحید ذاتی وصفاتی

توحید ذاتی

بلافرق وامتیاز کم وبیش دنیا کے تقریباً سبھی مذاہب نے خداوند قدوس کو خالق کائنات تسلیم کیا ہے۔ لیکن اس کے دیگر اوصاف حمیدہ کو اپنی جہالت اور لاعلمی کی بنیاد پر نظر انداز کرتے ہوئے اپنے تفکرات وتخیلات کو ترجیح دے کر خالق کائنات کا ایک مأدی نظریہ اور تصور قائم کر کے شخصیت کی مرئی شکل لوگوں کے سامنے پیش کر دیا حتی کہ وہ ذات باری کو بیوی بچوں کی قید سے بھی آزاد نہ کر پائے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تعدد الٰہ کے مشرکانہ تخیلات کے دام میں رفتہ رفتہ گرفتار ہوتے چلے گئے۔ پھر کیا تھا ان کے تنگ سے تنگ معبد بھی معبودوں کے ازدہام عام سے مالامال ہوگئے۔ یہاں تک کہ ان کے معبودوں نے قیام اور سکون کے لئے معبدوں میں تنگیٔ مکانی کی وجہ سے ان کے پرستاروں کے مکانات میں ڈیرے جمالئے۔ خدا نے ان مشرکانہ افکار کو جو تعدد ذات الٰہی کے ترجمان تھے اور اقوام ماضیہ جن کے دام سلاسل میں گرفتار بھی ہوگئی تھیں، اس سے نجات یابی کے لئے سورۃ الاخلاص میں واضح طور پر یہ بتادیا کہ جسے تم خالق کائنات کہتے ہو وہ تمہارے ناقص اور گمراہ کن تصورات سے بالکل منزہ اور پاک ہے۔ اس کی شانِ الٰہی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ کوئی بھی شخص اس کے کسی معاملہ میں شریک ہو وہ اپنی ذات میں واحد و یکتا ہے۔ گویا اس نے اس سورۃ میں تعدد الٰہ اور شرکت غیر کے گمراہ تصور کی بڑی شدت کے ساتھ تردید کرتے ہوئے توحید ذاتی کو بڑی سلیس انداز میں بیان فرمایا ہے، ملاحظہ ہو ارشاد ربانی:

قل هو الله احد، الله الصمد، لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفواً احد[۱]

[کہہ دو! اللہ ایک ہے، وہ بے نیاز ہے اور سب اس کے حاجت مند ہیں، نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔]

اسی طرح توحید ذاتی کا ذکر سورۃ جن میں جنوں کی زبانی ملاحظہ فرمائے:

وانه تعالىٰ جد ربنا ما اتخذ صاحبة ولا ولداً وانه كان يقول سفيهنا على الله شططاً وانا ظننا ان لن تقول الانس والجن على الله كذباً[۲]

۱۔ الاخلاص
۲۔ الجن، ۳۔۵

[ہمارے پروردگار کی شان بہت بڑی ہے، اس نے نہ کسی کو بیوی بنایا ہے اور نہ اولاد، اور ہم میں جو احمق ہوئے ہیں وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کرتے تھے۔ اور ہمارا (پہلے) یہ خیال تھا کہ انسان اور جنات اللہ کے بارے میں کبھی جھوٹ بات نہ کہیں گے۔]

قرآن پاک میں ذات واحد خداوند قدوس کیلئے لفظ اللہ کا ذکر بکثرت ہوا ہے۔ یہ ایک ایسا لفظ ہے جو صرفی اور لغوی اشتقاقات سے مبرّا ہے۔ جس طرح ذاتِ خداوندی ہر قسم کے اشتراک سے پاک ہے، اسی طرح لفظ اللہ بھی دنیا و مافیھا کی تمام اشیاء سے منزہ ہے۔ اس لفظ کا اطلاق صرف اور صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے۔ نزول قرآن سے پہلے بھی عرب اقوام لفظ اللہ کا استعمال فقط باری تعالیٰ کی ذات کے لئے ہی کرتے تھے اور غیر اللہ کو اس نام سے موسوم کرنا روا نہ سمجھتے تھے۔

لفظ اللہ کے سلسلے میں اہل لغت اس کے اصل اور مصدر کے بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس کی اصل الہ ہے۔ اس پر الف لام تعریف کا داخل کر کے اسے علم بنالیا گیا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ ولہ سے ماخوذ ہے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ اس کا اصل الہ ہے یہ سب تحیر و درماندگی کے معنی میں ہی مستعمل ہیں۔ چونکہ خالق کائنات کے بارے میں انسان اپنی بساط کے مطابق جس قدر بھی غور وخوض کرتا ہے اسے سوا عقل کے تحیر اور ادراک کی درماندگی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

ایک بڑی تعداد اس طرف گئی ہے کہ یہ ولاہ سے مشتق ہے۔ اس کے معنی اس غم، محبت اور تعلق خاطر کے ہیں جو ایک ماں کو اپنی اولاد کے ساتھ ہوا کرتی ہے۔ لہذا اس اعتبار سے اللہ کے معنی ہوئے محبوب اور پیارے کے، جس کے عشق و محبت میں کائنات کے دل سرگرداں، متحیر اور پریشان ہیں[۲]

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اپنی شہرت یافتہ کاوش "رسالۃ العبودیہ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں وہ ذات جس کی طرف دل کا میلان کمال محبت اور نہایت تعظیم واحترام خوف ورجا اور اس طرح کی دیگر کیفیات کے ساتھ ہو[۳]

۱۔ الطاف احمد اعظمی، توحید کا قرآنی تصور، ص: ۱۲۳
۲۔ سید سلیمان ندوی، اسلام اور مستشرقین، ج: ۵ ص: ۱۷
۳۔ علامہ ابن تیمیہ، رسالۃ العبودیۃ، ص: ۱۲

ایک جماعت نے اسے مقتدر اعلیٰ اور حاکم علی الاطلاق کے معنی میں لیا ہے۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے اسی معنی کو ترجیح دیتے ہوئے اپنی کتاب وقرآن مجید کی چار بنیادی اصطلاحیں، میں تحریر فرماتے ہیں:

''اقتدار اعلیٰ کی وحدانیت کا اقتضا یہ ہے کہ حاکمیت وفرماں روائی کی جتنی قسمیں ہیں سب ایک ہی مقتدر اعلیٰ کی ذات میں مرکوز ہوں اور حاکمیت کا کوئی جز بھی کسی دوسرے کی طرف منتقل نہ ہو۔ جب خالق وہ ہے اور خلق میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں، جب رازق وہ ہے اور رزق رسانی میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں، جب پورے نظام کائنات کا مدبر ومنتظم وہ ہے اور تدبیر وانتظام میں کوئی اس کے شریک نہیں، تو یقیناً حاکم وآمر اور شارع بھی اسی کو ہونا چاہئے ....امر اور تشریع سب ایک ہی کلی اقتدار وحاکمیت کے مختلف پہلو ہیں اور یہ اقتدار وحاکمیت نا قابل تقسیم ہیں''۔[1]

ابو عثمان مازنی 'اشتقاق اسماء الله' میں اس سلسلے میں اپنے نظریہ کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ ایک اسم ہے جو صرف اللہ جل جلالہ کے لئے ہی موضوع ہے اور اس کی اصل مذکورہ مصدروں إلاہ، و لاہ، اور لاہ وغیرہ میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔[2]

لفظ اللہ کا مشتق منہ اِله ، وِلاہ، وَله، اور أله میں سے خواہ کوئی ہو یا نہ ہو اس سلسلے میں تو اہلِ لغت کا اختلاف ہے۔ لیکن اس بات پر سبھی متفق ہیں کہ اس کا مشتق لفظ اللہ ہے۔ (الف، لام تعریف کے ساتھ) اور اس سے مراد ذاتِ واحد خالق کائنات ہی ہے۔ اور جہاں کہیں بھی قرآن وحدیث میں اس کا استعمال ہوا ہے اس سے مراد بلا شرکتِ غیر خدا کی ہی ذات ہے۔

۱۔ قرآن مجید چار بنیادی اصطلاحیں، ص: ۲۴۔۲۵

۲۔ ابو عثمان مازنی، اشتقاق اسماء اللہ، ص: ۲۸

توحید صفاتی

خداوند قدوس کے بے شمار ناموں میں سے 'اللہ' کے علاوہ سبھی نام صفاتی ہیں۔ اور وہ جس طرح اپنی ذات میں واحد و یکتا ہے، اس کا کوئی مثل نہیں، بالکل اسی طرح اپنی صفات میں بھی وہ یگانہ اور بے مثل ہے۔ جس طرح یہ واضح ہے کہ اللہ کی ذات میں غیر کی شرکت مانع ہے، اسی طرح اس کی صفات میں بھی کسی قسم کی شرکت جائز نہیں ہے۔ جس طرح خدا کی ذات میں شرکت غیر سے ایک شخص مشرک ہوجاتا ہے، اسی طرح اس کی صفات میں غیر کے الحاق سے اس شخص کے مشرک قرار پانے اور خارج از اسلام ہونے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ توحید صفاتی کا مطلب ہی یہ ہے کہ خداوند قدوس نے اپنے آپ کو جن اوصاف حمیدہ سے متصف کیا ہے ان میں سے کسی ایک میں بھی کسی مخلوق کو اصلاً شریک نہ کیا جائے ورنہ یہ توحید صفاتی کے سراسر منافی ہوگا۔ خود خداوند قدوس سورۃ شوریٰ میں فرماتا ہے:

لیس کمثله شئی وهو السمیع البصیر[۱]

[کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں۔ وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے]

اللہ تعالیٰ کی صفتیں دو طرح کی ہیں۔ بعض صفتیں ایسی ہیں جو انسانی صفات سے لفظی اشتراک رکھتی ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ جو اسی کی ذات کیلئے مخصوص ہیں مخلوق کا لفظاً یا مجازاً ان صفات سے کسی قسم کا توافق وتشابہ نہیں ہے، مثال کے طور پر خدا کا 'عالم الغیب والشهادة' ہونا[۲] یعنی وہ ذات ایسی ہے کہ ہر حال میں دنیا ومافیہا کی ظاہر وباطن سے پوری طرح واقف ہے۔ اسی طرح اس کی ایک صفت ہے "سمیع الدعاء"[۳] ہونا، یعنی اس کی مخلوقات میں سے کوئی بھی بحر و بر کے کسی خطہ سے کسی بھی وقت سرّاً وجہراً اسے پکارے تو بغیر کسی تعرض کے اس کی وہ پکار سن لیتا ہے۔ لہٰذا خدا کے علاوہ کسی اور کے سلسلے میں یہ گمان رکھنا کہ وہ بھی عالم الغیب والشہادۃ ہے یا سمیع الدعاء ہے تو یہ توحید صفاتی کے سراسر منافی ہوگا بلکہ اسے شرک فی الصفات کہا جائے گا، جس کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں۔

۱۔ شوریٰ، ۱۱:
۲۔ سورہ حشر، ۲۲
۳۔ ابراہیم، ۳۹

خداوند قدوس کی بعض صفتیں ایسی بھی ہیں جو انسانی صفات سے لفظی یا مجازی حد تک اشتراک رکھتی ہیں، جیسا کہ خدا نے اپنی صفت علیمیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وھو بکل شئی علیم[۱]

(وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے)

اور حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاقؑ کی بشارت دیتے ہوئے فرماتا ہے:

وبشروہ بغلم علیم[۲]

(اور انہوں نے اسے ایک علیم بیٹے کی بشارت دی)

ظاہر سی بات ہے کہ خالق کائنات اور اس کی مخلوق حضرت اسحاقؑ دونوں کے علم یکساں ہرگز نہیں ہو سکتے۔ معنی و مفہوم میں دونوں کے علم کے درمیان حد درجہ کا امتیاز ہے۔

سورۃ توبہ میں خدا نے اپنی صفت رحمت کی طرف بندوں کو متوجہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

انہ بھم رؤف الرحیم[۳] (وہ ان پر حد درجہ شفیق و مہربان ہے) اور رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے بارے میں لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد باری ہوتا ہے:

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم[۴]

[لوگو! تمہارے پاس خود تم میں سے ایک ایسا رسول آ گیا ہے جس کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے۔ جو تمہاری بھلائی کا دل سے خواستگار ہے اور مومنوں پر حد درجہ شفیق و مہربان ہے]

یہاں پہ بھی اللہ کی شفقت و رحمت کے وصف کو اس کی خلق (رسول اللہؐ) کی شفقت و رحمت کے مساوی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ خالق کی صفتِ رحمت مخلوق کی صفت رحمت سے کہیں اعلیٰ و افضل ہے۔ مماثلت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

ایک مقام پر خدا نے اپنی دو صفتوں سمیع و بصیر کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

ان اللہ کان سمیعاً بصیراً[۵] (بے شک اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے)

۱۔ البقرہ، ۲۹
۲۔ الذاریات، ۲۸
۳۔ التوبہ، ۱۱۷
۴۔ التوبہ، ۱۲۸
۵۔ النساء، ۵۸

انہیں دونوں صفتوں سے اپنی مخلوق کونوازتے ہوئے یوں ارشادفرماتا ہے:

انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتليه فجعلناه سميعاً بصيراً[1]

[ہم نے انسان کومخلوط نطفہ سے بنایا تاکہ اس کا امتحان لیں اس غرض سے ہم نے اسے سننے والا اور دیکھنے والا بنایا]

یہ ایک ناقابل انکار صداقت ہے کہ پروردگار عالم کی سماعت وبصارت کی مثیل ومعاند بہرحال ایک عاجز وناتواں مخلوق کی سماعت وبصارت نہیں ہوسکتی۔ جس طرح خالق ومخلوق کے درمیان فرق ہے بعینہ ان دونوں کی صفتوں میں فرق ہے۔

لفظی اشتراک میں جن اوصاف سے مخلوقات کونوازا گیاہے وہ درحقیقت عارضی، محدود اور فانی ہیں۔ جبکہ رب العالمین کے اوصاف قائم بالذات، غیر فانی اور غیر محدود ہیں۔ اس کی ذات کی طرح اوصاف بھی ازلی اور ابدی ہیں اور پورے عالم کومحیط ہیں۔

صاحبِ تفسیر المنار اپنی معرکۃ الآرا کتاب ''تفسیر المنار'' میں اس مسئلہ کی وضاحت میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ان له رحمة ليست كرحمة المخلوق، وغضباً لا يشبه غضب المخلوق واستواء الملوك المخلوقين على عروشهم لانه تعالیٰ علمنا بما بين لنا من اسمائه وصفاته وافعاله ما اوجب علينا ان نعلمه من عظمتہٖ وكماله وجلاله وجماله و افعاله ولا يمكن بيان ذالک الا بالالفاظ التی نستعملها فی شؤن انفسنا وعلمنا مع ذلک انه ليس كمثله شئی فعصمنا بهذا التنزيه ان يضلنا الاشتراک اللفظی فنقّع فی التشبيه[2]

[وہ رحیم ہے۔ لیکن اس کی رحمت مخلوق کی طرح نہیں ہے۔ وہ غضب کی صفت بھی رکھتا ہے مگر مخلوق کی صفت غضب کے مشابہ نہیں۔ استواء علی العرش بھی اس کیلئے ثابت ہے مگر بادشاہوں کے استواء کے مانند نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء وصفات اور اپنے افعال سب ہم کو بتا دیئے ہیں جن سے ہم اس کی عظمت وکمال، اس کے جلال وجمال اور

۱۔ الدھر،۲

۲۔ رشید رضا مصری، تفسیر المنار، ج:۹ ص: ۴۴۷

میرا بھی رب اور تمہارا بھی رب ہے۔]

خداوند قدوس نے اپنی تعلیمات کی تکمیل اپنے آخری رسول جناب محمد رسول ﷺ کی ذات گرامی کے ذریعہ کیا۔ آپ ﷺ نے بھی اپنے آباء واجداد کی پوری طرح پیروی کرتے ہوئے دعوت الی اللہ کی اصل و روح کو عبادت الٰہی قرار دیا۔ ملاحظہ ہو ارشاد باری تعالیٰ:

قل یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا الله ولا نشرک به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله[1]

[کہو، اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان متفق علیہ ہے کہ ہم صرف ایک اللہ کی بندگی کریں گے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کریں گے اور ہم میں سے کوئی شخص اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کو رب نہ بنائے گا۔]

مذکورہ بالا مثالوں سے یہ بات پوری طرح محقق ہو جاتی ہے کہ تمام انبیاء کرام کی دعوت کا مرکزی موضوع اس کے سوا کچھ اور نہ تھا کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی بندگی ہرگز ہرگز نہ کی جائے۔ اور یہی اصطلاحاً توحید الوہیت یا توحید عبادت کہلاتا ہے۔ کلمۂ طیبہ کے انقلابی بولوں میں بھی یہ حقیقت مضمر ہے کے ایک شخص جو حلقۂ اسلام میں شمولیت اختیار کرنا چاہتا ہو پہلے سارے باطل خداؤں کا انکار کرے اور پھر الا اللہ کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لے۔ اگر معبودان باطل کا انکار نہیں کیا جاتا ہے یا اس سلسلے میں کوئی نرمی و مصالحت کی پالیسی اختیار کی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک خدا پر ایمان معتبر و مستند نہیں ہے۔ اس لئے آفات و بلیات میں ایک بندۂ مومن اسی خالق حقیقی کے رحم و کرم کا طلب گار ہوتا ہے اور اسی کی پناہ کا خواہاں و خوگر ہو جاتا ہے جو سارے انسانوں کا پالنہار، حقیقی بادشاہ اور اصل معبود ہو جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی زبان سے بھی اس حقیقت کا اعلان کرایا جاتا ہے۔

قل اعوذ برب الناس ملک الناس اله الناس۔[2]

[آپ کہ دیجئے کہ میں پناہ چاہتا ہوں لوگوں کے رب، لوگوں کے بادشاہ اور لوگوں کے معبود کی۔]

۱۔ آل عمران، ۶۴

۲۔ الناس، ۱۔۳

اس کے افعال کا حال معلوم کر سکیں۔ اور ان کا بیان انہی الفاظ کے ذریعہ ہوسکتا ہے جو ہم اپنے بارے میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی بتادیا کہ اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ اس کنزیہہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے بچالیا کہ لفظی اشتراک سے دھوکا کھا کر تشبیہ کے قائل ہوجائیں)

اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے امام ابن خزیمہ نے بھی اپنی کتاب 'کتاب التوحید' میں مدلل بحث کی ہے، ملاحظہ فرمائے ان کی تحریر:

لا يغيب عن بصره من ذالک شئی يری فی جوف البحار ولججها كما يری عرشه الذی هو مستوی عليه وبنو آدم وان كانت لهم عيون ينظرون بها فانهم انما يرون ما قرب من ابصارهم مما لا حجاب ومستربين المرئی وبين ابصارهم ما يعبد منهم وان كان يقع اسم القرب عليه فی بعض الاحوال لان العرب التی خوطبنا بلغتها قد تقول قرية كذا منا قريبة وبلده كذا قريبة منا ومن بلدنا، ومنزل فلان قريب منا وان كان بين البلدين والقريتين والمنزلين فراسخ والبصير من بنی آدم لا يدرک ببصره شخصاً آخر من بنی آدم وبينها فرسخان فاكثر وكذا لک لايریٰ احد من الادميين ماتحت الثریٰ والارض اذا كان فوقها المریٰ من الارض والتراب قدر انملة اواقل منها يقدر ما يغطی ويواری الشئی وكذالک لا يدرک بصره اذا كان بينهما حجاب من حائط أو ثوب ضيق أو غير هما مما يستری الشئی عين الناظر[1]

[کوئی چیز اس کی ذات سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ سمندر کی گہرائیوں اور اس کی طغیانیوں میں بھی جو کچھ ہے اس کو دیکھتا ہے جیسا کہ وہ اپنے عرش کو جس پر وہ متمکن ہے، دیکھتا ہے۔ بنی آدم کے پاس آنکھیں تو ہیں مگر وہ اسی چیز کو دیکھ سکتے ہیں جو ان کے قریب ہے اور درمیان میں کوئی حجاب نہیں ہے اور جو دور ہے وہ اس کی آنکھوں سے مخفی ہوتا ہے۔ اگرچہ بعض حالات میں اس پر قرب کا اطلاق بھی ہوتا ہے، اس لئے کہ عرب بولتے ہیں]

قرية كذا منا قريبة وبلدة كذا قريبة منا، الخ

۱۔ امام ابن خزیمہ، کتاب التوحید، ص: ۳۵

[یعنی فلاں بستی یا فلاں شہر ہمارے قریب ہی ہے اور فلاں منزل ہم سے قریب ہی ہے، خواہ ان دو بستیوں، دو شہروں اور دو جگہوں کے درمیان کئی فرسخ کا فاصلہ ہو۔ بنی آدم میں سے کوئی شخص جس کی آنکھ ٹھیک طور پر کام کرتی ہو کسی دوسرے شخص کو جو دو یا دو سے زیادہ فرسخ کے فاصلہ پر ہو، دیکھنے پر قادر نہیں ہو سکتا، اسی طرح کوئی آدمی تحت الثری میں کیا ہے اس کو بھی نہیں دیکھتا اور اسی طرح زمین کی ان اشیاء کو نہیں دیکھ پاتا جس پر ایک پور انگل کے برابر یا اس سے بھی کم مٹی پڑی ہو جس سے کہ وہ ڈھک جائے۔ وہ اس وقت بھی دیکھنے پر قادر نہیں ہوتا جب کہ اس کے اور شئی مرئی کے درمیان کسی دیوار یا کسی دبیز کپڑے یا ان کے علاوہ کسی اور چیز کا پردہ جو کہ ناظر کی آنکھ کے لئے ساتر بن جائے]

قرآن پاک کی متعدد آیتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسانوں کے اوصاف و کمالات کے خدائی اوصاف و کمالات کے مثل و مشابہ ہونے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ عام انسانوں کی بات ہی کیا جب کہ انبیاء و رسل بھی اشتراک فی الصفت یا تشابہ سے محروم ہیں۔

ممکن ہے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہو کہ انبیاء و رسل وغیرہ خدا کے محبوب اور چہیتے بندے ہیں۔ لہذا ان کا کچھ چیزوں سے اشتراک ہو جانا کوئی بعید نہیں۔ چونکہ گذشتہ کچھ قومیں اس طرح کی مرض میں مبتلا ہوئیں اور ان کے یہ شبہات ممکنات تک ہی محدود نہ رہے بلکہ یقین وایمان میں بدل گئے۔ اور یہ اس قدر مہلک بیماری تھی کہ جن جن قوموں میں یہ مرض پیدا ہوا وہ قومیں تعدد الہ کی لعنت میں گرفتار ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ لہذا اس عمل شنیع اور ظلم عظیم سے نجات کی خاطر خداوند قدوس نے دوٹوک انداز میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ اپنی قوم کو بتادیجئے:

ولو كنت اعلم الغيب لا ستكثرت من الخير وما مسني السوء[1]

[اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کبھی کوئی تکلیف مجھ کو نہ پہنچتی۔]

اسی طرح دوسری جگہ اشتراک فی الغیب کی نفی کرتے ہوئے بڑے صاف لفظوں میں فرمایا:

۱۔ اعراف، ۱۸۸

قل لا یعلم من فی السموت والارض الغیب الا اللہ[۱]

[کہہ دو کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو بھی ہیں وہ غیب کا علم نہیں رکھتے سوائے اللہ کے۔]

ایک دوسرے مقام پر مخلوق کا ئنات کی غیب دانی پر یوں ضرب لگائی جاتی ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

وعندہ مفاتح الغیب لا یعلم الا ھو[۲]

[اوراس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا]

ان کے علاوہ اور بھی متعدد ایسی آتیں ہیں جن سے اس طرح کے شکوک وشبہات کا رفع وازالہ اور غلط فہمیوں کا قلع قمع ہوتا ہے۔متقی وپرہیزگار شخص کیلئے تو ایک ہی آیت سرمایۂ حیات بن سکتی ہے، ورنہ صمٌ، بکمٌ، عمیٌ، کیلئے پورا قرآن بھی ناکافی ہے۔

۱۔ النمل،۶۵

۲۔ انعام،۵۹

توحید الوہیت

ذات واحد کی غلامی و بندگی کرنا اور ماسوا خالق کائنات کی ساری مخلوق کو اسی ذات الٰہی کا غلام اور بندہ گردانا توحید الوہیت کہلاتا ہے۔ ابتداء سے انتہا تک جس قدر ابنیاء کرام تشریف لائے ان سب نے اپنی اپنی امتوں کو ہدایت کے لئے جو تعلیم دی اس تعلیم کا آغاز ذات واحد کی بندگی سے کیا۔ ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائے:

وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون[1]

[ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا کہ جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے علاوہ کوئی الہ نہیں پس میری ہی عبادت (بندگی) کرو]

قرآن پاک میں چند ابنیاء کرام کا ذکر اجمالی طور پر کیا گیا ہے جن کی دعوت الی اللہ سے متعلق کارگزاریوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ ان آیتوں سے توحید الوہیت پوری طرح واضح ہوجاتی ہے۔ لہذا آدم ثانی حضرنوحؑ کا فرمان اپنی قوم کے نام قرآن کریم کی زبانی ملاحظہ کریں:

یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ[2]

[اے قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی الہ نہیں ہے]

اسی طرح سورہ اعراف میں حضرت ہودؑ نے بھی اپنی قوم کو ذات واحد باری تعالیٰ کی بندگی پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

یقوم اعبدو اللہ مالکم من الہ غیرہ افلا تتقون[3]

[اے قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سواء کوئی تمہارا معبود نہیں کیا تم (عذاب الٰہی سے) ڈرتے نہیں]

حضرت صالحؑ نے بھی بعینیہ ان ہی الفاظ میں اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

۱۔ الانبیاء،۲۵

۲۔ اعراف،۵۹

۳۔ اعراف،۶۵

یقوم اعبدو الله مالکم من اله غیره[1]

[اے قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں]

اسی طرح سورہ اعراف میں حضرت شعیبؑ کی دعوت الی اللہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ انہوں نے بھی اپنی قوم کو معبود حقیقی کی پرستش کی دعوت دی۔ قرآن کہتا ہے: **یقوم اعبدو الله مالکم من اله غیره**[2]

[اے قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں]

خداوند قدوس نے فرعون کی ہدایت کیلئے حضرت موسیٰ کو جب اس کے پاس بھیجا تو دونوں کے درمیان جو مکالمہ ہوا قرآن حکیم کی زبانی ملاحظہ فرمایئے:

قال فرعون ومارب العالمین ، قال رب السموت والارض وما بینهما ان کنتم مؤقنین، قال لمن حوله الا تستمعون، قال ربکم ورب اٰبآئکم الاولین، قال ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون، قال رب المشرق والمغرب ومابینهما ان کنتم تعقلون[3]

[فرعون نے کہا، رب العالمین سے کیا مراد ہے؟ موسیٰ نے کہا، آسمان اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے ان کا رب، اگر تم یقین کرو۔ فرعون نے اپنے اردگرد والوں (حاضرین جلسہ) سے کہا: سن رہے ہو؟ موسیٰ نے کہا وہ تمہارا اور تمہارے آباواجداد کا رب ہے۔ فرعون نے کہا، یہ تمہارا رسول جو (بزعم خود) تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہے بالکل مجنون ہے۔ موسیٰ نے کہا (وہی) مشرق ومغرب کا رب ہے۔ اگر تم عقل سے کام لو]

حضرت عیسیٰ نے بھی اپنی قوم کی ہدایت کے لئے ان ہی تعلیمات کا اعادہ کیا۔ قرآن کریم ان کی تعلیم واضح کرتا ہے:

ماقلت لهم الا ما امرتنی به ان اعبدو الله ربی وربکم[4]

[جو کچھ مجھے حکم دیا گیا تھا میں نے انہیں اسی کی تعلیم دی، یہ کہ تم اللہ کی بندگی کرو جو

۱۔ اعراف: ۷۳
۲۔ اعراف: ۸۵
۳۔ شعراء: ۲۲۔۲۸
۴۔ المائدہ: ۱۱۷

توحید ربوبیت

خدا کی عظیم ترین صفات میں سے ایک صفت 'رب' ہے۔ اس کے لغوی معنی مطلقاً آقا اور سردار وغیرہ کے آتے ہیں۔ اور صطلاحاً کسی کی پرورش کرتے ہوئے آہستہ آہستہ درجۂ کمال تک پہنچانے کو کہا جاتا ہے[1]

توحید ربوبیت کی دو قسمیں ہیں ایک کا تعلق عالم تکوینی سے ہے اور دوسرے کا عالم تشریعی (تمدنی زندگی) سے ہے۔

عالم تکوینی

بلاشبہ ساری کائنات کا خالق اور اس کی پرورش کرنے والا خدا ہی کی ذات ہے۔ موت وزندگی سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ کوئی مخلوق ذرہ برابر بھی ان میں شرکت نہیں رکھتی۔ کیونکہ مخلوق پیدا کرنے، پرورش کرنے، موت وحیات عطا کرنے سے عاجز وقاصر ہے۔ یہ سب کے سب امور خالق کائنات کے لئے ہی مخصوص ہیں۔ لہذا اسی کو عالم تکوینی کہا جاتا ہے۔ اس تکوینی حقائق پر سورہ بقرہ کی مندرجہ ذیل آیتوں میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ارشاد باری تعالیٰ:

یاایھا الناس اعبدو ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون، الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناء و انزل من السماء ماء فاخرج به من الثمرات رزقا لکم فلا تجعلوا لِلّٰه اندادا و انتم تعلمون[2]

[اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں، تاکہ تم (جہنم کی آگ سے) بچ سکو۔ اور جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا اور آسمان کو چھت بنایا۔ اور آسمان سے پانی برسایا اور پھر اس کے ذریعہ تمہارے لئے بطور غذا پھل پیدا کئے۔ اس لئے تم دیدہ ودانستہ اللہ کے مقابل نہ ہوجاوَ]

مندرجہ ذیل آیات کریمہ بھی اس موقف کی وضاحت میں معین ومددگار بنتی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

۱۔ ابوبکر محمد بن الحسین البیہقی، ۵۶

۲۔ البقرہ، ۲۱۔۲۲

قل من یرزقکم من السماء والارض أمن یملک السمع والابصار ومن یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ومن یدبر الامر فسیقولون اللہ فقل افلا تتقون، فذا لکم اللہ ربکم الحق فماذا بعد الحق الا الضّلال فانی تصرفون[۱]

[تم ان مشرکوں سے پوچھو کہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ اور وہ کون ہے جو تمہارے کانوں، آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے۔ اور وہ کون ہے جو جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار سے نکالتا ہے، اور وہ کون ہے جو (کائنات کی) تدبیر امر کرتا ہے؟ وہ کہیں گے کہ اللہ، تو ان سے کہو کہ پھر (شرک سے) کیوں نہیں پرہیز کرتے فی الواقع یہی اللہ تمہارا رب ہے۔ تو حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا رہ جاتا ہے؟ آخر تم کدھر پھرائے جا رہے ہو؟]

حاصل کلام یہ ہے کہ مذکورہ تکوینی امور میں کسی بھی مخلوق کا شریک ہونا کلی یا جزئی اعتبار سے روا نہیں۔ شرع میں اسے 'شراک فی الربوبیۃ' کہا جاتا ہے، جس سے مخلوق پوری طرح عاری ہے۔ اور کسی مخلوق کے سلسلے میں اس طرح کا تصور یعنی شرک فی الربوبیت بھی ناجائز اور حرام ہے۔

عالم تشریعی

خداوند قدوس جس طرح عالم تکوینی میں شرکت غیر سے مبرا ہے بالکل اسی طرح عالم تشریعی میں بھی توحید ربوبیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بلاشرکتِ غیر انسان کی تمدنی زندگی کا آمر وحاکم علی الاطلاق خدا ہی کی ذات ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیے:

الاله الخلق والامر تبارک اللہ رب العالمین[۲]

[سن لو کہ خلق بھی اسی کی ہے اور امر بھی اسی کا ہے، اللہ کی ذات جو سارے جہانوں کا آقا اور پروردگار ہے، بہت بلند ہے اور پاک ہے، (خلق یا امر میں کسی مخلوق کی شرکت سے]

۱۔ یونس، آیت: ۳۱۔۳۲

۱۔ اعراف، ۵۴

عالم تشریعی میں امر اللہ کا نفاذ اور اس کی اطاعت عالم تکوینی ہی کی طرح لازم اور یقینی ہے۔ اس کی تصدیق قرآن پاک کی متعدد آیتوں کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ یہاں پر چند آتیں بطور مثال موقف کی وضاحت کے لئے پیش کی جارہی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

وکاین من قریة عتت عن امر ربها ورسله فحاسبنها حسابا شدیدا وعذبنها عذابا نکرا[۱]

[اور بہت سی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں سے سرتابی کی سو ہم نے ان کا سخت محاسبہ کیا اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سزادی۔]

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

افحکم الجاهلية يبغون ومن احسن من الله حکما لقوم يوقنون[۲]

[کیا پھر یہ لوگ (زمانہ) جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ اور ان لوگوں کے لئے جو صاحبِ ایمان ویقین ہیں اللہ سے بہتر حکم دینے والا کون ہوسکتا ہے؟]

ایک اور آیت سورۃ ال عمران کی ملاحظہ کریں:

افغير دين الله يبغون وله اسلم من فی السموت والارض طوعا وکرها واليه يرجعون[۳]

[کیا وہ اللہ کے دین (ضابطۂ حیات) کے سوا اور کسی دین (ضابطہ) کو چاہتے ہیں جب کہ آسمانوں اور زمین میں جو وجود بھی ہے چار و ناچار اسی کے آگے سر اطاعت جھکائے ہوئے ہے اور سب کو (ایک روز) اسی کی طرف لوٹنا ہے۔]

احکام واوامر میں صرف اور صرف اللہ واحد کی طرف ہی رجوع کیا جانا چاہئے۔ اس لئے کہ وہ واحد ذات باری ہے جو علیم وحکیم اور سمیع وبصیر ہونے کی حیثیت سے ماضی، حال اور مستقبل کے تمام احوال وکوائف کو جانتا، سنتا اور سمجھتا ہے۔ دلوں میں کیسے جذبات وخواہشات نشو ونما پارہے ہیں ان پر بھی اللہ واحد کی گرفت ہے۔ اس لئے اس کے حکم کے نامناسب، ضرر رساں اور منافی مخلوق ہونے کا شائبہ تک دلوں میں نہیں آنا چاہئے۔ اسی حقیقت کو یوں ذہن نشین کرایا جاتا ہے۔

اليس الله باحکم الحاکمين...........[کیا اللہ احکم الحاکمین نہیں ہے؟]

۱۔ طلاق، ۷
۲۔ المائدہ، ۵۰
۳۔ ال عمران، ۸۳

توحید کے عقلی دلائل کلام الٰہی کی روشنی میں

توحید کے اثبات کے لئے قرآن کریم نے مختلف زاویوں اور طریقوں پر بے شمار دلائل پیش کئے ہیں جن کی روشنی میں یہ صداقت مبرہن ہوجاتی ہے کہ سرچشمۂ رحم وکرم، منبع علم وحکمت اور مصدر قوت وحشمت خدا کو ہی زیب دیتا ہے کہ وہ آمر حقیقی اور حاکم مطلق ہو۔ اس کی ذات اظہر من الشمس ہے۔ جس کا تعصب، تنگ نظری اور بے جا مفروضات وقیاسات کا لبادہ اتار پھینک کر دیکھنے والا معمولی سے معمولی ذی ہوش شخص بھی ادراک کرسکتا ہے۔ خداوند قدوس نے اپنی کتاب عزیز میں کچھ عقلی دلائل بھی پیش کئے ہیں جن میں ایک دلیل یہ ہے کہ اس کی سلطنت ارض وسما میں اگر ایک سے زیادہ ارباب اقتدار ہوتے تو یقینی تھا کہ فساد برپا ہوتا رہتا اور سارا نظام عالم جو بحسن وخوبی اپنے مرکز ومستقر پر رواں دواں ہے وہ درہم برہم ہوجاتا۔ اس کی زندہ مثال ہماری روز مرہ کی زندگی اور ہماری ناقص جمہوری حکومتیں ہیں جہاں ایک سے زائد صاحب اقتدار اشخاص کی آویزش سے نظام حکومت آئے دن زیروزبر ہوتا رہتا ہے۔ چونکہ یہ کسی بھی صاحب اقتدار کا فطری خاصہ ہے کہ وہ اپنی ذات وصفات اور اختیارات میں ایک ہی دائرہ اثر یا حیطہ اقتدار کے اندر کسی شریک وسہیم کو قطعاً برداشت نہیں کرپاتا ہے۔ لیکن ذات باری تعالیٰ کا نظام کائنات اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ ہزاروں، لاکھوں۔ اور جینیوں کے مطابق غیر مختتم مدت سے ہرآن اور ہرلحہ جلوہ فگن ہے۔ آیئے قرآن کی زبانی توحید کے عقلی دلائل ملاحظہ فرمائیے:

لو کان فیهما الهة الا الله لفسدتا فسبحان الله رب العرش عما یصفون[1]

[اگر آسمان وزمین میں اللہ کے علاوہ اور بھی الہ (مقتدر اعلیٰ) ہوتے تو نظام ارض وسماء درہم برہم ہوجاتا۔ پس اللہ جو عرش (تخت سلطنت) کا مالک ہے وہ ان تمام (مشرکانہ) باتوں سے پاک ہے جو یہ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔]

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

(ماتخذ الله من ولد وماکان معه من اله اذا لذهب کل اله بما خلق ولعلا بعضهم علی بعض[2]

۱۔ انبیاء، ۲۲

۲۔ المومنون، ۹۱

[اللہ نے نہ کوئی بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا الہ ہے، اگر ایسا ہوتا تو ہر الہ اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا اور ہر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوتا۔]

مزید فرمان الٰہی ہے:

قل لو کان معه الهة کما یقولون اذالا بتغوا الی ذی العرش سبیلا سبحانه وتعالیٰ عما یقولون علوا کبیراً[۱]

[اے نبی (ان سے) کہو کہ اگر اللہ کے ساتھ اور الہ بھی ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو انہوں نے عرش والے تک (پہنچنے) کا راستہ ضرور ڈھونڈھ لیا ہوتا (ان میں مقابلہ آرائی ہوتی) یہ لوگ جو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے اور بہت زیادہ بلند برتر ہے]

☆☆☆

۱۔ بنی اسرائیل، ۴۲۔۴۳

کتابیات

۱۔ ادیانِ عالم اور فرقہ ہائے اسلام کا تقابلی مطالعہ ۔سید علی حیدر نقوی رحمت اللہ بخش ایجینسی، کراچی
۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۶ شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، طبعہ اول ۱۹۹۸ء
۳۔ اسلام اور مستشرقین (سید سلیمان ندوی) دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۸۵ء
۴۔ انفلوئنس آف اسلام آن انڈین کلچر۔ (اردو ترجمہ) (ڈاکٹر تارا چند) آزاد کتاب گھر دہلی ۱۹۶۶ء
۵۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، لندن، پندرہواں ایڈیشن ۱۹۶۸ء
۶۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ اتھیکس، جیمس، پزننگ، نیویارک، چھوتھا ایڈیشن ۱۹۵۹ء
۷۔ اشتقاق اسماء اللہ (ابو القاسم عبد الرحمٰن بن اسحاق زجاجی) بیروت ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۶ء
۸۔ اظہار الحق، (خلیل الرحمٰن) جلد اول، المطبعہ العلمیہ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۱۵ھ
۹۔ اگر اب بھی نہ جاگے تو۔ مولانا شمس نوید عثمانی، جسیم بک ڈپو، اردو بازار جامع مسجد دہلی، بار چہارم، اگست ۱۹۸۹ء
۱۰۔ انجیل برناباس (ترجمہ آسی ضیائی) اشاعت اسلام ٹرسٹ، دہلی، بار اول، اکتوبر ۱۹۸۲ء
۱۱۔ انجیلیں اور تثلیث جلد ۱ (مولانا نعمت اللہ) نواز پبلی کیشنز، دیوبند ۱۴۱۷ھ
۱۲۔ انجیل اور تثلیث ۔جلد ۲ (مولانا نعمت اللہ) نواز پبلی کیشنز، دیوبند ۱۴۱۷ھ
۱۳۔ آئینہ حقیقت نما۔ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی، شیخ الہند اکیڈمی، دار العلوم دیوبند، ۱۹۹۷ء
۱۴۔ ابی دھم پٹک۔ بدھا ایجوکیشنل فاؤنڈیشن تاؤان، پہلا ایڈیشن، ۱۹۹۸ء
۱۵۔ اتھر وید (آشورام آریہ) آریہ پرکاشن، چنڈی گڑھ ۱۹۸۴ء
۱۶۔ البیرونی کا ہندوستان۔ ابوریحان البیرون، نیشنل بک ٹرسٹ، گرین پارک، نئی دہلی ۱۹۱۵ء
۱۷۔ بھگوان بدھ۔ (دھرمانند کوسمبی) ساھتیا اکیڈمی، نئی دہلی، پہلی بار، جون ۱۹۶۰ء
۱۸۔ تاریخ ہندی فلسفہ۔ (ایس، این، داس گپتا) ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، دوسرا عکسی

ایڈیشن ۱۹۸۳ء
۱۹۔ تاریخ الطبری۔ ابوجعفر محمد ابن جریر الطبری، جلد ا، دار المعارت بمصر ۱۹۶۰ء
۲۰۔ التاریخ الکتاب المقدس۔ (ڈاکٹر پوسٹ) دار المعارف بمصر ۱۳۱۱ھ
۲۱۔ تحفۃ المجاہدین اردو ترجمہ (راؤلینڈسن) مجلس ترقی ادب، لاہور
۲۲۔ تفسیر کبیر۔ (امام رازی) الجزء الاول، الطبعۃ الاولیٰ بالمطبعۃ العامرۃ الشرفیۃ ۱۳۰۸ھ
۲۳۔ تفسیر المنار۔ (رشید رضا مصری) جلد اول، دار المنار مصر، الطبعۃ الرابعہ ۱۳۸۳ھ
۲۴۔ توحید کا قرآنی تصور۔ (الطاف احمد اعظمی) مجمع البحوث العلمیہ الاسلامیہ، دہلی ۱۹۹۱ء
۲۵۔ توحید اور عہد نامہ عتیق۔ (سید حامد علی) ادارہ شہادت حق (وقف) خیر نگر گیٹ میرٹھ، طبع اول نومبر ۱۹۶۴ء
۲۶۔ الجامع الصحیح البخاری، جلد ۲، مغازی، ۵۹، ابو عبد اللہ بن اسماعیل البخاری ۱۹۶۔۲۵۶ کتب خانہ رشیدیہ
۲۷۔ الجہاد فی الاسلام۔ (ابو الاعلیٰ مودودی) دفتر ترجمان القرآن، اچھرہ لاہور، طبع اول ۱۹۴۸ء
۲۸۔ جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائیٹی (مسٹر جے کنیڈی) کلکتہ ۱۹۴۳ء
۲۹۔ جین مت سار۔ (لالہ سُمیر چند جینی) ساھتیا اکاڈمی، نئی دہلی، بلیماران ۱۹۵۴ء
۳۰۔ جین مت اور پرماتما۔ رکھب داس، گیتا پریس گورکھپور، ۱۹۶۴ء
۳۱۔ جین مت مت کے بنیادی اصول۔ (پی، آر، جین) ساہتیا اکیڈمی نئی دہلی ۱۹۶۲ء
۳۲۔ جین مت اور خدا پرستی۔ سید حامد علی، ادارہ شہادت حق (وقف) جامعہ نگر، نئی دہلی طبع سوم ۱۹۸۸ء
۳۳۔ جین دھرم ازلی ہے۔ (لالہ دیوان چند) ساہتیا اکیڈمی، نئی دہلی ۱۹۶۰ء
۳۴۔ چیپ جی صاحب، ہندی ساہتیار پریس، الہ آباد، ۱۹۶۰ء
۳۵۔ دعوت، ہندوستانی مذاہب نمبر۔ پرواز رحمانی، جمال پرنٹنگ پریس، ۲۲ / مارچ ۱۹۹۳ء
۳۶۔ دنیا کے بڑے مذاہب۔ (عماد الحسن آزاد فاروقی) مکتبہ جامعہ لمیٹڈ پٹوڈی ہاؤس، نئی دہلی۔ پہلی بار دسمبر ۱۹۸۶ء

۳۷۔ الرحیق المختوم۔ (مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری) المجلس العلمی السعود، علی گڑھ یوپی، طبع اول اپریل ۱۹۸۸ء
۳۸۔ رسالۃ العبودیہ۔ (علامہ ابن تیمیہ) طبعہ بالمطبعہ الحسینیہ المصر، الطبعہ الاولیٰ ۱۳۲۳ھ
۳۹۔ رامائن۔ انڈین پریس لمیٹیڈ، پریاگ، ۱۹۵۶ء
۴۰۔ رسوم ہند۔ (رائے بہادر ماسٹر پیارے لال آشوب) مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول ۱۹۶۱ء
۴۱۔ رگوید۔ سنسکرتی استھان بریلی، ۱۹۶۵ء
۴۲۔ ستیارتھ پرکاش۔ (سوامی دیانند سرسوتی) ویدانند تیرتھ، گورودت بھون، لاہور، بارہواں ایڈیشن ۱۹۴۳ء
۴۳۔ سکھ مت اور توحید۔ (سید حامد علی) ادارہ شہادت حق جامعہ نگر، نئی دہلی
۴۴۔ السلام سہ ماہی، یونیورسل پیس فاؤنڈیشن، دہلی اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۶ء
۴۵۔ سام وید۔ سنسکرتی استھان، بریلی، ۱۹۶۵ء
۴۶۔ ستہ پٹک۔ بدھا ایجوکیشنل فاؤنڈیشن، تائیوان، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۸ء
۴۷۔ شرح العقیدۃ الطحاویۃ (امام ابن العز الحنفی) بیروت ۱۳۹۱ھ
۴۸۔ شری مد بھگود مہاپُران، گیتا پریس گورکھپور، ۱۹۶۴ء
۴۹۔ عہد اسلامی کا ہندوستان (سید ریاست علی ندوی) ادارۃ المصنفین، پٹنہ ۶ طبع اول ۱۹۵۰ء
۵۰۔ عہد نامہ جدید۔ پنجاب اگزلری بائبل سوسائٹی، لاہور، بار ثانی ۱۹۰۳ء
۵۱۔ عہد نامہ عتیق " " " "
۵۲۔ عیسائیت کلیسا کی روشنی میں۔ مولانا نعمت اللہ، دیوبند ۱۴۱۷ھ
۵۳۔ عیسائیت کیا ہے۔ (مولانا تقی عثمانی) کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، نومبر ۱۹۹۵ء
۵۴۔ فی تحقیق ماللہند۔ (ابو ریحان البیرونی م ۱۰۴۸ء) دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۸ء
۵۵۔ قدیم ہندوستان کی تاریخ۔ (رام شنکر ترپاٹھی) ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، طباعت ثانی ۱۹۸۰ء
۵۶۔ قرآن کریم۔
۵۷۔ قرآن مجید کی چار بنیادی اصطلاحیں (ابو الاعلیٰ مودودی) مطبوعہ دار الاسلام پٹھان کوٹ

پنجاب دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۹ء
۵۸۔ کتاب الاسماء والصفات (ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی) فی الطبع المسمہ بانوار احمد بالہ آباد۔ الطبعۃ الاول ۱۳۱۳ھ
۵۹۔ کتاب التوحید واثبات صفات الرب (امام ابن خزیمہ) مصر درب الاتراک ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ ۱۳۵۳ھ
۶۰۔ کچھ ہندومت کے بارے میں۔ لبری آرٹ پریس، پرو پرائٹر (مکتبہ جامعہ) لمیٹڈ نئی دہلی ۱۹۹۳ء
۶۱۔ گروگرنتھ صاحب کا انگریزی ترجمہ، ڈاکٹر گوپال سنگھ
۶۲۔ گروگرنتھ صاحب (ہندی) ساہتیہ پریس، الہ آباد ۱۹۴۰ء
۶۳۔ گگن کا مذاہب عالم نمبر۔ شمس کنول۔ کامبے کراسٹریٹ بمبئی، پہلی مارچ ۱۹۸۶ء
۶۴۔ گیتا۔ (میوالال) نیشنل پریس الہ آباد ۱۹۳۹ء
۶۵۔ المنجد، لویس، معلوف الیسوعی، بیروت، طبعۃ الخامسہ ۱۹۲۷ء
۶۶۔ المسند امام احمد بن حنبل، جلد ا، طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۳ھ ۱۹۹۳ء
۶۷۔ مذاہب عالم اور اسلام، متین طارق، اشاعت اسلام ٹرسٹ دہلی طبع اول ۱۹۹۰ء
۶۸۔ موہنجوداڑو اینڈ انڈس سوکلا ئزیشن، سر جان مارشل، مدراس، ۱۹۱۹ء
۶۹۔ نگار۔ نیاز فتحپوری، مختار پرنٹنگ ورکس لکھنؤ، جنوری، فروری ۱۹۵۶ء
۷۰۔ مہابھارت، گیتا پریس، گورکھپور، ۱۹۶۴ء
۷۱۔ نعرہ حق، سوامی وویکانند، رام کرشن مشن نئی دہلی، طبع اول ۱۹۶۳ء
۷۲۔ وید کا تعارف، سید حامد علی، مطبوعات اشاعت اسلام ٹرسٹ دہلی طبع سوم، جون ۱۹۹۴ء
۷۳۔ النصرانیہ، نوفل بن نعمت اللہ بن جرجیس النصران، بیروت
۷۴۔ ہندوستان کا ساندار ماضی (اردو ترجمہ) ایم، ایل، باشم، ترقی اردو بیورو نئی دہلی، پہلا ایڈیشن ۱۹۸۲ء
۷۵۔ ونایا پٹک (ہندی) تائیوان، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۸ء
۷۶۔ ہندو دھرم ہزار برس پہلے، ابوریحان البریونی، خدابخش پٹنہ، ۱۹۹۳ء

۷۷۔ ہندومت، خدا بخش پٹنہ، ۱۹۹۳ء
۷۸۔ یسوع مسیح انجیل کے آئینہ میں جلد ۱ (مولانا نعمت اللہ) دیوبند ۱۴۱۷ھ
۷۹۔ ہندوازم، مولانا عبدالحمید نعمانی، نعمت کمپوزنگ ہاؤس، دہلی
۸۰۔ ہمارا قدیم سماج، سخی حسن نقوی، ترقی اردو بیورونئی دہلی، طباعت ثانی ۱۹۸۰ء
۸۱۔ یہودیت ونصرانیت، سید ابوالاعلیٰ مودودی، مکتبہ اسلامی، دہلی ۱۹۸۳ء
۸۲۔ یسوع مسیح انجیل کے آئینہ میں، جلد ۲، مولانا نعمت اللہ، نواز پبلی کیشنز، دیوبند ۱۴۱۷ھ
۸۳۔ یہودی اور تحریف تورات، مولانا نعمت اللہ، نواز پبلی کیشنز، دیوبند ۱۴۱۷ھ

84- The Britsh Dis covry of Hindu ism, P.J. Mar shal, landan 1962
85- Budhism (ISI) Essence and Deve lopments Dr. Kanze- Kalcutta 1943
86- Census of india. New Delhi 1981
87- The Dis covery of india- Jawaharlal Nehru. Allahabad-1945
88- Fondations of Indian cultur- Ghosh-New Delhi
89- The Great Religion of the M n wrld- Johon clork Archer-5th. ed. Amereca 1953
90- Hindu Dharm - Gandhi-Ahmadabad 1958
91- Hindu ism- Swami viveka nand, New Delhi 1964
92- History of Philosphy- Radha Krishnan 2nd. ed. Britain
93- Hindu Mannars Customs 1906 Dubais
94- Indian Philophy, Vol I & II Radha Krishnan 3rd. ed. London 1966
95- Jainism Not Atheism- P.R. Jain
96- Religi ns of india- Dr. Karan Singh, New Delhi 1978
97- The Practical Path- Lala Champat Ray, Bombay 1067
98- Sikh Religion- Macauliffe, New Delhi 1909
99- Vinaia Texts Mox Muller, 2nd. ed. New Delhi 1965
100- Vedic Mythology- A.A. Macdonal, 3rd. ed. Delhi 1981

☆☆☆